اضافیت

یہ کتاب ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی صاحب پروفیسر ریاضیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی تصنیف ہی۔ اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے آئن شٹائن کے نظریۂ اضافیت کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہی۔ جس نظریہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہی کہ اس کے سمجھنے والے دنیا میں صرف دو چار ہیں، اس کی تشریح ایسی زبان میں کی گئی ہی کہ معمولی ریاضی جاننے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہی۔

قیمت مجلّد ایک روپیہ چار آنے، بلا جلد بارہ آنے

معمارِ اعظم

یہ یورپ کے بلند پایہ ڈراما نگار اِبسن کے نہایت ممتاز ڈرامے "ماسٹر بلڈر" کا ترجمہ ہی جس میں مصنّف نے نفسیاتی نکات کے بیان کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہی اور بقول پروفیسر فرانسس بل "جہاں تک بنیادی امور، اس کے مقصد اور بنی نوع انسان کے متعلق اس کے تصور کا تعلق ہی یہ ڈراما وقت اور مقام کی قیود سے آزاد ہی اور دنیا کے دور دراز حصے میں جہاں انسان بستے ہیں یہ سب کی سمجھ میں آسکتا ہی۔" عزیز احمد صاحب بی۔ اے آنرز (لندن) نے ایسی خوبی سے ترجمہ کیا ہی کہ اصل کا لطف آجاتا ہی۔

قیمت مجلّد ایک روپیہ چار آنے، بلا جلد بارہ آنے

فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں

یہ بہت ہی قابلِ قدر کتاب ہی جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہماری زبان میں کیا کچھ خزانہ بھرا پڑا ہی جو ہماری غفلت سے ناکارہ اور زنگ آلودہ ہوگیا ہی۔ پہلے حصے میں تیاریِ مکانات اور تہذیب و آرائشِ عمارات کے ذیل میں بیس پیشوں کی اصطلاحات ہیں۔ دوسرے حصے میں تیاری لباس و تزئین لباس کے ذیل میں پچیس پیشوں کی اصطلاحیں بیان کی گئی ہیں۔ ہر اصطلاح کی مناسب تشریح کی گئی ہی اور حسبِ ضرورت ذہن نشین کرنے کے لیے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ باقی حصے زیرِ طبع ہیں۔ مولوی ظفر الرحمٰن صاحب نے سالہا سال کی محنت سے مرتب کی ہیں۔ ہر ادیب کی میز پر اور ہر کتب خانہ کی الماری میں رکھنے کے قابل ہی۔ قیمت حصۂ اول مجلّد دو روپے چار آنے، بلا جلد ایک روپیہ بارہ آنے۔ حصۂ دوم مجلّد دو روپے چار آنے۔ بلا جلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

ملنے کا پتہ:- انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

زمانہ ہے جب کہ شمالی ہندوستان سے لے کر دکن تک ریختہ
گوئی کی گرم بازاری ہے اور منجملہ دوسرے شہروں کے
اورنگ آباد بھی مرکز شعر و سخن بنا ہوا ہے - اگرچہ اس وقت
ذرائع آمد و رفت کی یہ آسانیاں نہ تھیں جو اس وقت ہیں
لیکن اس پر بھی شمال کے اساتذہ کا تازہ کلام یہاں پہنچتا
رہتا ہے اور بڑے اشتیاق سے پڑھا جاتا ہے اور مشہور خاص و
عام ہوجاتا ہے، جس سے صاحب ذوق لوگوں کے دلوں میں نئی
نئی اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ان باکمال اساتذہ کی تتبع
کرنے کی کوشش کرتے ہیں —

'شفیق' کی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق فارسی، عربی،
صرف و نحو، انشا وغیرہ میں ہوئی اور جیسا کہ خود اُنھوں
نے اس تذکرے میں لکھا ہے، شیخ عبدالقادر صاحب سے کتب متعارفہ
کی سند حاصل کی - بدو سن شعور ہی سے ان میں شعرو سخن
کا ذوق پیدا ہوگیا تھا اور گیارا سال کی عمر سے شعر کہنے
لگے تھے- میر غلام علی 'آزاد' بلگرامی جن کا شمار ہندوستان کے
جید علما میں ہے اور جو فن شعر گوئی اور تاریخ میں یدطولی
رکھتے تھے، دکن ہی میں تھے - 'شفیق' کو ان سے تلمذ کا شرف
حاصل ہوا - لکھتے ہیں کہ " میر عبدالقادر 'مہربان' نے جو
حضرت 'آزاد' کے تلامذہ میں سے تھے، مجھے " صاحب "
تخلص عنایت فرمایا - غزلیات کا دیوان جس میں تقریباً
دو ہزار بیت تھے، مرتب کیا - لیکن جب ذرا استعداد
بڑھی اور اصطلاح شعرا اور قواعد شعرا میں مہارت حاصل
ہوئی تو اُسے تقویم پارینہ سمجھ کر نظر انداز کردیا -

اب کہ میری عمر اٹھارا سال کی ہے، مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک صاحب میر محمد مسیح کا تخلص فارسی میں 'صاحب' ہے تو میں نے "میر صاحب و قبلہ" (آزاد بلگرامی) سے تخلص کی التجا کی۔ آپ نے ازراہ شفقت "شفیق" تخلص عطا فرمایا۔ چونکہ میرے ریختے عوام و خاص میں مشہور ہو چکے تھے، اس لئے ریختے میں "صاحب" ہی تخلص رہنے دیا اور جن بحروں میں "شفیق" نہیں کھپ سکتا وہاں نا چار "صاحب" ہی رکھنا پڑا۔ اس نئے تخلص کی خوشی اور شکریے میں وہ ایک قطعہ موزوں کرتے ہیں اور "تخلص نوی" اس کی تاریخ نکالتے ہیں۔

'مہربان' 'شفیق' کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ان کے حالات میں ان کی بہت تعریف کی ہے —

میر غلام علی 'آزاد' ۱۱۵۲ھ (۱۷۴۰ع) میں اورنگ آباد وارد ہوے اور بابا شاہ مسافر کے تکیے میں قیام کیا اور سات سال یہیں بسر کردئے۔ 'آزاد' کی عمر کے اڑتالیس سال دکن ہی میں گزرے اور یہیں وفات پائی اور خلدآباد میں پیوند زمیں ہوے۔ آپ کی فیض صحبت سے دکن کے اکثر باکمال مستفیض ہوے۔ انھیں میں 'شفیق' تھے۔ 'شفیق' کو 'آزاد' سے کمال عقیدت مندی تھی اور جہاں کہیں ان کے تالیفات میں 'آزاد' کا نام آیا ہے تو اُن کا ذکر بڑے ادب و احترام اور خلوص و ارادت سے کرتے ہیں اور ہر جگہ انھیں "میر صاحب قبلہ"، "پیر و مرشد"، یا "قبلہ و کعبۂ بر حق" اور اپنے آپ کو "غلام" لکھتے ہیں۔

(غالباً اس میں 'آزاد' کے لفظ کی رعایت بھی ملحوظ ھے)۔
'گل رعنا' میں 'آزاد' کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ھے۔ اپنے کلام میں جا بجا حضرت کے کمال اور اپنے تعلقات و عنایات کا ذکر کیا ھے۔ ایک پر زور قصیدہ اُن کی مدح میں لکھا ھے :-

للہ الحمد صبا مژدۂ عشرت لائی
کہ بہار اب کے تجمل سے چمن میں آئی
شاہ گل تخت چمن پر ھے بصد زینت وناز
سرو و شمشاد ھیں استادہ وھاں مجرائی

بہاریہ تشبیب کے بعد گریز کی ھے :—

طبع حضرت سے مگر وام کرے رنگینی
اب جو کرتی ھے بہار ایسی چمن آرائی
یعنی وہ حضرت 'آزاد' کہ خورشید و قمر
آستاں اُس کی پہ رکھتے ھیں جبیں فرسائی
قبلۂ ھر دو جہاں، مرشد ارباب سلوک
ختم ھے ذات مبارک پہ کرم فرمائی
علم منقول میں اُس کو دم عیسیٰ ھیگا
علم معقول میں اُس کو ھے ید بیضائی
قمریان عرب اُس کی ھیں ثنا خوانی میں
عندلیبان عجم کی ھے سخن پیرائی
بسکہ رکھتا ھے سخن بیچ وو شیریں کاری
ھند کے طوطیوں کو اُس سے ھے شکر خائی

... ...

نگہ لطف مرے پر ہے ہمیشہ مبذول
مجکو زیبا ہے غلامی ، اُسے ہے آقائی

اس کے بعد دعا ہے اور دعا کے بعد یہ مقطع ہے :—

فارسی شعر کہو مدح میں اُس کی "صاحب"
کہ ملے تجکو خطاب ملک الشعرائی

اسی طرح ایک پوری غزل 'آزاد' کی شان میں کہی ہے - غزل کیا ہے ، گویا اپنے پیر و مرشد کی شان میں چھوٹا سا قصیدہ ہے :—

سرور ہر دو جہاں آزاد ہے
والی کون و مکاں آزاد ہے
کنت کنزاً کے معانی پر خبیر
واقف سر نہاں آزاد ہے
مرکز ادوار چرخ چنبری
قطب الاقطاب زماں آزاد ہے
اسم اعظم ہے زباں زد اس کے تئیں
جس کے تئیں ورد زباں آزاد ہے
خورد و بزرگ کے تئیں یہاں ہے رسوخ
مرشد پیر و جواں آزاد ہے
ایک دم میں دین و دنیا بخش دے
جس کے اوپر مہرباں آزاد ہے
دل سے اب 'صاحب' ہوا ہے گا غلام
بادشاہ انس و جاں آزاد ہے

کہاں تک لکھوں، 'شفیق' کی عقیدت کے اظہار کے لئے یہ بہت کافی ہے —

حضرت آزاد کا ذوق سخن محتاج بیان نہیں، ایسے صاحب ذوق اور باکمال لوگ کم ہوتے ہیں - ان کا کلام اور ان کی تصنیفات اس کی شاہد ہیں - اس کے ساتھہ تاریخ و سیرت کا ذوق بھی اعلیٰ درجے کا تھا - ان کے تذکرے اس فن کے بہترین نمونے ہیں - مآثرالامرا، جو تاریخی لحاظ سے بے مثل کتاب ہے، انھیں کے فیض اثر کا نتیجہ ہے بلکہ بہت کچھ حضرت 'آزاد' ہی کی قلم کی ممنون ہے - ادب میں ان کی نظر بہت وسیع تھی اور تحقیق و تلاش میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے - اچھا استاد دنیا کی بہترین نعمتوں میں سے ہے - 'شفیق' بڑا خوش قسمت تھا کہ اُسے 'آزاد' سا استاد ملا - اس نے بھی استاد کے قدم بقدم چلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی - شاعر تو وہ لڑکپن سے تھا، فارسی اور اردو دونوں میں اس کا کلام موجود ہے اگرچہ کم یاب ہے - اس کے علاوہ اس کی تصنیفات و تالیفات دو قسم کی ہیں - ایک تو شعرا کے تذکرے اور دوسری تاریخی کتابیں - یہاں اُن تالیفات * کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے —

---

*اس مقدمے میں راے منسا رام اور 'شفیق' کی تالیفات کا ذکر آیا ہے، اُن میں سے تنمیق شگرف' حالات حیدرآباد' ریو کی فہرست سے ماخوذ ہے، باقی کتابیں میرے پاس موجود ہیں —

تاریخ

——(حقیقت ہائے ہندوستان)——

'شفیق' اس کتاب کی حقیقت دیباچے میں اس طرح لکھتے ہیں کہ "راقم کے والد رائے منسا رام نے جو چار پشت سے نمک خوار خاندان آصفی ہیں۔ سنہ ۱۲۰۴ھ میں اورنگ آباد سے فردوں کے چند طبلق میرے پاس حیدرآباد بھیجے۔ یہ میرے جد ماجد کے لکھے ہوئے تھے' جو سرکار حضرت کلاں علیہ المغفرۃ و الرضوان میں خدمت مستوفی گری اور پیشکاری صدارت امکنۂ ہندوستان پر فائز تھے' یہ فردیں نواب مغفرت مآب نظام الملک کے دستخط سے مزین تھیں۔ لیکن ان میں سے بعض بوسیدہ ہو گئی تھیں اور اکثر کرم خوردہ تھیں۔ ان فردوں میں قدیم زمانے کے مختلف سنین سے سنہ ۱۱۳۹ف تک کے مداخل و مخارج و جمعیت سپاہ وغیرہ کا حساب بطور سیاق و اصطلاح اہل جرائد میں درج تھے۔ ان سب کو سادہ عبارت میں تحریر کیا اور رقمی اعداد کو الفاظ میں لکھا اور اس کے علاوہ دوسری معلومات بھی فراہم کر کے مناسب مقامات پر اضافہ کیں۔

یہ کتاب 'شفیق' نے اس وقت کے رزیڈنٹ اور اپنے سرپرست کپتان ولیم پیٹرک کے لئے تالیف کی۔ کتاب کے نام سے اس کا سنہ تالیف (۱۲۰۴ ھ) نکلتا ہے' اس میں چار مقالے ہیں—

مقالۂ اول میں دفتر قدیمہ کی فردوں کی کیفیت ہے—

مقالۂ دوم میں صوبہ ہائے ہندوستان کا حال ہے—

مقالۂ سوم میں صوبجات دکن کا ذکر ہے --

مقالۂ چہارم میں مسلمان سلاطین ہند کا مختصر حال، سلطان معزالدین سام سے لے کر شاہ عالم بادشاہ تک ہے —

یہ کتاب اچھی ضخیم ہے اور اس میں ہر سرکار پرگنہ اور حویلی کے مداخل اور سمت اور فاصلہ درج ہے - ضمنی طور پر مختصر تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں - غرض یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے --

——(تنمیق شگرف)——

یہ بھی دکن کی تاریخ کے متعلق ہے - مختلف صوبوں کے جغرافی اور تاریخی حال اور اعداد و شمار ہیں، اس کے بعد سلاطین بہمنیہ کا ذکر ہے جو تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے - سلطنت بہمنیہ کے زوال پر جو حکومتیں قائم ہوئیں (یعنی عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی، قطب شاہی، برید شاہی، اور خاندیس کے فاروقی سلاطین) ان کا مختصر حال ہے - آخر میں سلاطین تیموریہ کا ذکر سنہ ۱۲۰۰ ھ تک ہے - یہ نام بھی تاریخی ہے، جس سے سنہ تالیف ۱۲۰۰ ھ نکلتا ہے - یہ کتاب حیدرآباد کے رزیڈنٹ مسٹر رچرڈ جانس کے نام معنون ہے —

——(مآثر آصفی)——

یہ خاندان آصف جاہ کی تاریخ ہے، یعنی خواجہ عابد (نظام الملک آصف جاہ اول کے دادا) سے لےکر آصف جاہ ثانی تک کے حالات ہیں، مرہٹوں نے جو ہندوستان پر حملہ کیا تھا اس کا بھی

ذکر ہے - نیز اس زمانے کے امرا اور راجاؤں کے حالات بھی لکھے ہیں - کتاب سنہ ۱۲۰۸ ھ میں تالیف ہوئی -

—— (بساط الغنائم) ——

یہ مرہٹوں کی تاریخ ہے - یہ کتاب اس نے سر جان ملکم کی فرمائش سے لکھی' جو اس وقت حیدرآباد میں تھے' اس میں مرہٹوں کی تاریخ ابتدا سے مؤلف کے وقت تک کی ہے اس کا ایک حصہ 'شفیق' نے کسی مرہٹی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے نام تاریخی ہے - جس سے ۱۲۱۴ ھ نکلتا ہے -

—— (حالات حیدرآباد) ——

اس میں بلدۂ حیدرآباد کی مساجد' محلات و باغات اور شہر کی مختصر تاریخ ہے اور بیدر اور ورنگل کے حالات بھی درج ہیں - یہ کتاب بھی سنہ ۱۲۱۴ ھ کی تالیف ہے -

---

تذکرے

—— (شام غریباں) ——

یہ تذکرہ اُن ایرانی شعرا کا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ہندوستان میں وارد ہوے - نام بھی مضمون کی مناسبت سے رکھا ہے - اگرچہ حالات بہت مختصر ہیں' مگر کتاب دلچسپ ہے اور اشعار کا انتخاب خوب ہے - لطائف و ظرائف سے خالی نہیں - بعض بعض جگہ اشعار کے متعلق خاص نکات بھی بیان کردیے ہیں -

—— (گل رعنا) ——

یہ ہندوستان کے فارسی گو شعرا کا تذکرہ ہے، اس میں وہ ایرانی نژاد بھی ہیں جن کے باپ دادا ہندوستان میں آے اور یہیں رہ گئے اور ہندی نژاد بھی - اس میں دو فصلیں ہیں - ایک میں "شعراے اسلامیاں" کا اور دوسری میں "نکتہ پردازان اصفامیاں" کا تذکرہ ہے - یہ تذکرہ "شام غریباں" سے بہت بڑا ہے اور اکثر حالات بھی مفصل بیان کئے ہیں- اپنے استاد 'آزاد' بلگرامی کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ہے- 'اکبر' کا حال کوئی ۴۶ صفحوں میں ہے، مگر سب ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ سے ماخوذ ہے - افسوس کہ 'شفیق' نے اس میں تحقیق سے مطلق کام نہیں لیا- وہ اس مورخ کے ادعاے راست‌گوئی کو اس کے جذبات تعصب، حسد و رشک سے جدا نہ کرسکے- علامہ 'فیضی' کے حالات بھی بلا کم و کاست بدایونی سے نقل‌کردیے ہیں- 'شفیق' بدایونی کو بالکل نہیں سمجھے —

'شام غریباں' کےمقابلے میں اس تذکرے میں تاریخی واقعات اور لطائف و ظرائف بھی زیادہ ہیں - بعض بعض مقامات پر اشعار کی شرح بھی کردی ہے اور ان کے نکات بھی بتادیے ہیں - مثلاً میر محمد افضل الہ آبادی 'ثابت' کے ایک قصیدے میں کثرت سے طبی تلمیحات و اصطلاحات ہیں، اس کے اشعار نقل کرکے ان تمام تلمیحات و اصطلاحات کی شرح لکھی ہے - اسی شاعر کا ایک دوسرا معرکے کا قصیدہ ہے، اس کا انتخاب درج کیا ہے اور اس کے مشکل مقامات کا حل بھی لکھہ دیا ہے - یہ تذکرہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے —

یہ ریختہ گو شعرا کا تذکرہ ہے۔ 'شفیق' لکھتے ہیں کہ
"جب ہندوستان سے تازہ تازہ میر محمد تقی 'میر' اور فتح علی
خاں کے تذکرے پہنچے تو سارے عالم میں غلغلہ پڑگیا اور
اور اشعار ہند کے اشتیاق میں ایک دنیا تہ و بالا ہوگئی،
کیونکہ اہل دکن کو ان اشعار کا بہم پہنچنا دشوار ہے۔ اس
لئے میری فکر ناقص میں یہ بات آئی کہ ان دونوں تذکروں
کے اشعار لوں اور دوسرے جواہر پارے ان کے ساتھہ ملا کر ایک
سفینہ تیار کروں۔ اس تقریب سے بعض احباب سخن داں کے
حالات و کلام کے جمع کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ دوست
احباب نے بھی اس کی تائید کی بلکہ اصرار کیا اور میں اس
کتاب کے لکھنے پر آمادہ ہوگیا" —

'شفیق' نے اس تذکرے کی ترتیب میں عجیب جدت
دکھائی ہے۔ اب تک جتنے فارسی اردو کے تذکرے لکھے گئے
ہیں (سوائے میر صاحب کے تذکرے کے، جس میں کوئی ترتیب
نہیں) ان میں ناموں کی (یعنی تخلصوں کی) ترتیب حروف
تہجی کے لحاظ سے ہے، لیکن 'شفیق' نے اس تذکرے کی ترتیب
حروف ابجد یعنی حساب جمل کے لحاظ سے رکھی ہے۔ اس میں
کوئی خاص خوبی نہیں معلوم ہوتی، نہ خود مؤلف نے اس کی
کوئی وجہ بتائی ہے۔ سوائے اس کے کہ جوانی کی ترنگ کہا
جائے اور کیا کہہ سکتے ہیں —

جوانی کا زمانہ ہے، عبارت میں رنگینی پائی جاتی ہے؛

بعض اوقات تشبیہات و استعارات میں باتیں کرتے ھیں - جہاں کہیں موقع ملتا ھے شاعر کے تخلص یا اس کے پیشے وغیرہ کی مناسبت سے اُسی قسم کے الفاظ اور تشبیہات میں اس کا حال لکھنا شروع کردیتے ھیں (مثلاً ملاحظہ ھوں : آشنا' آوارہ' بہار داود' خاکسار ' ذکی ' محمد علی حشمت ' مخلص ' ناطق وغیرہ کے حالات) لیکن عبارت گنجلک نہیں ' بیان صاف اور شستہ ھے اور زبان پر قدرت ھے - کہیں کہیں میر صاحب (میر تقي) کی طرح اصلاح بھی دے دیتے ھیں - یا شعر میں کوئی کنایہ یا خاص نکتہ ھوتا ھے تو اس کی طرف بھی اشارہ کردیتے ھیں' جس سے 'شفیق' کی سخن فہمی اور سخن سنجی کا اندازہ ھوتا ھے —

اگرچہ شفیق' نے اپنے تذکرے کی بنیاد میر صاحب اور فتح علی کے تذکروں پر رکھی ھے لیکن ان کے علاوہ جہاں جہاں سے جو جو حالات مل گئے ھیں حوالے کے ساتھ ان کا بھی اضافہ کردیا ھے - چنانچہ کتاب کے مطالعے میں بعض جگہ شاہ عبدالحکیم 'حاکم' کے تذکرۂ 'مردم دیدہ ' اور تذکرۂ 'مجمع النفائس' تالیف سراج الدین خان آرزو ' سرو آزاد ' اور حاجی علي اکبر رمال اور رضا خان انوار کی بیاضوں کا حوالہ ملے گا —

بعض اوقات اشعار کے متعلق مغالطہ ھوجاتا ھے اور یہ دیکھنے میں آیا ھے کہ بعض اشعار خصوصاً مشہور اشعار مختلف شعرا کے کلام میں پائے جاتے ھیں' 'شفیق' نے اس باب میں بڑی احتیاط اور تحقیق سے کام لیا ھے - جن اشعار کا پتا نہیں چلا وہ تذکرے کے آخر میں جمع کر دیے ھیں کہ ان کا پتا

چلانا دشوار ہے، خصوصاً اہل دکن کے لئے، کیونکہ ایک ہی تخلص کے کئی کئی شاعر ہیں۔ ہندوستان سے اشعار اکثر صرف تخلص کے ساتھ آتے ہیں۔ اور نادان پڑھنے والے سب کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ شعر حقیقت میں کس کا ہے۔

'شفیق' ہر شاعر کے تذکرے میں انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے اور کبھی کسی پر نا گوار نکتہ چینی نہیں کرتا۔ چنانچہ 'یقین' کے بیان میں خود لکھتا ہے کہ "جب کسی شاعر کے کلام میں کوئی ثقیل مصرع نظر پڑا تو خود ایک دوسرا مصرع لکھ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ مصرع بھی خوب معلوم ہوتا ہے"۔ اپنے مصرع کو ترجیح نہیں دی، بلکہ پڑھنے والے کی پسند پر چھوڑ دیا ہے۔

لیکن 'یقین' کا تذکرہ مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ اس میں اس نے اس قدر مبالغے بلکہ غلو سے کام لیا ہے کہ خلاف عادت 'شفیق' کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں رہا' وہ اسے اردو کا سب سے بہتر شاعر خیال کرتا ہے اور ہند و دکن میں کسی کو اس کی ٹکر کا نہیں سمجھتا۔ کہتا ہے کہ "اگرچہ میرزا سودا کا غزل' رباعی' مخمس' مثنوی' قصیدے' قطعہ بند وغیرہ میں بڑا رتبہ ہے' اور وہ بہت عالی تلاشی کرتے ہیں' لیکن 'یقین' کے ریختے میں کچھ اور ہی فصاحت و ملاحت ہے۔

اگر ہزار برس تک یہ میرزا 'سودا'

کرے جو فکر تتبع 'یقیں' کا از دل و جاں

کہے گا معنی باریک و خوب و شیریں تر
ولے نزاکت و یہ لطف و یہ قبول کہاں

وہ یکتائے عصر اور یگانۂ زمانہ ہے اور ایسا معنی آفریں اور نکتہ رس دنیا میں پیدا نہیں ہوا"۔ میر صاحب نے اپنے تذکرے میں جو 'یقین' پر طعن و تعریض کی ہے اور اسے متبدل بند کہا ہے اور سرقے کا الزام لگایا ہے تو اس پر 'شفیق' آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور میر صاحب کو خوب سخت سست کہتا ہے ' سودا ' نے جو میر صاحب کی ہجو کہی تھی ' اسے نقل کرکے اُس کی داد دیتا ہے - اس کے بعد 'توارد' و 'سرقہ' پر بحث کی ہے' دوسرے علما کے اقوال نقل کئے ہیں اور خود اپنا قطعہ بھی جو اس مضمون پر لکھا ہے نقل کیا ہے- غرض میر صاحب کے خلاف خوب زہر اُگلا ہے اور خود میر صاحب کے ذکر میں بھی اُن کی حرف گیری پر چوٹ کی ہے—

غرض ' یقین' کی شاعری کا بہت بڑا مداح اور معتقد ہے اور اُس کی تقلید کو فخر سمجھتا ہے - اپنے کلام میں کہیں کہیں اس کا اشارہ کیا ہے - مثلاً ایک غزل کا مقطع ہے :—

دیوان 'یقیں' خوش خط 'صاحب' نے لکھا یا ہے
اوراق طلائی پر کھینچی ہیں گی تحریریں

یقین کا تذکرہ اور کلام تقریباً ۶۴ صفحوں میں درج ہے۔ اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ اس شاعر کو کیا سمجھتا تھا—

حاجی میر علی اکبر رمال 'حاجی' سے 'شفیق' نے رمل وغیرہ کی تحصیل کی تھی- 'حاجی' کے تذکرے میں خود بھی اپنے اظہار کمال کے لئے ایک زائچہ دیا ہے' جس سے عام ناظرین کو کوئی

دلچسپی نہیں ہو سکتی ہے، ایک نوجوان طالب علم کا شوق نمود و نمائش سمجھنا چاہئے —

'شفیق' کا تذکرہ میر صاحب اور فتح علی کے تذکروں سے بڑھے اور بہت سے ایسے شعرا کا تذکرہ درج ہے، جو ان دونوں میں نہیں پایا جاتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو 'شفیق' کے ہم عصر ہیں اور جن سے اس کی ذاتی ملاقات ہے اور خود ان شاعروں سے اُن کا منتخب کلام لے کر درج تذکرہ کیا ہے۔ ایسے حالات خاص طور پر قابل اعتبار ہیں —

سب سے قابل تعریف بات یہ ہے کہ 'شفیق' نے یہ تذکرہ ۱۸ برس کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور بغیر کسی کی مدد کے بہت تھوڑے عرصے میں ختم کر دیا۔ اس عمر میں ایسی اچھی کتاب کا تالیف کرنا اعجاز سے کم نہیں، اس سے 'شفیق' کی غیر معمولی ذہانت اور لیاقت معلوم ہوتی ہے۔ کتاب کا نام "چمنستان شعرا" تاریخی ہے اور اس سے ۱۱۷۵ھ سن تالیف نکلتا ہے۔

جہاں تک تحقیق کیا گیا، اس تذکرے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے، جو کتب خانۂ آصفیۂ سرکار عالی حیدر آباد میں ہے اور یہ بھی کرم خوردہ، فرسودہ اور مشکوک ہے۔ یہ اسی نسخے کی نقل ہے۔ اس کی تصحیح میں بیحد دقت اُٹھانی پڑی، بعض عبارتیں اصل کتب سے، جو اس کا ماخذ ہیں، صحیح کرنی پڑیں، کہیں قیاس سے کام لینا پڑا اور بعض بعض مقام پر کچھ الفاظ جو کتاب کے ازلی دشمن کیڑے چٹ کر گئے ہیں، ویسے ہی چھوڑنے پڑے اور اُن کی جگہ نقطے دے دیے ہیں، بہت سے اشعار جو تذکرے میں مشکوک یا کرم خوردہ تھے،

شعرا کے اصل دیوانوں سے تلاش کر کے لکھے گئے - بعض الفاظ جو مشتبہ تھے اور ان کی صحت نہ ہو سکی، ان کے سامنے استفہام کی علامت لکھ دی گئی ہے - اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ غلطیاں رہ گئی ہوں، اگر دوبارہ اشاعت کی نوبت آئی تو جہاں تک ممکن ہوگا اصلاح کی کوشش کی جائے گی -

ایک کام اس کی ترتیب میں اور کیا گیا ہے، جسے غالباً ناظرین پسند فرمائیں گے، یعنی 'تحفۃ الشعرا' تالیف افضل بیگ خان قاقشال اورنگ آبادی (سنہ تالیف ۱۱۶۵ ھ) سے اُن ریختہ گو شعرا کا حال اور کلام جو 'شفیق' کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں حاشیے میں درج کردیا ہے - جن جن شاعروں کا اس میں اُردو کلام نہیں وہاں صرف حالات ہی لکھ دیے گئے ہیں اور جہاں حالات میں کوئی نئی بات نہیں ہے وہاں صرف کلام پر اکتفا کیا گیا ہے - مشترک کلام ہر جگہ خارج کردیا گیا ہے - بعض شاعر ایسے بھی ہیں، جن کا ذکر 'چمنستان' میں نہیں ہے، اُن کا حال اور کلام ہر حرف کے آخر میں درج کردیا گیا ہے - اس سے پڑھنے والوں کو ضرور بصیرت ہوگی اور وہ 'تحفۃ الشعرا' کے مطالعے سے مستغنی ہو جائیں گے - یہ تذکرہ 'چمنستان' سے پہلے کا لکھا ہوا ہے - اصل میں یہ فارسی گو شعرا کا تذکرہ ہے، اس میں ضمناً ایسے شعرا بھی آگئے ہیں جو اُردو میں بھی شعر کہتے تھے - بعض شعرا کے حالات اس میں کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں -

——— (شفیق کا کلام) ———

'شفیق' کے اُردو کلیات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پُر گو

شاعر تھا، زبان پر قدرت تھی اور شاعری کے نکات سے خوب واقف تھا۔ اور اس کا کلام شعر کی تقریباً ہر صنف میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ اردو کا اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہے مگر اوسط درجے کے شعرا میں اس کا پایہ بہت بلند ہے۔ غزلوں کے علاوہ قصیدوں اور مثنویوں میں خوب زور دکھایا ہے۔ شہر آشوب، واسوخت، مخمس، مثلث، رباعیاں اور تضمینیں بھی لکھی ہیں۔ ان نظموں سے کہیں کہیں 'شفیق' کے ذاتی حالات کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً 'شفیق' نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے فرزند میر احمد علی خاں عالی جاہ کے متوسلین میں سے تھے۔ یہ بڑے قدر داں اور 'منہزور' رئیس تھے اور 'شفیق' کو انھیں کی سرکار سے تعلق تھا۔ ان کی مدح میں اس نے کئی قصیدے لکھے ہیں۔ چنانچہ ایک قصیدے میں صاف صاف نام اور پتا بتا دیا ہے:—

یک زبردست ہے مرا والی
یک قوی دل مرا ہے پشت و پناہ
حق و باطل ہے سامنے جس کے
یوں عیاں جس طرح سفید و سیاہ
یعنی نواب میر احمد خاں
اسدالملک حضرت عالی جاہ
باپ جس کا نظام دولت و دیں
جد ہے جس کا جناب آصف جاہ

ایک دوسرے قصیدے میں لکھتے ہیں:—

جناب پاک یعنے میر احمد خان عالی جاہ
کہ جس کی عمر و دولت کا نگہباں ایزد سبحاں

آگے چل کر سفر میں رہنے کی صعوبت اور اپنے ضعف کی شکایت کی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ملازمت ایسی تھی، جس میں دورہ کرنا پڑتا تھا - چنانچہ کہتے ہیں :—

مگر فضل خداوندی مری اب دستگیری کر
نشستِ شہر فرماوے عنایت کر کے نیم ناں

آخر میں اپنے لڑکے کے لیے درخواست کی ہے :—

مدد خرچ اب مرا دستخط ہوے اس بندہ زادے کو
تعیں ہو ڈیوڑھی کا بلدہ کی جب تک کہ ہے ناداں

ایک اور قصیدے میں بھی اپنے آقا کا نام اور خطاب کا ذکر کیا ہے :—

چراغ دودۂ حیدر جناب میر احمد خاں
کہ جس کے جد کے تئیں چرخ بریں سے ذوالفقار آئے
وو اسد الملک اسد اللہ اس کا بافہہ بل نت ہے
کہ جس کی دھاک سے شیروں کو تب بے اختیار آئے
نظام الدولہ آصف جاہ کا فرزند ارشد ہے
کہ دولت جس کے در پہ جھہ سا امیدوار آئے

ایک صاحب سے 'شفیق' کو بے حد الفت ہے اور اکثر غزلوں میں انتہاے محبت سے "میرا میاں میرا میاں" کر کے اُسے یاد کیا ہے- بعض غزلیں کی غزلیں اس کی یاد میں ("میرا میاں" کی ردیف میں) لکھ ڈالی ہیں - ایک قصیدہ بھی اسی ردیف

میں لکھا ہے اور بڑے شوق اور محبت سے اس کا ذکر کیا ہے۔ جس کے دوچار شعر یہ ہیں :-

ہے مرا ایمان و جاں میرا میاں
مجکو ہے ورد زباں میرا میاں
انتظاری کی نہیں طاقت مجھے
جلد آ میرے میاں میرا میاں
گُل ملے بلبل کو اور قمری کو سرو
میرے تئیں میرا میاں میرا میاں

ایک غزل میں معمے کی طرز میں نام بھی بتا گئے ہیں اور وہ نام ”شکرو میاں“ ہے —

'ذکا' (سید امتیاز خاں) سے بھی اپنی عقیدت کا بار بار اظہار کیا ہے:-

عقیدت ہے 'ذکا' سے میرے تئیں از بسکہ اے 'صاحب'
مجھے ورد زباں ہے رات دن یا پیر یا ہادی

ایک دوسری غزل کے مقطع میں کہتے ہیں :-

یک آن جدائی نہ ہو 'صاحب' سے 'ذکا' کو
اللہ کرے میری جو نیت ہے بر آوے

'شفیق' کو ادبی تحقیق و نکات سے خاص ذوق تھا۔ توارد پر جو بحث اس نے کی ہے اور ایک غزل کے ضمن میں جو قطعہ توارد پر لکھا ہے وہ سب اس تذکرے میں موجود ہے۔ اردو کلیات میں ایک قصیدہ نظر پڑا جس کا مطلع یہ ہے :-

ساقی اس ابر مشک فام کو دیکھ
اس طرف دیکھ مے کے جام کو دیکھ

کچھہ شعر لکھنے کے بعد گریز کی ھے اور الفاظ کے متحرک و ساکن ھونے کی بحث کا ذکر کیا ھے ۔ معلوم ھوتا ھے کہ ان کے ایک ھم عصر ''مفتوں'' نے اُن کے ایک لفظ پر اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب دیا ھے ۔

' شفیق ' نے ختم (بسکون تا) کو ختم (بہ فتح تا) لکھہ دیا تھا ۔ معترض کی تردید اور اپنی تائید میں یہ اشعار لکھے ھیں :-

گر ختم کہوے ختم کو " صاحب "
ھے روا حرکت مقام کو دیکھہ
ریختے کی زباں میں یہ غلطی
ابتدا سے ھے انتظام کو دیکھہ
آبرو زلف کو زلَف بولا
اور الفاظ نا تمام کو دیکھہ
نقل ھے وقت مغرب اعظم شاہ
یوں کہا اپنے یک غلام کو دیکھہ
ھووے " اسواري " اس گھڑی تیار
سیر چاھے ھے جی پہ شام کو دیکھہ
مولوی جیون اوستاد شاہ
تب کہے یوں تو اس پیام کو دیکھہ
لفظ 'اسواری' نہیں سواری ھے
کچھہ تو اس صحت کلام کو دیکھہ
شاہ نے تب تو یہ جواب دیا :
میری طرز سخن تمام کو دیکھہ

یہ عبارت کہاں میں ہندی میں
اس میں جائز ہے تو نظام کو دیکھ

'شفیق' کی یہ راے بالکل صحیح ہے کہ عربی کے جو لفظ عام طور پر اُردو میں بہ تبدیل حرکت وغیرہ بولے جاتے ہیں اور جو زباں زد خاص و عام ہوگئے ہیں وہ اسی طرح فصیح ہیں، خواہ وہ اصل لغت کے اعتبار سے غیر صحیح کیوں نہ ہوں۔ ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے ہیں تو لہجے کے تغیر سے کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوجاتی ہے —

علاوہ غزلوں اور قصیدوں کے 'شفیق' کا زور کلام دیکھنا ہو تو اُن کی مثنوی "تصویر جاناں" دیکھنی چاہیے جو رسالۂ 'تجلی' حیدرآباد دکن میں شائع ہوچکی ہے۔ اس میں بڑا زور سراپا کے بیان میں دکھایا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون بہت پامال ہے اور ہمیشہ بھونڈا اور بے مزہ ہوکر رہ جاتا ہے اور یہی حال اس مثنوی کے سراپا کا بھی ہے، تاہم اس سے 'شفیق' کی قادر کلامی کا اندازہ ہوتا ہے —

اگر کوئی 'شفیق' کے نام اور حال سے واقف نہ ہو اور اس کا کلام پڑھے تو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا لکھنے والا ہندو ہے۔ وہ تمام بزرگان دین اسلام کا ذکر اسی ادب، احترام اور عقیدت سے کرتا ہے، جیسے کوئی سچا اور پکا مسلمان۔ اور یہ کوئی تصنع سے نہیں بلکہ در حقیقت دل سے اور عقیدت سے ہے۔ معراج کے بیان میں جو مثنوی لکھی ہے اور جو "اردو" میں شائع ہوچکی ہے، اُسے دیکھئے،

کوئی مسلمان اس سے بڑھ کر کیا لکھے گا - اردو کلیات میں
ان کے متعدد قصیدے حضرت علی کی شان میں ھیں -
امام آخرالزماں کی منقبت میں کئی قصیدے ھیں - ایک
قصیدہ حضرت غوث‌الاعظم جیلانی کی مدح میں ھے - ایک
حضرت گیسو دراز بندہ نواز کی تعریف میں - علاوہ ان
قصائد کے اُن کے تمام کلام میں جہاں کہیں مسلمانوں کے بزرگوں
اور اولیا کا ذکر آتا ھے تو وہ اُن کا نام اور ذکر اس عقیدت
اور ارادت سے کرتا ھے جیسے مسلمان - اس کے کلام میں اسلامی
تلمیحات کثرت سے آتی ھیں ' بر خلاف اس کے ھندو دیوتاؤں
وغیرہ کا ذکر شاذ ھی کہیں آیا ھو تو آیا ھو - یہ تعلیم '
صحبت ' ماحول اور اس زمانے کے اقتضا کا اثر تھا - اج کل
کے لوگوں کو شاید یہ چیزیں پڑھ کر حیرت ھو ' لیکن یہ
اس زمانے کی یادگاریں ھیں' جب ھندو مسلمان بھائی بھائی
کی طرح رھتے سہتے تھے اور کسی کو کسی سے پرخاش
نہ تھی - یہ خوش حالی امن و آزادی اور ترقی کی شان تھی -
جب افلاس کا منحوس قدم آیا تو جہالت ' تنگ دلی ' تعصب
اور نا عاقبت اندیشی نے ایسا اندھا کردیا کہ وہ اپنے پاؤں
پر خود کلھاڑی مارنے لگے - ایک دن آے گا کہ وہ اپنے کئے
پر پچتائیں گے اور گلے مل مل کر اپنے آنسوؤں سے اس
داغ کو دھوئیں گے —

'شفیق' نے ''حسب حال زمانہ'' کے عنوان سے ایک شہرآشوب
بھی لکھا ھے' جس کے ابتدائی چند شعر یہ ھیں :—

ایک دن دل نے کہا مجھہ سے کہ صاحب سن اِدھر
کیوں ریاست دن بدن ایسی ذلیل اور ہے بتر
اس دکن کے بیچ چھہ صوبوں کے چھہ تھے بادشاہ
عادل اور فیاض، صاحب عزم اور صاحب ہنر
اُن کی دولت میں مرفہ اور سبھی خوش‌حال تھے
کیا رعیت، کیا سپاہی، کیا امیر نامور
آسماں ووہی ہے اور ووہی زمیں، خلقت ہے وو
پھر ہوئی کس واسطے یہ زندگانی مختصر
شامت نیت ہے یا تدبیر میں ہے کچھہ قصور
تب تو دشواری پڑی ہے ہر کسی کو اس قدر

زمانے کی یہ شکایت ہر عہد میں رہی ہے اور رہیگی - آسمان نے ہزاروں رنگ بدلے، دنیا نے سینکڑوں پلٹے کھائے، مگر انسان کی شکایت کم نہ ہوئی - بے عیب نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی آدمی، نہ کوئی نظام ہے اور نہ کوئی زمانہ - یہ نقص کسی نہ کسی صورت میں رہتی دنیا تک رہے گا - بلاشبہ انسان کے کمال کی آزمائش اسی میں ہے —



فہرست شعراء



بسم الله الرحمن الرحيم

ستایش لا نہایت و نیایش بے غایت مر صانعے را سزا، که شاہ روح را با مشیر دانش بر آرائک اجسام جلوس دادہ سکه اشرف المخلوقات رائج ساختۀ او، و غنیم جفاکار عشق با فوج قاہرہ جنون و دیوانگی بر قلعۀ قلب دل مسلط گردانیدہ کوس لمن الملک بچہار اطراف عناصر نواختۀ اوست، مصرعین کونین با صنعت استعارہ و ایہام پیراستگی بخشید، و دیوان ازل با غزل الست بربکم قالوبلی ازو آراستگی گزید - و صلوات فراوان و تحیات بیکران خاص شفیعے را روا که دایرہ منقه بدر را بعروض اعجاز تقطیع نمودہ و بحر متقارب و متدارک ازان استخراج کردہ علم یکتائی رسالت بر افراخت، و نقطۀ غیر میزانے کفرستان را بانقلاب ارشاد و حرب از خانه مائل رزایل ضلالت بر آوردہ بوتد الویۀ ہدایت مشہر ساخت، صلی الله علیه و سلم علی آله و اصحابه اجمعین —

اما بعد معروض میدارد که ریزہ چین مایدہ خوان فصاحت، یعنے بندۀ لچھمی نراین المتخلص به 'صاحب' در ریختہ و 'شفیق' در فارسی، قبل ازین از سنه دوازدہ سالگی مشق سخن فارسی

می نمود، و نقاب معنی پیاپے از رخ شاهدان شنگول می کشود،
و اصلاح بشعر ریخته التفات نمی داشت، موازینش را بهمه جهت
نزد خود خفیف می پنداشت یعنی من خراب شراب خانه سیاق
را چه نسبت از سخن که بخود ستاید، و این باده نوش خمخانه
هیچمدانے را چه مشابهت ازین فن که بر خویش ناز نماید،
هرگاه که مجلس یاران موافق دوستان صادق ترتیب میگشت،
و ساتگین سخن مملو از رحیق اشعار ریخته بطرف این
سرمستان نشه محبت می گذشت، این جرعه کش ساغر فطرت
و این چاشنی چش خوان خبرت، سر شورش زده خود را برنگ
چنگ در گریبان تامل می کشید، و مثل پیکر تصویر در بدن
حیرت شده این بیت دلاویز بلسان حال گفته ساکت و صامت
می گردید —

یا سخن آرا ے چو مردم به هوش
یا بنشیں همچو بهایم خموش

ناگاه از کثرت اتفاق اهل وفاق بحکم این که "الصحبت تاثر
ولو کان ساعة" مزاج را ورغلانید، و ترغیب دوستان یکدل
سررشته ضبط از قبضه اقتدار طبیعت بگسلانید؛ آرے

نیست ممکن بکند صحبت نیکان تاثیر
گُل بخورشید رسانید سر شبنم را

تا نوبت به این حد رسید که اوقات شبانه روزی صرف این کار
می گشت، و بغیر مطالعه این فن خیالے گرد دل نمی گذشت،
که درین اثنا تذکره نکات الشعرا من تصنیف میر محمد تقی میر
و تذکره فتح علی خان تازه از هندوستان نزول نموده شورے

در عالم انداخت، و جهانے را در اشتیاق اشعار هند که بهم رسیدن آن اهل دکن را خیلے دشوار است ته و بالا ساخت - لهذا بخاطر فاطر و فکر ناقص گذشت که خود هم این همه اشعار هر دو تذکره گرفته و دیگر لآلی را یکجا جمع ساخته بطور سفینه که انیس یکتائی و همدم تنهائی شود نقش باید بست، زیرا که بدین تقریب غریب و تمهید عجیب شاهد احوال بعضے محبان سخن دان بر کرسی تبئین می تواند نشست - از انجا که این سخن دل آویز پذیرائے سامعهٔ سامعان داشت بدل همگنان جا گرفت، و این گوهر شهوار چون آویزه گوش صاحبان تو دد بود حسن اقبال پذیرفت، تا آنکه استمداد مخلصان با صفا روغن افگن نایره شوق شد و این بیت اشتیاق را اصرار شان طرفه مستزاد گشت، ناچار سر انکار باز زدن مناسب ندانسته کمر را چست بستم و سمند صباتگ قلم بسرعت سریعه در میدان تحریر این نسخه بر انگیختم - اے صاحب چون این خیال در مخیلهٔ تو جاگرفته است هان بهوش که آهو گیران سگ طینت در کمین اند و غافل مباش که ستم ظریفان عیب بین و نکته رسان خورده چین نظر بر خطا می دارند -

سخن درست از درج دهان سنجیده بیرون کن
که از هر سو خریدارش باستقبال می آید

اگرچه برخرد عقده کشاے و دانش آسمان پیمائے ارباب فضل وکمال پیداست که این فقیر را از تحریر تذکره مقصود بر ایراد

و ستم ظریفی نیست مگر این که سفینۂ اشعار ریختہ ترتیب یابد تا استغنا از دیگر دواوین رو نماید ، و احوال محبان دوستی پژوہ که با راقم مسطور ارتباط می دارند هم بدین وسیله بقلم آید- لیکن از سخن چینان این زمان کهن و حرف گیران بیهودہ سخن که عیب جوئی را شعار خود ساخته اند و نرد آهو گیر بخود باخته ، و دانسته انگشت را بر حرف قبول می نهند ، و در عینک احوالی وضلالت بر آمدہ همسر را بجز عیب نه بینند، چون بید بخود میلرزد و باین دو بیت دلچسپ رطب اللسان شدہ تسکین بخش خاطر مضطر میگردد —

شعر عربی

قیل ان الاله ذو ولد　　قیل ان الرسول قدکهنا

مانجی الله و الرسول معاً　　من لسان الوری فکیف انا

چون این تالیف دلکشا و تصنیف روح افزا در سنه خمس و سبعین ومایة الف صورت تحریر پذیرفت و شاهد اسامی شعرا بموجب قاعدہ جمل حلیه تسطیر در برگرفت نام و تاریخ چمنستان شعرا نهادم ، و در بحر رکض الخیال که تقطیع مصرعش بچهار فعلن می شود و بنام صوت الناقوس هم اشتهار دارد قطعه را حسن انعقاد دادم ، تاریخ —

این نامه را باید دیدن　　کردم انشا حال فصحا

نام و تاریخش را صاحب　　گفتم چمنستان شعرا

امید از سخن پروران دانشور و دانشوران سخن پرور این دارد که اگر قصورے درتحقیق حال موزونان و خطائے در

تحریر اشعار ملاحظه افتد بموجب الانسان مرکب من السهو و النسیان عمل فرموده چشم پوشند ، و اگر سهوے در سلاست عبارت و نقصے در متانت الفاظ معانیه شود بحسب خلق الانسان ضعیفاً کاربند گشته بصلاح کوشند ، العفو عند کرام الناس مامول —



(الف)

سراج الدین علی خان

آرزو

سررشتۂ مزاج بشمع افروزی مجلس گفتگوئے گرم میدارد ، و در میدان الفاظ تازہ و معانیء دلچسپ قدم جستجو بسرعت میگذارد - شمع وجودش در بزم اکبرآباد روشنی یافتہ ، و گیسوئے شاہد سخن را ہمانجا بشانۂ فکر رسا بنہایت پیچ و تابے بافتہ ، گلدستہ بند گلہائے خیالات رنگین و نوبادہ نشان سخنہائے دل‌نشین است - در گلشن ہند مثل او عندلیب ہزار داستان کم‌تر می توان پنداشت ، و در مجلس دکن ہمچو آن پروانہ چراغ سخن عدیم باید انگاشت - غزالان معانی را بحدے مسخر کرد کہ می باید و سیہ خردگان الفاظ پاکیزہ را نوعے حلقے در گوش ساختہ کہ میشاید - در غزل گفتن کوہ جان مکیشد ، و دیوان خانۂ ریختہ ہم بنہایت پرکاری طاق می بندد - خضر طبعش چشمہ چشمہ متعطش اجسام کتب را آب زندگی بخشندہ ، و آفتاب کلکش جہان جہان ظلمات نقص سخن غیررا موکشان کشیدہ - معلوم شد کہ در ماہ جمادی الثانی سنہ تسع و ستین و مایہ و الف ببلدہ لکھنؤ این جہان فانی را وداع نمودہ جادر عالم باقی گزیدہ - تاریخ وفاتش حضرت

میر صاحب و قبلہ میر غلام علی آزاد مدظلہ العالی چنین بقیہ قلم آوردند، تاریخ —

سراج الدین علی خاں نادر عصر ز مرگ او سخن را آبرو رفت
اگر جوید کسے سال وفاتش بگو آن جان معنی آرزو رفت

نقاب از رخ شاهدان خیالش باز می نمایند :— ابیات —

رات پروانے کی الفت ستی روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے
داغ چھوٹتا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل
ہات بھی دکھہ گئے دامن ترا دھوتے دھوتے
کس پریرو سے ہوئی شب کو مری چشم دو چار
کہ میں دیوانہ اٹھا خواب سے سوتے سوتے
غیر لوٹیں ہیں صنم مفت ترے خط کی بہار
ہم یو ہیں اشک کے دانے رہے بوتے بوتے

ولہ

عبث دل بیکسی اپنی پہ توں ہر وقت روتا ہے
نکر غم اے دیوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے
دریا عرق میں ڈوبا تجھہ صاف تن کے آگے
موتی نے کان پکڑے تیرے سخن کے آگے

این ابیات از هر دو تذکرها فرا گرفته شد —

پھر کر نظر نہ آیا ہم کو سخن ہمارا
گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا

تیرے دھن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچے نے گانٹھہ باندھا آخر سخن ہمارا

وله

وعدے تھے سب خلاف جو تجھہ لب سے ہم سلے
کیا لال قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

وله

میخانہ بیچ جا کے شیشے تمام توڑے
زاھد نے اپنے دل کے آخر پھپولے پھوڑے

وله

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن کے بیچ گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وله

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

وله

تجھہ زلف میں لٹک نہ رہے دل تو کیا کرے
بیکار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

شیخ نجم الدین آبرو

آبرو بخش بزم سخن و سرخروئی معرکۂ این فن است گلستان گوالیر از آب پاش سخنش آب و رنگی تازہ گرفتہ، و نہال ہستی او مدتے در نارنول طراوت پذیرفتہ - در معنی یابی بدیوان موزونِ خیالی داد سخن میدھد، وگلگشتِ خیابانِ اشعارش انشراح

فراوان بنظارگیان می بخشد، متانت الفاظ و نزاکت معنیش
بر سخن فهمان انصاف دوست روشن است - اشعار ایهام بسیار
میدارد و میرزا رفیع سودا اورا در مقطعے یاد میکند و میگوید-

نمل کم ظرف سے ہرگز بقول آبرو سودا
کسے برداشت ہے ناحق اُٹھاوے کون نکتوڑا

میگویند که در عهد محمد شاه بادشاه تاج زندگی برسر میداشت-
مثنوی اومتضمن بر ترغیب آراستگی معشوق که جمله یکصد
بیت خواهد بود بنظر در آمد، مطلعش اینست :—

ہے سزاوار ثنا وہ با کمال جلوہ گر جس نے کیا حسن اور جمال

حقا که شاعر شیرین مقال و معنی یاب متین خیال است.
دودمان وجود هستی آواز چراغ سراج الدین علی خاں آرزو
ضیاء گرفته، ولولوے گراں بہاے سخن را بنهایت آب و تاب
دررشتۀ نظم سفته - منتخب دیوانش بنظر در آمد و این اشعار
آبدار فرا گرفته شد :—

ہر ایک سبز ہے ہندوستاں کا معشوق
بجا ہے نام جو بالم رکھا ہے کھیروں کا
برہ کی راہ میں جو گر پڑا سو اُٹھ نسکا
قدم پھرا نہیں یہاں آکے دستگیروں کا

وله

رخسار کے گل اوپر شبنم ہے یا پسینا
یا لال پر جڑا ہے الماس کا نگینا
خجلت سوں تجھ نگہ کے جی ہوگئے ہیں پانی
کہنا بجا ہوا ہے شیشے کو آبگینا

ولہ

جلتے ہیں اور ہم سے جب مانگتے ہو پیالہ
ہوتے ہیں داغ دل میں جھوں جھوں کبھو ہولالا

ولہ

نور دیدہ کم ہوا یعقوب کا
گریہ کا جاتا ہے حالی قافلا

ولہ

ہوہو ترش پیاپے کرتا ہے شور برپا
واعظ یہ میکشوں کا دشمن ہوا ہے سرکا

ولہ

سنکے چرچا غیرسیں جاکر چھچھوندر چھوڑدے
گھر جلا عاشق کا اون لوگوں کا کیا ٹوٹا ہو

ولہ

آگ میں رشک کے اب کیوں نہ جلے پروانہ
شمع رخسار نے خلوت میں ہمیں بار دیا
حق میں عاشق کے مگر لطف ستم تھا یارب
دل دیا جب سے مجھے تب ستی آزار دیا
دمبدم بھیجے ہے نلوے آہ کے
دل یہ داروغہ ہوا ہے ڈاک کا

ولہ

افسوس ہے کہ بخت ہمارا اولٹ گیا
آیا تھا جلد دیکھ کے ہم کو پلٹ گیا

ولہ

جو کوئی ہوتا ہے یارو جان و دل سیں مہربان اپنا
نہ اپنا دل رکھا جاتا ہے اُس سیتی نہ جان اپنا

ولہ

مجھے عاشق مقرر کرکے یہ کیا ہے ستم کرنا
سجن یوں خوب ہوتا ہے کسی کو متہم کرنا

ولہ

نہ پوچھو خود بخود ہے عارض خورشید کی خوبی
کیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہرویاں ستی چندا
رکھا ہے قلمیاں پیارے کیا چاہے ہے خط پیدا
نجانو کس اوپر مارے گا ان بالوں کا جا پھندا

ولہ

زنانے بھی لگے مردی پکڑنے
کسب سیکھا چمارن نے نری کا

ولہ

جسے ہو زیب ذاتی اُس کے تئیں ہے عیب آرائش
کرے ہے بدنما البتہ حسن ماہ کو گہناں

ولہ

ہر طرف عشق کی لگی ہے ہات
دل ہمارا ہوا ہے بارہ بات

ولہ

جھوٹھہ کرتا ہے عبث مردی کا دعویٰ بے ہنر
کام کچھہ پیدا کرے مردانگی کا تب ہو نر

احمقی ہے بے ہنر کو زر کے اوپر افتخار
پر کہاں سمجھے کہ کیوں ہر بار ہوے مفتخر

ولہ

کیوں کر مریں نہ دیکھہ کے ہے موسم بہار
نکلے ہے جی جنون سوں جاما بدن کا پھاڑ

ولہ

شور سیں نوبت کے ہے آزار میں سارا پڑوس
بد دعا ہے حق میں دولت مند کے آواز کوس

ولہ

انجھو بسمل کبوتر ہوکے تڑپے
کئے جب ہم نے اپنے چشم تر باز

ولہ

غیر صحبت سوں اب لگے جانے
چھوڑ کر اپنی آبرو کی پاس

ولہ

بے وفا ہے بہار گلشن کی
بلبل و گل کے حال پر افسوس

ولہ

آج عاشق کی بے نصیبی ہے
کہ تم اُس پاس سوں چلے ہو بھاگ

ولہ

کیونکر نہ دولتی کی خوش آمد کرے فلک
چرخے کا کام کیوں کہ چلے جو نہ ہوے مال

وله

مگر تم سے ہوا ہے آشنا دل
کہ ہم سے ہو گیا ہے بے وفا دل
جو غم گذرا ہے مجھ پر عاشقی میں
سو میں ہی جانتا ہوں یا مرا دل
ہمارا ہی کہاتا تھا کبھی یہ
سمجھ تم جان لو یہ ہے برا دل
کہاں خاطر میں لاوے آبرو کو
ہوا اس میرزا کا آشنا دل

وله

توڑا ز بس اُس شوخ نے از سنگ جفا دل
ہر چند کہ میں لاکھ لگایا نہ لگا دل

وله

تڑپھرانے میں نظر آئے کہیں کیا قاتل
تب تو بسمل کو ہوا جان کا دینا مشکل

وله

سیم تن جب عمر سیں اُترا تو نہیں رہتا ہے مال
کم کوئی بازار میں لے ہے روپیہ غیر سال

وله

دھمکاوتے ہیں ہم کو کمربند باندھ باندھ
کھولیں ابھی تو جاے میاں کا بھرم نکل

وله

کہوں نہ روئیں اس طرح اشک اب جہاں کا حال دیکھ
گود میں آنکھوں کی ہم پالا ہے یہ طفل یتیم

ولہ

تمھاری جب سیں آئی ہیں سجن دکھنے یہ لال انکھیاں
ہوئی ہیں تب سے دونی خوشنما صاحب جمال انکھیاں
علاج ان کا یہی ہے عاشقوں کے رنگ کی ہلدی
کھو اسی میں رنگیں کپڑے کریں اپنا رومال انکھیاں
مرا دل پوتلی کی طرح ان پر لے کے تک پھیرو
مجرب توتکا ہے اس سیں آجائیں گی بحال انکھیاں

ولہ

جگر میں خوں کا کوئی قطرہ رہا نہیں
کہ انجھواں ہوکے انکھیاں سیں بہا نہیں
ڈسا ہے کیوں ہمارے دل کو پیارے
اگر کاکل تمھارے اژدھا نہیں

ولہ

برستے ہیں نین میرے، لگی ہیں اشک کی جھڑیاں
تمھارے پاس بن، دن رات ہم بھرتے ہیں یوں گھڑیاں
گئے جس وقت سیں ہوکر جدا تم ہم سیں اے پیارے
ہوے سو مرتبہ آتش میں ہم اس وقت سیں بریاں

ولہ

نازک تنی پر اپنے مغرور ہو رہے ہو
موسیٰ کمر نے تم کو فرعون کردیا ہے

ولہ

ہرگز تیرے لباں کی سرخی کے تئیں نہ پہنچے
ہر چند سعی کر کر یاقوت و لال مرجاں

ولہ

گرچہ اس بنیاد ہستی کے عناصر چار ہیں

لیکن اپنے نیست ہوجانے میں سب ناچار ہیں

ولہ

قتل کرنے کو اب بلاتے ہیں

بات کہنے میں جان جاتے ہیں

ولہ

یار غافل ہے میرے درد سیں بیدار کرو

بے خبر جان نہ جا جا کے خبردار کرو

ولہ

کیا ہے بے خرد دونوں جہاں سیں

محبت کے نشہ میں کیا اثر ہے

ولہ

جان تیرے سبب مجھے دل ساتھہ

پیار ہے شوق ہے محبت ہے

ولہ

ہاے یاراں دل سیں باہر کیونکہ اب نکلے یہ غم

ضعف سے حالت رہے ہیں نالہ و افغاں کے

ولہ

جنوں سیں دل کا اب کیا حال ہوتا ہے بہار آئی

کلی اس فکر میں جاکر گریبان غم سے پھاڑ آئی

دیا کیا داو باری سیں تیری آنکھوں نے نرگس کو
کہ سارا سیم و زر اپنا کلی بھر بھرکے ہار آئی

وله

یہ حادثے فراق کے دیکھے نہیں کہیں
ھجرت کی اب لگی ہے مگر بارھویں صدی

وله

خداوندا اُٹھادے درمیاں سے ھجر کے پردے
مرے صیاد کولا دام میں تو یا مجھے پر دے

وله

کیا بند اس کے ملنے سے مجھے اس چشم گریاں نے
ھمارے پانو کو یہ اشک کی ندی ہوئی بیری

وله

اب میں مرتا ہوں تغافل سیں یقیں کر مان لے
جان میرزا جان لیتا ہے تو جاناں جان لے
معنی این بیت بر رمز شناسان نیکو ہویدا کہ چہ کنایہ خرچ کردہ —

وله

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونو ایک ہیں آپس میں ان کے بیچ رشتہ ہے

وله

سرمہ آلود و سفید و سرخ اور رنگ سیاہ
کیوں نہ مارے اس طرح چورنگ شمشیر نگاہ

ولہ

دیکھتے ہو خشک پتے سے حنا کتنے کے رنگ
کس طرح گھل مل کے اپنے ھاتھہ کرلیتی ھے لال

رستم اس مرد کی کھاتے ھیں قسم زوروں کی
تاب لاوے جو کوئی عشق کے جھنجکوروں کی

قدردان حسن کے کہتے ھیں اُسے دل مردہ
سانورے چھوڑ جو کوئی چاہ کریں گوروں کی

کاٹ کھایا ھے مرے دل کو تیری آنکھوں نے
وو پلک نہیں ھے کترنی ھے مگر چوروں کی

قادری بر میں سجی جب سے سجن بوٹی دار
عقل چکرت میں گئی دیکھہ کے چھب موروں کی

لب شیرین سریجن پہ نہیں خط سیاہ
قار ٹوٹی ھے مٹھائی پہ شکر خوروں کی

(آبرو) صحبت کم ظرف نہیں مجکو دماغ
کس کو برداشت ھے ھر وقت کے نکٹوڑوں کی

صبا کہیو اگر جاوے گی تو اس یار دلبر سوں
کہ کر کر قول پرسوں کا گئے پرسوں ھوے برسوں

فتح علی خاں در تذکرۂ خود این بیت کہ مذکور شد بنام (احسن) می نویسد و ھمیں بیت در دیوان (آبرو) مع ریختۂ پنج بیت بہ نظر در آمد —

اے قاصد وعدہ کیا کرتا ھے پھر پرسوں کو آؤں گا
کبوتر بھی نہیں آوے گلی اُس کی سٹھیں برسوں

ترس تجکو نہیں اے شوخ اپنی کیا ھی ترسیا ہے
ترے دیدار کو میں دیدۂ تر سوں کھڑا ترسوں

زلف تیری معطر ہے عطر فتنہ ستی تر ہے
خدایا (آبرو) رکھنا پڑا ہے کام ابتر سوں

جب تلک تھا صاف قاصد کو جواب صاف تھا
اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا

این ابیات شیخ نجم الدین مبارک آبرو، از ہر دو تذکرہ ماخوذ شد:—

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

انداز سوں زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال اپنی حد سے بڑا سو مسا ہوا

کم مت گنو یہ بخت سیاھوں کا رنگ زرد
سونا وہی جو ہوئے کسوٹی کسا ہوا

مشتاق عذر خواہی نہیں (آبرو) تو کیا ہے
یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

یہ سبزا اور یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا
دِوانہ نہیں کہ میں گھر میں رہوں اب چھوڑ کر صحرا

سخن اوروں کا تشنہ ہوکے سنتا اور سب کہتا
مگر یک (آبرو) کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انسان ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں انا
آدم تو ہم سنا ہے کہ ہے خاک سے بنا

ولہ

بوسہ لبوں کا دیجئے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا
تھا قول (آبرو) کا نہ جاؤں گا اُس گلی
ہوکر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے
کہ اُس ظالم کی جو ہم پہ گھڑی گذری سو جگ بیتا

نہ چھوڑے گا پیارے جی کسی کا
تمہارا ہنس کے کہنا یہ اجی کا

کیا قہر ہے پیارے منہ کا ترے متکنا
پھر قہر پر قیامت یہ زلف کا لٹکنا
جس گال پر صفا سے نظریں نہیں ٹھہرتیں
اُس گال پر عجب ہے دل کا مرے اٹکنا
ابرو غلیل تس پر تل کا رکھا غلیلا
ہر زاغ بوالہوس کا مشکل ہے یہاں پھٹکنا
اسپند کر کے تجھہ پر ملّا کتیں جلاؤں
کیوں مارتا ہے نازک رخسار پر چٹکنا

اُس شوخ سرو قد کو ہم جانتے تھے بھولا
سل اوپری طرح سے کہادے گیا ہے بالا
اے سرد مہر تجھہ سے خوباں جہاں کے کانپیں
خورشید تھرتھرایا اور ماہ دیکھہ ہالا
فوجوں سے بڑہ چلے ہے جیسے کوئی سپاہی
یوں خال چھوڑ خط سے مکھہ پر رہے نرالا

چمکی دکھا نین کی دل چھین لے چلے ہیں
تیری نین کو کس نے سکھلا دیا چھنالا

یہ رسم ظالمی کا دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا دشمن ہوا ہے جاں کا

ہر یک نگہ میں ہم سے کرنے لگے ہیں نوکیں
کچھ تو تری نین نے پکڑا ہے طور بانکا

خندون کے طور گویا دیوار قہقہہ ہے
پھرکر پھرا نہ لڑکا جو اُس طرف کو جھانکا

پریشاں تر ہے تیری زلف سے احوال عاشق کا
سیہ دونا ہے آنکھوں سے یہ ماہ و سال عاشق کا

ترے رخسار سیمیں پر جو مارا زلف نے کنڈل
لیا ہے چھین یارو اژدھا نے مال عاشق کا

(آبرو) کے قتل کو حاضر ہوا کسکر کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندہ کر

نزاکت سے نکل سکتی نہیں تصویر تجھ تن کی
مصور نے سجن ہر چند مر مر اپنا جی کاڑھا

چھوڑ زر گئے خاک میں حاصل کیا تو کیا ہوا
ساتھ کچھ جانے کا نہیں سب کچھ لیا تو کیا ہوا

غیروں کے ساتھ شب کو چلتے ہو چال اور ہی
دیکھی روش تمہاری جاؤ تمہیں پچھانا

حکمت کی تیغ سے قم کاتو رقیب کا سر
اُٹھ آؤ (آبرو) کے کر قتل کا بہانا

سودا بنے گا اُس کا جس نے کہ نقد خرچا
مفلس تو شہد بازی کر کر نہ ہو دوانا

تو کب ملا تھا پیارے ہم سے کہ آج روتھا
دیکھا یہ ان ملنے کا ہم روتھنا انوتھا
بوسے کا وعدہ کرکے مصری چبا کے بخشی
کہنے کو ان لبوں سے میٹھا دیا سو جھوتا

نالاں ہوا ہے جل کر سینے میں من ہمارا
پنجرے میں بولتا ہے گرم آج اگن ہمارا
پھری کماں کے مانند مانع نہیں اکڑ کو
ہے ضعف بیچ دونا یہ باک پن ہمارا

خورشید کس طرف سے ہوا طالع (آبرو)
کیا دن پھرے کہ یار کا ایدھر کرم ہوا

کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا بتا
عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا

تو گلے کس کے لگا نہیں پر کسی بے رحم نے
گرم دیکھا ہوئےگا تیرے تئیں آنکھیں ملا

ملنے کے شوق ہم نے گھر بار سب گنوایا
مدت میں میرے گھر یار آیا تو گھر نہ پایا
دل غم سے کرکے لوھو لوھو کا کرکے پانی
آنکھوں ستیں بہایا تب آبرو کہایا

سہج اوپر غدر کے رہتا ہے وہ لوٹتا ہوا
زر کے لالچ اس قدر وہ سہم تن کھوتا ہوا

ولہ

مرے پیارے سے قاصد اتنی دل کی بات جا کہنا
کہ جانے سے تمہارے جان کا مشکل ہے اب رہنا

ہم سے وعدہ یوں تھا تو جب جی دیوے ہنس دوں تبھی
جی دیا ہم نقد ہمکو قرض اب ہنسنا دیا

چوپڑ کے کھیلنے کا سارا یہی خلاصا
شاید کبھی تو لڑ کا بیٹھے ہمارے پاس آ

پی کر شراب ہمکو پھر جو ڈراوتے ہو
کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا

ہم سے کیوں اڑتے ہیں ناحق بے گناہ
سر پھرا ہے کیا مگر افلاک کا

رکھے کوئی اس طرح کے لالچی کو کس طرح* بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی وہ لا کبھی یہ لا

نونہالوں کا ہے زنخ میوا
چاہتا ہے یہ پھل تو کر سیوا

عاشقوں میں جس کسی سے یار ہے راضی مرا
وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہے جی مرا

صبر کب دیدار کا ہے اُس کنتئیں فردا تلک
سو قیامت جان پر کرتا ہے دل آج ہی مرا

ہر گھڑی چھپ چھپ کے مت تاڑ اُسکو اے دل مان جا
شوخ ہے ہندوستاں زا دیکھ لے تو جان جا

---

* (ن) کب تلک ۔

و لہ

کھیلی تھی رات چوپڑ گُنّیاں ہوا تھا پیارا
ہارے رقیب سارے اور ہم نے رنگ مارا

گران ہے شرم کی آدم کو رکھنا مکر کی تسبیح
ہر ایک دانا ہوا ہے (آبرو) کے دلکو سو منکا

میٹھا لگا ہے مجھکو تیرے لباں سے کیا خوب
ایکبار پھر کے کہہ اسے اپنی زباں سے کیا خوب

آنکھوں کی سج ہوئی ہے مژگاں بھوان سے دونی
لکتی ہیں جوں سپاہی ترکش کماں سے کیا خوب

تڑپھتا رہتا ہے تب لگ جب تلک، مرتا نہیں
دل کو جیوں سیماب اپنی بیقراری ہے حیات

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھہ لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھہ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دل بے شوق کو
شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخواراں کے بیچ

سر سے لگا کے پاوں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں تک تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

آغوش میں بھواں کے کرتی ہیں قتل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خوں ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال (آبرو) کا
دیکھو تو تم پیارے بے اختیار رو دو

مجھہ ناتواں کی حالت وھاں جا کھے ھے اُڑ کر
میرا یہ رنگ رو ھے گویا مکھی کبوتر

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گذریں مصور کھینچتا ھے انتظار

رھتے ھیں دل میں مصرعۂ دلچسپ کی طرح
گھر بار ھوئے سرو قداں کا برائے بیت

زلف کی شان مکھہ اُپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ھے
کیا ھوا ھے جو مر گیا فرھاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ھے

تمھاری لوگ کہتے ھیں کمر ھے
کہاں ھے، کس طرح کی ھے، کدھر ھے

یوں (آبرو) بناوے دل میں ھزار باتیں
جب رو برو ھو تھرے گفتار بھول جاوے

اُٹھہ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی
آئی بہار تجھہ کو خبر ھے بسنت کی

جہاں تجھہ خوکی گرمی تھی نہ تھی کچھہ آگ کو عزت
مقابل اُس کے ھو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجکو
طرح دو پاوں رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ھے

حسن ھے پر خوبرویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ھیں یہ سب پر ان پھولوں میں ھرگز بو نہیں

ولہ

زندگی ہے سراب کی سی طرح
بادبندی حباب کی سی طرح
تجھہ اوپر خون بے گناہوں کا
چڑہ رہا ہے شراب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسے تجکو
مجھہ سے خانہ خراب کی سی طرح

کریں جو بندگی ہوویں گنہ گار
بتوں کی کچھہ نرالی ہے خدائی

جس نے آہات سے امید کا دامن پکڑا
یہ نہوں شرط مروت کہ اُسے خوار کرو

پڑ گیا ہے بوالہوس کا بھید پردے سے نکل
خط کے آنے میں حقیقت سب کی ظاہر ہوگئی

دیکھو تو جان تم کو منایا ہوں کب ستی
بولو خدا کے واسطے ٹک لال لب ستی
یہ جانیو ہر ایک سے لالچ نہیں ہے خوب
ہے بھوک مانگ کھانا بھلا اس کسب ستی
پانی میں ڈوب آگ میں جل کر مریں ولیک
عاشق نہ ہوں پکار کے کہتا ہوں سب ستی
باندھا ہے برگ تاک کا کیوں سر پہ سیہرا
کیا (آبرو) کی چاہ ہے بنت العنب ستی

فرہاد کا دل کوہ کوہے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھہ
دے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اُٹھا

گر یہ ہے مسکرانا تو کس طرح جئں گے
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو قدرو کمر سے مروڑو نہ بھر کے انگ
آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جاے لنگ

دور خاموش بیٹھہ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک گر ہوگیا بگولا ہے

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

عالم آب سے آساں نہیں اے شیخ گذر
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

کچھہ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی
اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھہ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
یہی پیارے طرح موجب یہی کافر ادا باعث

تم اور گلرخاں سے اب آنکھہ جو لگاے
بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ ہاسا

ولہ

دل تو دیکھو آدم بے باک کا
عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفـــــاق تمام دھریا ہے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاتی
مرکے پھر جیونا قیامت ہے

اس کی کنجی زبان شیریں ہے
دل مرا قفل ہے بتاسے کا

قیامت کیا تم تک یک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

شاہ ولی اللہ "اشتیاق"

شاہ ولی اللہ نام دارد، و مزاج را بعرف تسخیر معانے بکمال اشتیاق می آرد۔ در فارسی گوے از فارسان این سر زمین می ربایہ و بدقت معانیء تازہ و الفاظ نو پے چنان می برد کہ شاید۔ عندلیب کلکش چنین ترانہ سر میکند —

غمگیں لگن سے دل میں انگارے دھک گئے
بجلی سی چھب دکھا کے جو ساجن چمک گئے
اس مو کمر سے کہیو میاں تم بھی اور ہو
کیا نازکی کا بوج کہ جس سے لچک گئے

فرہاد کا دل کوہ کوہے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھہ
دے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اُٹھا

گر یہ ہے مسکرانا تو کس طرح جئیں گے
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو ڈرو کمر سے مروڑو نہ بھر کے انگ
آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جاے لنگ

دور خاموش بیٹھہ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک گر ہوگیا بگولا ہے

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

عالم آب سے آساں نہیں اے شیخ گذر
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

کچھہ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی
اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھہ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
یہی پیارے طرح موجب یہی کافر ادا باعث

تم اور گلرخاں سے اب آنکھہ جو لگاے
بادام کو ہمارے پھولوں کے بیچ ہاسا

ولہ

دل تو دیکھو آدم بے باک کا
عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفـــــاق تمام دھریا ہے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی
مرکے پھر جیونا قیامت ہے

اس کی کنجی زبان شیریں ہے
دل مرا قفل ہے بتاسے کا

قیامت کیا تم تک یک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

شاہ ولی اللہ "اشتیاق"

شاہ ولی اللہ نام دارد، و مزاج را بعرف تسخیر معانے بکمال اشتیاق می آرد۔ در فارسی گوے از فارسان این سر زمین می ربایہ و بدقت معانیء تازہ و الفاظ نو پے چنان می برد کہ شاید۔ عندلیب کلکش چنین ترانہ سر میکند—

غمگیں لگن سے دل میں انگارے دھک گئے
بجلی سی چھب دکھا کے جو ساجن چمک گئے
اس موکمر سے کہیو میاں تم بھی اور ہو
کیا نازکی کا بوجھ کہ جس سے لچک گئے

آخر تو ہووے گا نباہ قیامت کے دن بپا
مجھہ ہات سے چھڑا کے جو دامن جھٹک گئے
اب (اشتیاق) کیا میں کروں راہ عشق طے
ایک تو بڑی ہے سانجھ دوجے پانو تھک گئے

این ابیات از ہر دو تذکرہ تحریر یافت —

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکہ اُس کو چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں
کچھہ اُن کا دوس نہیں ہے خدا کی باتیں ہیں

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہندی یہ ترے تلووں ستی آگ لگی

قزلباش خان "اُمید"

شاعر عدیم المثل است، نام اصلی او میرزا محمد رضا ولے قزلباش خاں خطاب از عہد شاہ عالم میدارد، و در نکتہ ریزی توگوئی ابریست کہ گوہر می بارد - کاروان ہستی او در اکبر آباد بہ سنۃ تسع و خمسین و مایۃ و الف رخت بر بست و مرات عنصری او در دارالخلافہ بشکست - حضرت میر صاحب و قبلہ تاریخ انتقال او چنیں یافتہ؛ (تاریخ)

خان سخن گستر و سحر آفریں
رخت سفر بست ازیں خاکداں
سال وفاتش دل نالان من
یافتہ، جاں دادہ قزلباش خاں

طاؤسان خیال او با حسن و جمال از صحرائے تذکرۂ (میر) پریدہ دریں سبزہ زار برقص می آیند و بر دل تفرجیان ایں گلشن داغے تازہ بر آں می افزایند -

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

در و دیوار سے اب صحبت ہے
یار بن مجکو* عجب صحبت ہے

اسد یار خاں ''انسان''

در عصر محمد شاہ بادشاہ زندگانی خود بکمال انسانیت میگذرانید و سلسلۂ سخن را ہماں جا می جنبانید - بلبل گلستان سخن و عندلیب بوستان ایں چمن است - در عہد فردوس آرامگاہ معاش از منصب ہفت ہزاری بود و در طریق ثنا طرازی تگ و دو می نمود- و نقش ہستیش در مرات اکبر آباد پرتو انداختہ و طوطی کلکش شکر افشانی مایۂ خود ساختہ - اشعارش بہ فقیر نرسیدہ ' مگر ایں دو بیت از تذکرتین بقلم می آرد -

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھہ میں ہے انساں
نظر بھر دیکھہ مشت خاک میں کیا کیا جھمکّا ہے

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نے
اگرچہ ہر بن مو سے بدن سارا شبکّا ہے

---

* (ن) گھر میں-

امیر خان "انجام"

ولد* میر میران، امیر خان یزدی ناظم کابل - معنی یاب بے بدل و نخلبند عدیم المثل است. سحاب کلکش ترشح معانی تازہ می کند، و دریائے طبعش جوش از الفاظ سنجیدہ و پاکیزہ می زند- آغاز و انجام حالش در تذکرہ ہاے فارسی گویان مفصلاً مندرج است- در سنة تسع و خمسین و مایة و الف تاریخ وفاتش نوشتہ اند، کاتب حروف تاریخ وفات چنیں یافتہ و یک عدد زائد را بایں حسن تعمیہ ساقط ساختہ (تاریخ) -

آں عمدۂ معنی آفریناں
در خلد بریں نمود آرام
رفت آں یکتا و گشت تاریخ
جاں داد امیر خان (انجام)

ایں ابیات از تذکرۂ فتح علی خان است -

نہ سن تو† پند واعظ کا کہ اپنی دھن میں پکا ھے
خدا حافظ ترا دوزخ بھی ایک شرعی دڑکّا ھے
اب یہی احسان ھے ھرگز نہ ھوں آزاد ھم
پھر چمن میں جائیں کیا منہ لے کے اے صیاد ھم

"احمدی"

شاعر عالی مقام و معنے پژوہ قدیم الایام است، سخن را

---

* خلف بقاء الله خاں برادر زادۂ عمدة الملک مرحوم کہ خان عالم خطاب داشت (از تذکرۂ فتح علی خاں)-

† (ن) یو

بطرز قدیم گفتہ و گوہر ہستی او را جوہر تقدیر در رشتۂ گجرات سفتہ است - ایں بیت طبع زادش میر محمد تقی (میر) می نویسد -

رہے نادر خیالاں میں، ملے شوریدہ حالاں میں
ہوے صاحب کمالاں میں کدھر آکر* کدھر نکلے

محمد فاضل ''آزاد''

گل گلستان دکن و از شعراے کہن است، در زمان (ولی) کسوت حیات بہ بر میداشت و خود را یکے از شاگردان او می پنداشت - چنانچہ (ولي) می گوید -

(آزاد) سے سنا ہوں یہ مصرع منا سب
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

شہباز سخن او در تسخیر نخچیر مضامیں بنہایت بلند پروازی اوج گیرا و عرایس معانیش بلباس رنگیں جلوہ پیرا - سرو باغبان او چناں می بالد و قمری مطوق سخنش چنیں می نالد —

آئیں جہاں کی ساری (آزاد) صنعتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

زین العابدین " آشنا "

آشنائی محبوبان سخن کمال میدارد و ایں وحشیان نا آشنا مزاج را از راہ اخلاص بکمند می آرد - چہرۂ محبوب ز اش ظاھرا غازہ بردار خطۂ پاک ہندوستان و نہال ولادت او اکثر در

---

* کدھر سے آ کدھر نکلے (نکات الشعرا) -

گل زمین این جنت نشان است- زلف سخن را چنین پیچ و تاب می بخشد و چهرهٔ آفتاب رخسار معانی او از تاریکی الفاظ می رخشد- از تذکرہ فتح علی خاں قلمی می نماید—

گر ہمسے دیوانوں کو تم آزاد کرو گے
ویرانے میاں کتنے ہی آباد کروگے

کہیو صبا تو اتنا مرے تند خو کے تئیں
آخر کسی بھی وجہ دکھاویگا رو کے تئیں

میر محمد کاظم "آوارہ"

آوارهٔ دشت سخن طرازی است، برادر حقیقی زین العابدین (آشنا) میشود و تیر شعر با کرهٔ او به هدف معانیء رنگین راست میرود، نوخط سخن او چنین چهرهٔ معانی می آراید و دل عاشقان سخن را چنان می رباید —

اے عندلیب جا کے چمن میں کرے گی کیا
باد خزاں سے سب گل گلزار جھڑ گئے

محمد صلاح "آگاہ"

از موزونان هندوستان و نخلبند آن بوستان است- در سخن آگاهی کمال میدارد و قدوم استواری در سر زمین صاف میگذارد- از نخل هستی او بار خوبی و حسنات پیدا- و نور صلاحیت و تقوی از چهرهٔ اسم آفتاب نظیرش هویدا- دور ساغر پر نشهٔ سخن را میگردانند، و مضطبهٔ طبع او قل قل میخوانند- از تذکرهٔ فتح علی خاں است —

پیری میں کروں سیر جہاں کی تو بجا ہے
ہوتا ہے ڈھلے دن سے * تماشا گذری کا

فضایل بیگ "الہام"

از خوش تلاشان این سر زمین است، در سخن گفتن الہامات وافرہ بظہور می آرد و بر اقران و اکفاے خویش بنہایت گستاخی فضایل متکاثرہ می دارد - شوخیٔ مزاجش از کلام او سر میکشد، و بجز این دو بیت کہ در تذکرۂ فتح علی خان است بجویندگان نمی رسد - جرس سخن می جنباند و در ھجو کلا نوت بچی می خواند —

دیکھ دھاڑی بچے کو ناکارہ   چڑہ کے گانے لگی کلا نونتنی
کلا نونتنی ترے گانے سے دق ہوں   نپٹ † نیچے سروں سے بولتی ہے

احسن اللہ "احسن"

در نکتہ سنجی یگانۂ روز گار و صاحب تلاش معانی پرکار است۔ از بسکہ طوطی طبعش شکر ایہام می ریزد -از صفائی مرأت اظہار می گریزد، و در عصر آبرو ظاہرا طرۂ زند گی بر سر میداشت و خود را در موزونان ہم عصر معزز می پنداشت - نیسان کلکش لآلۂ معانی می افشاند و مشاطۂ طبعش عروس سخن را بوجہ احسن بر کرسی رنگینی می نشاند. این ابیات در تذکرتین مسطور است —

---

* (ن) دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے —
† (ن) بہت —

یہی مضمون خط ہے (احسن اللہ)
کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

مگر الحان داودی ہے نعمت‌خاں کی تانوں میں
کہ آہن سے دلوں کو بین لیکر موم کرتا ہے

بری باتوں کی خو ہرگز نہیں اس کو جو انساں ہے
جو گالی سے زباں کو کام فرماوے سو حیواں ہے

نقد علی خاں "ایجاد"

شاعر رنگین سخن، شعر فرش را بنہایت عذوبت میگوید، و الحال بنا بر گردش چرخ کج‌رفتار اوقات را بلشکر ظفر اثر نواب نظام الدولہ بہادر ادام اللہ اقبالہ بسر می برد۔ احوالش در تذکرۂ (سرو آزاد) مفصلاً مسطور است۔این بیت از ایجاد طبع ایجاد است ۔

جو دم خوشی سے گزرے غنیمت ہے دوستو
نقش بر آب عمر کا کیا اعتبار ہے

درمنقبت جناب شاہ ذیجاہ علی کرم اللہ وجہہ میگوید ۔

انبیا کی جسم کا جاں ہے امیرالمؤمنین
اولیا کا دین و ایماں ہے امیرالمؤمنین

صورت الفاظ قرآں ہے اگرچہ مصطفیٰ
معنی آیات قرآں ہے امیرالمؤمنین

جس کے گھر میں کچھہ نہیں جز نام پاک اہل‌بیت
اس کے گھر کا میر ساماں ہے امیرالمؤمنین

(اشرف)

از معاصران (ولی) است - چنانچه (ولی) جائے مصراع اورا تضمین می نماید و میفرماید —

(اشرف) کا یو مصراع (ولی) مجکوہے دلچسپ
الفت ھے دل و جاں کو مرے پیتم نگر سوں

این شعر از (اشرف) است —

توں شاہ ھے سب شہوں کا' بندے ھیں تیرے سب شاہ
میں بھی آپس کو بندہ تیرا' نہ کہوں تو کیا کہوں

این شعر را میر محمد تقی (میر) بنا مش میکرد —

پیا بن میرے تئیں بیراگ بھایاھے' جو ہونا ہوسو ہو جاوے
بھبھوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ھے' جو ہونا ہو سو ہو جاوے

میر غلام علی "ارشد"

تخلص ' باشندۂ اوجین' مردے خوش محاورہ و رنگین مزاج است - از چندے بنا بر آب و خورد مسکن خود این شہر نمودہ اوقات بسر می برد ' با راقم سطور طور اخلاص درست میدارد' اکثر گاہ از راہ کرم بخشی بملاقات می پردازد۔ در سخن فرس صاحب تصنیفات فراوان است و اکثرے در منقبت گفتہ و میگوید - گا ھے بنا بر پاس خاطر عزیزاں متوجہ بطرف ریختہ میشود ' غرض عجب مردے است قابل قابل دوست ' حق تعالیٰ سلامت دارد —

مجکو نہیں خبر کہ ...... کدھر گیا
گر راہ لی ھے گھر کی تو تحقیق گھر گیا

جن نے دیکھا ہے تری خوبی حسن رخسار
بے توقف "کہا سبحان جمالک" اے یار

لفظ سبحان که در آخر مصرع بیت دوم واقع شده عجب لطف میدارد هر که از هم نشینان هست می فهمد، و ذوقے از انکشاف این معنی بخود می نماید —

یار میرا ہے اپس حسن کی آرایش میں
میں بھی جسم نظر انداز کو رکھتا ہوں سنوار

بات شیریں ہے اُس کی مصری سی
اُس کے دو لب ہیں شاہد عادل

اس کیفیت کی کیف میسر کسی کو نہیں
ساقی کی جام چشم سے پیتا ہوں میں مدام

سجن یہ رو ہے ترا رشک سورج اور مہ و گل
سیاہ شب ترے مو اور مشک اور سنبل
نین ترے ہیں جیوں آہو کی چشم و نرگس حور
ہیں لعل لب ترے شکر اور آب زمزم دل

میر ابدال علی "اقدس"

تخلص۔ فکر سخن کم میکند و تا وقت تحریر بدھیں گل زمین یعنی خجسته بنیاد بسر می برد، راقم سطور از ملاقات او سرمایهٔ سرور حاصل کرده است - این چند ابیات از طبع زادش بقلم می آید —

دیکھتا ہے خال و خط و زلف کو وہ نو بہار
آئینہ مہتاب کا زہرہ کھڑی ہو کر دکھاؤ

آہ پردرد وہی شخص پکارا ہوے گا
ایک کوڑا بھی جسے عشق نے مارا ہوے گا
نام حق جس نے لیا اس کو جلا یا چیرا
سچ کہو زاہدو کیا حال تمہارا ہوے گا

دیکھو زاہد میں کیا کرامت ہے
ایک چلّے میں شیخ چلی ہے

غلام محمد خاں "انور"

تخلص، طبع رسا می دارد ودر علم رمل وتصویر تراشی شاگرد حاجی میر علی اکبر رمال است - دریں ولا با راقم سطور ارتباط اخلاص خاص و یگانگت دلی پیدا کردہ، چنانچہ ہر روز بلاناغہ کلبۂ احزان ایں فقیر را از قدوم میمنت لزوم رشک گلستاں می نماید و چہرۂ شاہد سخن ریختہ را بوسیلۂ مشاطگی طبع ایں عاجز غازہ می آراید - گلدستۂ خیالات را چنیں می بندد —

چیں رہا ابرو میں جب تو مردم آزاری کرے
ہم سوائے کون تیری ناز برداری کرے
کون سے مذہب میں اور مشرب میں ہے گا یہ روا
ہم کریں تجھ سے وفا اور تو ستم گاری کرے
کب رہیگی چاہ کنعاں کی وو ماہ مصر کو
جب زلیخا رکھہ عزیز اس کو خریداری کرے
جو کہ رکھتا ہوے نشہ چشم خمار یار کا
ہے بجا گر جام نرگس سیتی میخواری کرے

جن نے دیکھا ھے تری خوبی حسن رخسار
بے توقف "کہا سبحان جمالک" اے یار

لفظ سبحان کہ در آخر مصرع بیت دوم واقع شدہ عجب لطف میدارد ہر کہ از ہم نشینان ہست می فہمد، و ذوقے از انکشاف ایں معنی بخود می نماید —

یار میرا ھے اپس حسن کی آرایش میں
میں بھی جسم نظر انداز کو رکھتا ھوں سنوار

بات شیریں ھے اُس کی مصری سی
اُس کے دو لب ھیں شاھد عادل

اس کیفیت کی کیف میسر کسی کو نہیں
ساقی کی جام چشم سے پیتا ھوں میں مدام

سجن یہ رو ھے ترا رشک سورج اور مہ و گل
سیاہ شب ترے مو اور مشک اور سنبل
نین ترے ھیں جیوں آھو کی چشم و نرگس حور
ھیں لعل لب ترے شکر اور آب زمزم دل

میر ابدال علی "اقدس"

تخلص۔ فکر سخن کم میکند و تا وقت تحریر بہھیں گل زمیں یعنی خجستہ بنیاد بسر می برد، راقم سطور از ملاقات او سرمایۂ سرور حاصل کردہ است ۔ ایں چند ابیات از طبع زادش بقلم می آید —

دیکھتا ھے خال و خط و زلف کو وہ نو بہار
آئینہ مہتاب کا زھرہ کھڑی ھو کر دکھا ؤ

آہ پروردہ وہی شخص پکارا ہوے گا
ایک کوڑا بھی جسے عشق نے مارا ہوے گا
نام حق جس نے لیا اس کو جلا یا چیرا
سچ کہو زاهدو کیا حال تمہارا ہوے گا

دیکھو زاهد میں کیا کرامت ہے
ایک چلّے میں شیخ چلی ہے

غلام محمد خاں "انور"

تخلص، طبع رسا می دارد و در علم رمل و تصویر تراشی شاگرد حاجی میر علی اکبر رمال است - دریں ولا با راقم سطور ارتباط اخلاص خاص و یگانگت دلی پیدا کردہ، چنانچہ هر روز بلاناغہ کلبۂ احزان ایں فقیر را از قدوم میمنت لزوم رشک گلستاں می نماید و چہرۂ شاهد سخن ریختہ را بوسیلۂ مشاطگی طبع ایں عاجز غازہ می آراید - گلدستۂ خیالات را چنیں می بندد —

چیں رہا ابرو میں جب تو مردم آزاری کرے
هم سوائے کون تیری ناز برداری کرے
کون سے مذهب میں اور مشرب میں ہے گا یہ روا
هم کریں تجھہ سے وفا اور تو ستم گاری کرے
کب رهیگی چاہ کنعاں کی وو ماہ مصر کو
جب زلیخا رکھہ عزیز اس کو خریداری کرے
جو کہ رکھتا ہوے نشہ چشم خمار یار کا
ہے بجا گر جام نرگس سیتی میخواری کرے

کہاں کھائے تھے پیارے رات کو پان
کہ اب تک ہونٹھ پر سرخی عیاں ہے

تری تقصیر نہیں، ہے یہ نتیجا ہی وفاؤں کا
دو باتیں اور بھی کہہ لے میاں تیرا بھلا ہوے

کستی ہیں دل کو زلفیں کرتیں ہیں قتل ابرو
زنجیر ہے تو یہ ہے تلوار ہے، تو یہ ہے

ہنستا ہے گرچہ غنچہ وقت سحر چمن میں
ہنسنے کی تجھ سے آخر طرحیں اُڑائیاں ہیں

نہ ہوتا مجھ سے نافرماں اگر وو لالہ رو میرا
تو کیوں میں جاچمن میں اس طرح شورو فغاں کرتا

حسرت سے گر تو آئینہ خاک اپنے سر کرے
ممکن نہیں کہ تجھ پہ وو خود بیں نظر کرے

کہیں ہے شیشہ سرنگوں اور کہیں شکستہ جام ہے
کہا مچائی میکشوں نے آج میخانے میں دھوم
دل مرا جاکر پھنسا ہے، ہر گھڑی شانہ نہ پھیر
بیطرح وحشی کریگا زلف کھل جانے میں دھوم
تھا قدم کے فیض سے مجنوں کے وو آباد دشت
ورنہ کہتے پھر مچایا جاکے ویرانے میں دھوم

زلف سلجھانے کے تئیں درکار ہے تو لیجئے
پنجۂ مژگاں بھی ہیں گے میرے شانے کی طرح
غیر کی محفل میں ہر شب بیٹھتا ہے شمع رو
دل جلے ہے رشک سے بے تاب پروانے کی طرح

ہر گھڑی (انور) ملاتا ہے تو آنکھیں شوخ سے
دیکھ کہتا ہوں یہ ہے گی جان و دل جانے کی طرح

شہر کا شیریں سے وعدہ کر گیا تھا کوہکن
طرفہ تر یہ بات ہے خوں کی بہایا جوئے شیر

میر ایوب " ایوب "

تخلص - نخلبند گلشن رنگیں خیالی، عندلیب چمن خوش مقالی است - مشق سخن را باستصواب فقیر آب و رنگے تازہ میدہد و مشتے بر گردن ریختہ گویان حیدرآباد می نہد - ستون اخلاص را از قوت باز وے حسن خلق خود باوجود صغیر سن بلند می سازد و سمند شعر فہمی را در مضمار فصاحت بنہایت جولانی می تازد - نہال ہستی او در شہر (بیدر) سر کشیدہ و شاخ زندگانی او برِ کامرانی در مذاق یاراں بفرخندہ بنیاد حلاوت بخشیدہ است - با محرر سطور ارتباط، اختلاط، انضباط بود و ہر روز بلاناغہ از راہ بندہ نوازی تشریف ارزاں فرمودہ رونق افزائی مجلس می نمود، حق سبحانہ سلامت دارد - شراب ارغوانی سخنش نشۂ سرخوشی بمشام جاں فائز میگرداند و ساقی سیمیں ساق طبعش چنیں ابیات مشتاقانہ میخواند —

جب سے لڑیاں گوہر آنسو کی گردن میں پڑیں
تب سے مجکو نہیں تمنا موتیا کے ہار کے

شراب تاک سے تپکی و نرگس مخمور
پڑا ہے عکس یہ اُن چشم پر خماروں کا

دل کو لے ہم سے ہو گئے تیکھی
سچ کہو کس سے یہ طرح سیکھی

دوانہ ہوں میں زلفوں کا، مجھے مت قید میں رکھنا
مرے زنجیر کرنے کو وہی یک تار کافی ہے

ہجر میں تیرے شب و روز ترے متوالے
راوت آہ کے کھاتے ہیں جگر پر بھالے
اشک خونیں مری آنکھوں سے بہ آئے یہاں تک
ایک جا جمع کیا ہوتا تو بہتے نالے
مردمک بیٹھہ مری آنکھوں میں، جپتی ہیں تجھے
سرمئی دانوں کے لے ہاتھہ میں اپنے مالے

(ایوب) تیری آہوں کو کہتے ہیں دیکھہ سب
بھڑکے ہے آگ اُس کے بدن کی بدن ہی میں

دیکھہ خوبی اور نزاکت یار کے رخسار کی
کیا اُڑی جاتی ہے رونق تختۂ گلزار کی

تیغ نگہ کا تیر یاں تک غرق ہے
دل میں پیدا نہیں اثر سوفار کا

میں وفا دار ہوں وفا کی قسم
تو جفا کار ہے جفا کی قسم

فتح یاب بیگ خاں "انجم"

تخلص - ہمشیرہ زادۂ افضل بیگ خاں بہادر پیر شیم
جوان سنجیدہ و خوش خلق است، اکثر اوقات به غریب خانه
قدم رنجه می نماید و چهرۂ شاهد سخنی را خیالے

می آراید —

بلا ہے آہ سوزاں سے لگاتا
کبو تر بھی نہیں لاتے ہیں نامے
رات دن گوشے میں بلبل پھڑپھڑاتی ہے پڑی
کیا ہوا ہے مثل پروانہ چراغ اس کا بھی گل

شاہ عبداللہ " احقر "

تخلص - جدید الایمان از قوم کھتری بود، از چندے بجرگۂ اسلام در آمد و خرقۂ فقر بخدمت شاہ شریف قدس سرہ پوشید - دریں ولا با فقیر ہم ربطے پیدا کردہ، چنانچہ دو مرتبہ بہ غریب خانۂ احقر آمدہ اشعار بندہ سمع نمود و اشعار آبدار خود ہم برخواند - مرثیہ خوب میگوید و مشق سخن ریختہ بہ تفنن میکند - از آنست —

بیوفا اول تو میری قابل یاری نہ تھا
یار ہو اغیار ہونا رسم دلداری نہ تھا
آرزو تھی گلبدن کو ہار کر رکھنا گلے
کیا کروں تقدیر پر کچھ فعل مختاری نہ تھا

میر غلام حسین "افسق"

تخلص - از شعرائے ایں عصر است، از بسکہ ہجو بر مزاجش غالب آمد، شہرۂ عوام گردید - درشعر تتبع (زانی) می نماید و اکثر مزاج او بطرف ہزل می آید، شوخی طبعش از کلامش ہویدا و مزاجش از تخلص او پیداست - کاشکے ایں خیال در دل او جا نیافتے، و آفتاب اشعار

دل کو لے ہم سے ہو گئے تیکھی
سچ کہو کس سے یہ طرح سیکھی

دوانہ ہوں میں زلفوں کا، مجھے مت قید میں رکھنا
مرے زنجیر کرنے کو وہی یک تار کافی ہے

ہجر میں تیرے شب و روز ترے متوالے
راوت آہ کے کھاتے ہیں جگر پر بھالے
اشک خونیں مری آنکھوں سے بہ آئے یہاں تک
ایک جا جمع کیا ہوتا تو بہتے نالے
مردمک بیٹھہ مری آنکھوں میں، چنتی ہیں تجھے
سرمئی دانوں کے لیے ہاتھہ میں اپنے مالے

(ایوب) تیری آہوں کو کہتے ہیں دیکھہ سب
بھڑکے ہے آگ اُس کے بدن کی بدن ہی میں

دیکھہ خوبی اور نزاکت یار کے رخسار کی
کیا اُڑی جاتی ہے رونق تختۂ گلزار کی

تجھ نگہ کا تیر یاں تک غرق ہے
دل میں پیدا نہیں اثر سوفار کا

میں وفا دار ہوں وفا کی قسم
تو جفا کار ہے جفا کی قسم

فتح یاب بیگ خاں "انجم"

تخلص - ہمشیرہ زادۂ افضل بیگ خاں بہادر پیر شیم جوان سنجیدہ و خوش خلق است، اکثر اوقات به غریب خانه قدم رنجه می نماید و چہرۂ شاهد سخنے را خیالے

می آراید —

بلا ہے آہ سوزاں سے لگاتا
کبوتر بھی نہیں لاتے ہیں نامے
رات دن گوشے میں بلبل پھڑپھڑاتی ہے پڑی
کیا ہوا ہے مثل پروانہ چراغ اس کا بھی گل

شاہ عبداللہ "احقر"

تخلص - جدید الایمان از قوم کھتری بود، از چندے بجرگۂ اسلام در آمد و خرقۂ فقر بخدمت شاہ شریف قدس سرہ پوشید - دریں ولا با فقیر هم ربطے پیدا کردہ، چنانچہ دو مرتبہ بہ غریب خانۂ احقر آمدہ اشعار بندہ سمع نمود و اشعار آبدار خود هم برخواند - مرثیہ خوب میگوید و مشق سخن ریختہ بہ تفنن میکند - از آنست —

بیوفا اول تو میری قابل یاری نہ تھا
یار ہو اغیار ہونا رسم دلداری نہ تھا
آرزو تھی گلبدن کو ہار کر رکھنا گلے
کیا کروں تقدیر پر کچھ فعل مختاری نہ تھا

میر غلام حسین "افسق"

تخلص - از شعرائے ایں عصر است، از بسکہ هجو بر مزاجش غالب آمد، شہرۂ عوام گردید - درشعر تتبع (زانی) می نماید و اکثر مزاج او بطرف هزل می آید، شوخی طبعش از کلامش هویدا و مزاجش از تخلص او پیداست. کاشکے ایں خیال در دل او جا نیافتے، و آفتاب اشعار

رنگین برسیده اش بتافتے ' انشاءالله تعالیٰ رفته رفته ازیں تائب شود و تخلص خود هدایت قرار دهد چنانچه خود میگوید —

هے بهی افسوس دل کو اے هدایت تو بتا
'افسق' اپنا نام رکهوایا نه هوتا کا شکے

حق سبحانه توفیق رفیق کناد. دریں ایام از راقم الحروف ربط است' چنانچه دیوان را خود بخط خاص نقل کرده پیش فقیر آورده-جا فقیر, هم پاس اخلاص مشارٌ الیه منظور داشته دو بیت ایجاد طبع او از قبیل روز مره صاف است دریں جریده بنظر آرد —

اس هوا میں نهیں میسر بادهٔ گل رنگ هائے
هے همارا شیشهٔ دل رنگ سے بے رنگ هائے
باده و ابر و بهار و سبزه و سیر چمن
کیا کروں اے غنچه لب هے تجهه بنا دل تنگ هائے
اس ازانی سے نهیں حاصل 'هدایت' کیا کروں
دل میں آتا هے که بولوں درد کی سا رنگ هائے

کہا بلبل نے جور باغباں کو گل سے کیا کهنا
برنگ غنچه اس گلشن میں بهتر هے که چپ رهنا

حق کرے خیر آج غصے سے
هے ترا رنگ لال کچهه کا کچهه

کیونکه افسق تجهه کو هوئے آرام اس کے وصل میں
دل کو کرتي هے پریشان اوس کی کاکل کی هوا

(ضمیمہ متعلق صفحہ ۴۲)

میر عبدالوہاب ' افتخار '

تخلص - 'دولت آبادی' از سادات بخاریست ' جد امجدش در زمان عالمگیر بادشاہ از ہندوستان بدکن آمدہ در قلعۂ 'دولت آباد' سکونت اختیار نمود ' و قرابت از سید مرتضی خان بعمل آمد - میر مشارالیہ از پریشان احوالی اوقات بسر می برد ' نجیب و شریف است - در شعر گوئی طبع رسا دارد؛ازوست :—

حسین ابن رسول اللہ کے مقتل پہ جا پہنچے
جو خاک ہونا ہے آخر کیوں نہ خاک کربلا پہنچے

کوہ بھی ہنگام بارش میں عروس وقت ہے
سر پر اُس کے سہرہ مروارید کا ہے آبشار

سرو کوں رتبہ نہیں تیرے انگے اے سبز پوش
ایک تجھہ بازار خوبی کا ہے وہ سبزہ فروش

آج پھر دل تڑپ میں آیا ہے کس پری کی جھڑپ میں آیا ہے

کوئی اُس خورشید رو کے نا مقابل ہو سکا
چاند نکلا ہی کریگا کیا اجالا دیکھئے '

(تحفۃ الشعراء)

محمد رضا قزلباش خان ' اُمید '

تخلص - ازقوم ہمدانی قراط ملوست' بہ بسبب شناسائی کہ با ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ داشت ' از ولایت ایران در مملکت دکن رسید - نصرت جنگ ' حکیم محمد تقی خان را کہ خانساماں و معرب و مصاحب ہم بود ' باستقبال او فرستاد ' بملاقات خود مسرور ساخت ' بمنصب ہزاری سرفراز گردید بدلے قلعداری قلعہ میفی مرک توابع صوبۂ حیدرآباد داشت ' از انجا بجناب نواب خلد منزلت آصف‌جاہ رسید - سالے چند

کسب سعادت خدمت نمود، از جملهٔ قدوهٔ مقربان گشت، و همراه رکاب فیض انتساب او بشاهجهان آباد رفت - در اں جا بنا بر وجوهات بےعنایتی آصفجاه بحالش راه یافت، باز بدکن نیامد - همانجا ودیعت حیات بمؤکلان قضا و قدرسپرد - با آنکه ولایت زا بود، اما از عقل رسا مضامین 'کبت' و 'دوهره' می فهمید، و به قانونے سرود می خواند که مطربان کسبی باستماع نواے آن در مقام حیرت می آمدند، در کُلبه اش مجمع خوبان می شد، بدیدن تماشاے رقص؛ شوق مفرط داشت، برسائی طبع بلند شعر می گفت، اشعارش پر از متانت الفاظ و معانیست - صاحب دیوانست —

هندی اشعار درج هیں نهیں (تحفة الشعراء)

مرزا علی نقی 'ایجاد'

تخلص - مخاطب نقدعلی خان همدانی قاچار است، 'باشیخ علی خان' وزیر شاه سلیمان صفوی مراتب داشت، در عهد آصفجاه مدتے بدیوانی بادشاهی حیدرآباد سرفراز بود - مرزا علی نقی 'ایجاد' بقرب و مصاحبت آصفجاه شرف اختصاص یافت، بخدمت کوتوالی لشکر امتیاز داشت - بعد بداروغگی فیل خانهٔ سرکار نواب نامدار سید محمد خان بهادر صلابت جنگ سر بلند گردید، بعد فوت پدر بخطاب موروثی و دیوانی حیدرآباد سرفراز است - جامهٔ قابلیت در بردارد، بحسن اخلاق موصوف، از فهم عالی در فکر شعر از اقران ممتاز —

نوت: هندی اشعار درج نهیں هیں - (تحفة الشعراء)



باب الباء

میرزا عبدالقادر "بیدل"

مانی ارژنگ نگار معانی و اقلیدس سحرکار سخندانی است، مشرقستان نازک خیالی از انوار آفتاب ضمیر انورش روشنی گیر جاوید گردیده و بوستان شکرمقالی از نغمهٔ عندلیب طبع هزار داستانش زینت هزاران گزیده، چشم زمانهٔ دون چنین متعین خیالے والا شکوه باوجود بدست بودن مشعل آفتاب ندیده و سامعهٔ سپهر نیلگون مثل این شکرین مقالے معنی پژوه با وصف موجود گردیدن گوش سیارها نشنیده، طبعش را اگر چشمهٔ زندگانی خوانم رواست که حیات سخن از و متصور، و کلکش را اگر سحاب نیسان دانم بجا که هر نقطهٔ تحریرش افضل تر از گوهر است- حقا که در سر زمین هندوستان مثل این سخن پناه صاحب کمالی بقید از خواب عدم سر برنداشته، و مصور قدرت بیچون همتاے آن عالیجاه معنی تلاش دل صید بقلم ایجاد نه پیراسته- دیوان ضخیم متداولهٔ فارسیش عالمگیر، و رقعات انشاے رنگینش مثال بوے گل بمشام دل جاگیر است- میرزا سیوم

ماه صفر سنة ثلث و ثلاثین و مائة و الف واصل حق شد۔
حضرت میر صاحب و قبلہ مد ظلہ تاریخ وفات چنیں فرمودند۔
(تاریخ):-

سر بر آوردۂ ارباب سخن   از غم آباد جہاں خورم رفت
گفت تاریخ وفاتش (آزاد)   میرزا (بیدل) از ایں عالم رفت

الحاصل میرزا فارس مضمار فارسی، و والی قلمرو ایں ملک بے پایان است۔ اشعار ریختہ اش بجز ایں دو بیت کہ در تذکرۂ میر محمد تقی (میر) تحریر بود بنظر نیامدہ۔ شگوفۂ دستش چنیں بند انقباض می کشاید کہ بیدلان معنی بمشاہدۂ جمالش از نہایت شوق چوں گل خندان و عندلیب سخنش چناں دل می رباید کہ عاشقان سخن از اصغاے صفیر جانفزایش بسان بلبل تصویر بے حس و بے جان اند —

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا (بیدل) کہاں ہے ہم میں

لالہ ٹیکچند " بہار "

بہار آراے گلزار ریاحین بایستہ، و چمن پیراے مرغزار مضامین شایستہ است۔ طرۂ پر پیچ سنبل مویان نسرین رخسار نازک خیالی را بشانۂ قلم دو زبان وا می نماید و ابروے خمدار سرو قامتان ندرت و رفتار شیریں مقالی را بسواد سیاہی وسمہ می آراید، چناں مضامین را

از شبنم پاشی مزاج موزوں طراوت گیر جاویہ می سازد،
و عندلیب ہزار داستان سخن بر تخلص رنگین او می نازد -
اقلیم فرس را بزور تیغ قلم مسخر نمودہ و ایں زمین سخت را
بپاے املا پیمودہ است - ظلمات الفاظ نو گریز قلمش مضامین
باریک را چوں آب حیات بروے نظارہ گیاں می پاشد، و شاہین
استعارات رنگینش با پنجۂ سرخوشی و نزاکت بسینۂ کبوتر
دلہاے عشاق سخن می خروشد - اشعارش بفقیر نرسیدہ، ایں
ابیات ہر دو تذکرہ دریں جا التقاط نمود—

اسی درگاہ سے حاجت روا ہوتی ہے عالم کی
جہاں دیتے ہوں بن مانگے، فضولی ہے طلب لالا
جو کچھ جا کر گلستاں میں کیا ہے کیوں چھپاتے ہو
عیاں ہے آستیں کے چھیں سے موج خوں گل لالا
سبھی کرتے ہیں دعویٰ خوں کا، قسمت ہے تو دیکھیں گے
صف محشر میں کس کے ہات دامن ہوگا قاتل کا
محبت کی قلمرو میں اگر جاوے تو سن لے گا
کوئی آرے تلے چیرا، کسی کو کوہ پر پٹکا
کرے وہ سلطنت، یہ عشق میں شیریں کے سر دیوے
تکلف بر طرف، خسرو کو کیا فرہاد سے نسبت
کنعاں میں ماہ مصر نے کب سلطنت کری
کم ہی کوئی عزیز ہوا ہو وطن کے بیچ

خوش سخن کا حرف دل کو لوٹتا ہے حال بیچ
یہ غلط کہتے ہیں کچھ لذت نہیں ہے قال بیچ *

منظور سیر لالہ جو ہو اس بہار بیچ
پھولا ہے خوب دیکھ دل داغدار بیچ
کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھ کو دیکھ
اُمید چھوٹنے کی نہیں اس بہار بیچ

دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
کس سے یہ سیکھے ہو تم لیکر مکر جانے کی طرح
توڑتا زنجیر جاتا تھا پڑا بکتا (بہار)
آج ہم دیکھے جدوں سرشار دیوانے کی طرح
کیا بلا لاوے گا سر پر اس کے حیراں ہوں (بہار)
لے گیا ہے شوخ میرے ہاتھ سے دل بے طرح

وہی یک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں
اینتا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

---

* مہرباں ہوکر ملا ہے ماہ رو شب بے حجاب
کیا مبارک ہے ہمیں یہ ماہ اب کے سال بیچ

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل

عبث تشویش کیوں دیتی ہے، گل کی طبع نازک ہے
یہ گستاخی نہیں ہے خوب مت کر شور اے بلبل

ناز و استغنا، عتاب، اغماض، سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دل کا * نشاط

گیا ہے عشق کی رہ بیچ پا برہنہ (بہار)
تمام دشت ہے پُر خار دیکھیے کیا ہو

جب ستی اُس سرو رعنا کا ہوا ہے جلوہ گاہ
سبز جوں شمشاد اُٹھتی ہے مرے سینے سے آہ

ناز بے جا و لطف بے موقع دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ

کرے ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کہیے
جو اُن کے ہاتھ یوں مرنا ہوا، تقدیر، کیا کیجے

سانورے سب ایک سے ہیں ظلم کرنے میں (بہار)
کم نہیں کچھ دل کے لے جانے میں کاکل چشم سے

(بہار) اُس گلبدن کا جو دوانا ہو تو کیا اچرج
فرشتے کا بھی من ایسے پریرو پر لبھاتا ہے

دیکھ کر کیونکر نہ ہووے دل رقیبوں کا کباب
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر واچھڑے

* (ن) دل کو ہو —

کوئی کس ساتھہ ایسی فصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ہے، نہ ساغر ہے، نہ مطرب ہے، نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھہ مغفرت کم ہے

نتیجہ حسن خدمت کا اگر یہ بیدماغی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ پھل پاوے ہے جو سیوے

اگر مارا پڑا دل مات سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

تڑپھتا ہے پڑا جیوں نیم بسمل خاک و خوں میں دل
عقوبت ہے جو کچھہ اس صید پر صیاد کیا جانے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تجکوں مدا جاتی

دلاور خاں "بیرنگ"

سخنش برجستہ و شعرش شستہ است از آنجا کہ شاگرد 'یک رنگ' است تخلص خود 'بیرنگ' قرار میداد، آخر موقوف کرد، 'بیرنگ' بجا نہاد۔ صمصام ہستی او بجوہر سپہگری آراستہ و گلستان طبعش با گلہاے رنگا رنگ پیراستہ۔ گل بیرنگ مضمون را رنگ تازہ از شیریں گفتاری میدہد، وصفیر حزین عندلیب سخن را از اشعار خوانی شور جگر گیر می بخشد۔ آرے قدم بنہایت دلاوری در معرکۂ الفاظ تازہ میدارد و شمشیر سخن را چنیں از نیام کام بروں می آرد۔

این اشعار از تذکرتین است —

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اُس کنٹھیں* (بیرنگ)
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش
مثل مشہور ہے " سویا سو چوکا "
نہیں مطلب مجھے کچھہ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کے رنگ و بو کا

دل کو کچھہ عشق میں قرار نہیں
اب تلک تجکو اعتبار نہیں

ہے ہات ترا خوں سے عاشق کے گر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر بار دگر آلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجھہ کو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

یار کا جب خیال آتا ہے ہوش میرا تمام جاتا ہے

محمد اسمعیل " بیتاب "

سحاب گوہر پاش سخن، و دریاے مواج این فن است -

---

* (ن) کو خط —

خود را از تلامذهٔ مصطفی خان ' یکرنگ ' می پندارد'
و تلاش ھاے فراواں بالفاظ تازہ و مضامین نو میدارد-
گویند که روزے بخانهٔ عزیزے میرفت' از اسپ فرود آمد'
دست بشکست ' چندے بیمار ماندہ نقد جانے بمتقاضی اجل
بداد - رتبهٔ فکر و الایش و مرتبهٔ ادراک آسماں پیمایش از
اشعار او ھویدا می شود - ایں دو بیت از ھر دو تذکرہ است۔

تڑپ کر مرگئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ھاے کس ظالم کے بس میں
نہ ھوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رھتا مرا دل

" بیدار "

شاعریست خوش گو بطرف ھندوستان - میر تقی ' میر'
در ترجمهٔ او بتذکرهٔ " نکات الشعراء " ایں دو بیت بنام او
مینویسد —

صفا الماس و گوھر سے فزوں ھے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ھمرنگ خجالت لعل ومرجاں کو

" بینوا "

شخصے معنی آفریں بطرف ھندوستان گذشته ' احوال
او بوجه خوب تنقیح نه می پذیرد - ایں یک بیت از تذکرهٔ
میر تقی ' میر ' نوشته می شود —

یه کیا ستم ھے اے فلک ھرزہ نا بکار
مریخ پر جو تیز کی خنجر کی اپنے دھار

شرف الدین علی خان "پیام"

زادگاهش اکبر آباد است - در ریختہ گوئی نسبتے تمام داشت، حقاکہ معنی تلاش را بجاے رسانیدہ کہ میتواں گفت؛ زلف عنبرین سخن را چین و تاب میدهد - میر تقی 'میر' و فتح علی خاں ایں اشعارش انتخاب نمودہ اند —

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے کام عاشق کا سب * تمام کیا
کوئی عاشق نہیں نظر آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

بات منصور کی فضولی ھے ورنہ عاشق کو آہ سولی ھے

"بسمل"

سخن سنج خوش خیال بود و بناخن اندیشۂ رسا عقدہ ھاے دل میکشود - احوال مفصلاً در تفصیل شعراے ریختہ گو ندیدہ شد - بهر حال قابل مرد است، غزالان سخن را در مرغزار صفحہ چنیں بخرام می آرد - ایں ابیات صاحب تذکرتین میگویند —

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ ملاتا اپنے تئیں وو خاک وخوں میں

ھاے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا
آپ تو بد نام تھا ھی مجکو بھی رسوا کیا

صلاح الدین "پاکباز"

پسر سید کمال نبیرۂ سید جلال است، سخن را باصلاح

* (ن) عشاق کا —

مصطفے خان 'یکرنگ' می ربود و تلاش معانیء تازہ می نمود۔ خوش فکر و خوش ذہن داشت - شعرش خالی از اضافت است ' او چنیں می سراید 'این اشعار در تذکرتین تحریر اند ـــ

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں ' یہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو ' افسوس ہم نہیں

ـــــــــ

قفس کے در کو باز *اے بلبل اب صیاد کرتا ہے
خدا جانے کریگا ذبح یا آزاد کرتا ہے

ـــــــــ

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم مورے میاں صاحب

ـــــــــ

جواب نہ مریے تو پھر انتظار میں مریے
خدا خزاں نہ دکھاوے بہار میں مریے
تمام عمر شرابیں پیا کیے ساقی
ہزار حیف کہ آخر خمار میں مریے

ـــــــــ

خواجہ احسن اللہ " بیان "

از وجاہت صوری و حسن سیرت بہرۂ وافی برداشتہ بود و در معنی طرازی مزاج و آلایش علم اندیشۂ آسمان پیمائی داشت - مولدش خاک پاک اکبر آباد است و بموزوں مزاجی میرزا (مظہر) جانجاں استاد - مرتبۂ حسن خلقش در حوطۂ بیان نمی آید داود کلکش چنیں

ـــــــــــــــــــــــــــــ

* (ن) وا ـــ

ترانۂ نشاط می سراید - ایں اشعار از ہر دو تزکرہ تحریر می یابد —

بندے سے ثنا حضرت استاد کی کیا ہو
(مظہر) ہے خداوند کی وو شان اتم کا

عالم کو لعل و گوہر و تاج و لوا دیا
اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا
ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند کے
خواب عدم سو کاھیکو مجکو جگادیا
اسکا اداے شکر (بیان) کھونکہ کر سکوں
جسنے اُتھا کے خاک سے انساں بنا دیا

کب تلک اُسکی شکایت ہونہ لب سے آشنا
ایک بھگا نہ ہے مجھہ سے اور سب سے آشنا
غیر کے کہنے پہ مت بیگا نہ ہو یکبار گی
دیکھہ تو اے شوخ میں تیرا ہوں کب سے آشنا

آکر جونہی قاصد نے لیا نام کسی کا
اس بات کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا
کیوں آج سماتا نہیں سینے مین خوشی سے
پہنچا ہے مگر دل! تجھے پیغام کسی کا

قفس میں میں رھائی کے لئے کیا کیا نہیں کرتا
پھڑ کتا ہوں، تڑپتا ہوں، کوئی پروا نہیں کر تا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھہ کو
انہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

همدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا
آتا ہے تجکو ننگ مرے نام سے عبث
اے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

جو تجھ سا کوئی دنیا میں مجھے اے ناز نہیں ملتا
تو وو نہی چھوڑ دیتا تجکو اور جاکر وہیں ملتا

'بیان' تمہرے کوچے سے چلتا رہے گا
مری جان تو ہات ملتا رہے گا

اگر ایک صبحدم آتا وو اُٹھ کر خواب شیریں سے
ہمارا کیا گریباں ' ناصحو نکا پیرہن پھٹتا

کیا دکھ تھا ' بیاں ' کو جو پاتا میں ہوش میں
پر خیر کی خدا نے کہ وو بے حواس تھا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سرخ و سفید ماٹی * کی مورت ہوئی تو کیا

جگا یا مجھ کو کس کمبخت نے ہائے
مری آنکھوں کے آگے وو ابھی تھا -

انو کہا سنگدل تو ہی نہیں ہے ہمارا دل بھی پتھر سا کبھی تھا

ایں بیت کہ بالا مذکور شد دلیل خوبصورتی اوست ـــ

گل کی حسرت سے مرے دل میں سدا خار رہا
میں تو بھر عمر قفس میں ہی گرفتار رہا

---

* (ن) مٹی ـــ

یار نے جب سے اُٹھایا اپنے چہرے سے نقاب
طعن کرنے سے مرے ناصح کو آتا ہے حجاب
اپنی مخموری پہ اے واعظ نصیحت کی مجھے
واقعی ہے آج سمجھے بد ہے انجام شراب
کل تو آویگا ہی آخر غرّہٗ ماہ صیام
آج تو پی لیجئے من مانتی ساقی شراب

مرتا ہوں، غم گساری جو اب نہیں تو پھر کب
اے یار مجھ سے یاری جو اب نہیں تو پھر کب
برسے ہے ابر رحمت، ساقی کدھر ہے مینا ؟
ہنگام بادہ خواری جو اب نہیں تو پھر کب
جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطف زندگانی
آتی اجل ہماری جو اب نہیں تو پھر کب

دل سا گھر تو میرا گم اے 'بیاں' ہوا ہے
ہوئیے مجکو بے قراری جو اب نہیں تو پھر کب

تو تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے
یار کی آنکھوں نے مجکو کردیا یک بار مست
کیا کہوں کیا کیا امنگیں دل میں آتی ہیں، بیان'
جب نظر آتا ہے تنہا مجکو وہ میخوار مست

قید میں رکھا ہے کیوں اُس کو سلاطینوں کی طرح
کب دوانے نے فلک مانگا ہے تجھ سے تاج و تخت

پوچھتا کون ہے ڈرتا ہے تو اے یار عبث
قتل کرنے سے مرے ہے تجھے انکار عبث
کیا مری آنکھہ عدم بیچ لگی تھی اے چرخ
کیا اُس خواب سے تو نے مجھے بیدار عبث

مشت غبار کو مری وہاں ہوئے کیا پہنچ
جس کی گلی میں رکھتی نہ ہووے صبا پہنچ
کہتا نہیں میں عرش پر اے آہ جا پہنچ
کانوں تلک بتوں کے تو اے نارسا پہنچ
آتے ہیں ہے پاس مرگ کے پیغام ہجر میں
تو اے نوید وصل شتابی سے آ پہنچ
اے بیخبر 'بیاں' کا عجب حال آج ہے
جاتا ہے اس کے پاس تو جلدی سے جا پہنچ

ہزار حیف یہ گلچیں رکھے ہے پا گستاخ
یہ وہ چمن ہے کہ جس میں نہیں صبا گستاخ
وو شوخ مجھہ سے ہی تنہا نہیں ہوا گستاخ
ہمیشہ عشق کی خدمت میں حسن تھا گستاخ
کہاں یہ ہات مرا اور کہاں وو دامن پاک
تمھارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ

گر شہید عشق کے مرنے کی لذت کا نشاں
خضر کو ملتا تو لگتا زندگی کا نام تلخ
جوں گوارا ہو گزک کے سات مستوں کو شراب
سات بوسے کے نہیں لگتی تری دشنام تلخ

یہ آرزو ہے کہ وہ نامہ بر سے لیے کاغذ
بلا سے پھاڑ کے پھر ہاتھہ میں ملے کاغذ
وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھتا
قلم کے تن* کو لگے آگ اور جلے کاغذ
پیام بر مجھے ایسا کوئی نہیں ملتا
کہ حیلہ جو سے مرے لیے ہی گر ملے کاغذ

اس قدر تو ہے بھروسا مجکو اپنی آہ پر
نہ فلک اوپچے اُتھا یک نالۂ جانکاہ پر
عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آسکتی نہیں
رحم آتا ہے 'بیاں' اب مجکو اپنی آہ پر

نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ
رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہاں نہاں

صاف منہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اُس کے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں، دل ہے میرا جس کے پاس

کہنا تو صاف موں پہ مروت سے دور ہے
آوے گا ایک روز مرا جان کام خط

جیوں پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع
توں اُنوں کے غم میں اپنا جان بھی کھوتی ہے شمع

جو نہ ہوے اس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
کون مجھہ بے کس کی تربت پر کرے روشن چراغ

(ن) * بن

جان کر معنی کسی کے شعر میں باندھے نہیں
صاحب خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ
عرض لیتا ہم زبانوں کے سلیقے کا 'بیان'
اس دل ناداں کے شیون سے اگر پاتا فراغ

آتا ہے جی کو دیکھ کے جوش بہار حیف
اے عندلیب تو ہے قفس میں' ہزار حیف
یاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اُس کے منہ ستی بے اختیار حیف
میں بس کہ خاک میں ترے کوچے کی مل گیا
تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھ سے غبار حیف

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک
نپٹ ہی 'بیاں' کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک
یہی دن ہے' ملنا ہے تو اس سے مل
کہ جیتا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دل میں نفس خوں ہوگیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس میں ہی ہوا بسمل
تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
موا جاتا ہے کیوں اتنا تک ایک توں پر ہلا بسمل
نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
'بیاں' کس مونہہ سے مانگے اُس سے اپنا خونبہا بسمل

میر عبدالوہاب "بیکل"

شاعر شکر مقال و طوطی خوش خیال است - اکثر گاہ در دولت خانۂ حضرت میر صاحب قبلہ مد ظلہ العالی و ہچنین بر تذکرۂ بے نظیر باشارۂ میر ترتیب می دارد - با راقم سطور اتفاق ملاقات می افتد، خیلے صاحب فطانت بنظر رسید - در شعر فارسی 'افتخار' و در مرثیہ 'ماتمی' تخلص می کند - مشاطۂ قلمش زلف سخن را چنیں تاب می دہد -

عکس رخسار یار گل رو سے آئینہ چشمۂ گلاب ہوا

فتح علی خاں در تذکرۂ خود ایں اشعار می نویسد -

مرا دل گلرخوں نے سات لے گئے
حنا کے رنگ ہاتھوں ہات لے گئے
تری زلفوں نے کئی کئی پیچ سکھلا
دل 'بیکل' کو راتوں رات لے گئے

سرو کو رتبہ ترے آگے نہیں اے سبز پوش
ایک تجھہ بازار خوبی کا ہے وو سبزی فروش
نہیں سیں دل کا رتبہ ہے بڑا تجھہ رو پرستی میں
کہ دل حافظ ہے اس مصحف کا آنکھیں ناظرہ خواں ہیں
تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا
دوانوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے

تیرے ابرو کی تیغ ہے بازہیل جس کو لگتی ہے خوب لگتی ہے

آخر یہ دل کسی کا گرفتار ہوئے گا
یارب لگے کسو تو سجّے آشنا کے ہات

لالہ جے کشن "بےجان"

تخلص - طوطی شیریں زبان و بلبل هزار داستان است - مشق سخن ریختہ بخدمت شاہ 'سراج' می نمود' و گرہ کاکل معانی از شانۂ فکر رسا میکشود - روزے شاہ 'سراج' با فقیر نقل می کرد کہ" 'جے کشن' محمل سفر لشکر نواب صلابت جنگ بہادر ادام اللہ اقبالہ کہ قریب الجوار اورنگ‌آباد بود ' بر بست ' و از فقیر مستدعی رخصت شد' و ریختہ کہ تازہ گفتہ بود بر خواند' هر جا کہ حک و اصلاح بخاطر رسید' نمودہ شد' مقطع آں ریختہ ایں بود —

تری یاد کمر سے یوں عدم میں مل گیا 'بےجان'
کہ قالب بھی نپاوے گر کوئی اُس کا کفن کھولے

الحاصل رخصت گشت و برفت' و باز کسے نشانش نیافت" انتہی مقالہ - آرے 'بےجان' بود بے قالب هم شد - از مطالعۂ ایں چند اشعار 'بےجان' جانے تازہ می آمد —

یار مہندی بھرے هاتھوں سے اگر هوئے طبیب
شاخ نبض دل بیمار سے مرجاں هوئے
قید میں عاشق اگر یاد کرے گل رو کو
وهاں کے زنجیر کے دانے سے گلستاں هوئے

نگہ کی جوت بجلی کی نین سیتی نمایاں ہے
اندھاری رات میں بجلی بھی چمکے ہے خدا حافظ

باغ میں کرے نرگس عرض حال اگر اپنا
آنکھہ کی اشارت سے تب جواب دیتا ہے

کیوں نہ حاصل ہوئے خوشی جگ میں
دل ' بے جاں ' میں جان آیا ہے

حیف کہ شعر بد شگون معاً اثر کرد و ایں شجر اصلاً ثمر مراد بر نیاورد —

پروانہ شاہ " پروانہ "

تخلص - مرید و تلمیذ شاہ ' سراج ' است - فکر سخن ریختہ می کند . و تا حالت تحریر در 'احمد نگر' میگزراند —

میں روتا ہوں لب خاموش اے سبزان ہند اب لگ
جہاں برسات آیا لال کو تب ریز لازم ہے
تری سرمہ بھری آنکھوں سے' میری چشم گریاں سے
رکھے حق امن میں اِس طوطیا اور ایسے طوفاں سے

میر نوازش خان " بیید "

تخلص - ریختہ را ہموار می گوید و در اشعار فارسی عالی فکر می کند - شعرش شستہ ' و فکرش بر جستہ است - تا حالت تحریر در 'اورنگ آباد' تشریف می دارد—

دیکھی صبا نے شاید گلرو کا مسکرانا
سیکھی ہے اُن لباں سے گل رو کے' گل کھلانا

دیکھا ھے دل نے جب سے بادام اُس نین کا
ھر صبح و شام کرتا شکرانے کا دوگانا

از سر کوے تو جاناں! مجھے جانا مشکل
جاؤں تو خود سے، مگر جان پھر آنا مشکل

چڑھا کس مرتبہ پر جگ میں منصور
یہ ملک عشق کی سرداریاں ھیں

کڑکنا تم یہ بجلی کا نہ سمجھو
جنوں کے شوق کی گل کاریاں ھیں

تمامی عمر دل بیکل رہا ھے
بچارہ دوکھوں میں ھی پل رہا ھے
مرے اس داغ دل کو دیکھہ لالہ
دل اوپر داغ دے جل جل رہا ھے

میاں حکم الدین خان "پنچھی"

شاعر ریختہ گو و باشندۂ بلگرام است طبع نظم میدارد - پیشتر 'عاجز' تخلص می نمود، چون شہرۂ عارف الدین خان 'عاجز' شنید، موقوف کردہ 'پنچھی' قرار داد - الحال در حیدرآباد میگذراند - باراقم سطور ملاقات مستوفی رو نمود، خیلے محظوظ شد، و چند اوراق اشعار طبع زاد خود بہ فقیر ارزانی داشت- ایں چند بیت ازاں اوراق چیدہ نوشتہ میشود—

کفر و اسلام کی کچھہ بات نہ پوچھو همسے
بت عیار کو هم اپنا خدا کہتے هیں

در بدر نالہ و فریاد کیا ہم ہر چند
پر کنھوں نے نہیں پوچھا کہ یہ کیا کہتے ہیں

اس قدر ناداں نہیں ہوں میں کہ دل باتوں میں دوں
عمر گذری اے سجن تم ہی سے عیاروں کے بیچ

ابرو کماں چڑھاکے، کرتے ہو بات اکڑ کے
جی تو لیا ہمارا، اب کیا کروگے لڑ کے
شاید کہ آج آوے 'پنچھی' ترا تماشا
پھڑکے ہے آنکھ ہر دم دل کو لگے ہیں دھڑکے

صنم بتا تو خدائی کا تجکو کیا نہ ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

کہاں آتا ہے رحم اُس کو ستم کا جو مزا جانے
مرے کوئی جیے، صیاد ظالم کی بلا جانے
چھپی نہیں ہے حقیقت داغ دل میرے کی گلشن میں
وو لالہ جانتا ہے باغباں جانے صبا جانے
بتنگ آیا ہے ایسی قید کے جینے سے جی میرا
قفس میں کب تلک قسمت ہماری ہے خدا جانے

قیامت ہے ترا گھونگھٹ کے اوٹوں میں لٹک جانا
ملا انکھیاں سوں انکھیاں مسکرا ہنسکر مٹک جانا
نین! تم سے چلی ہے ناز کی یہ طرح دنیا میں
کہ دکھلا دور سے جھلکی نہ ملنا اور تھٹک جانا

محمد پناہ "پناہ"

تخلص - فکر شعر فارسی و ریختہ بہ تفنن می کند و گاهے از ملاقات سرور افزاے خاطر حزین می شود —

تری دو زلف سیہ کی قسم ہے اے دلبر
علاج جلد مرا کر لڑا ہے کالا ناگ

حسن کے دریا میں تیرے حلقۂ در کی قسم
ماهی دل کو مرے یہ زلف جالا ہوگیا

میر محمد میر "بندہ"

تخلص - مرد خوب است - اکثر مثنوی ها بزبان ریختہ در مدائح ارباب دول تصنیف ساختہ، با فقیر ربط اخلاص می دارد - پیشتر تخلص خود 'میر' قرار دادہ بود، گفتم کہ میر محمد تقی 'میر' و میر محمد 'میر' همنام شما در هندوستان اند، اشتراک تخلص خوب نیست، چہ جاے اشتراک نام و تخلص - آخر سخن بندہ قبول کردہ 'بندہ' تخلص خود مقرر ساخت، ازوست -

سرو شمشاد ہوگئے حیراں
جب چمن میں ترا خرام ہوا

محمد حسین "بیخود" راست

ترا کیفی ہوں صہبا کی قسم ہے
جگر پُر خوں ہے مینا کی قسم ہے

محمد "برهان" راست

چیرۂ کج کو جب بندھا' دے بل
ملک دل بیچ پڑگئی کھل بل
اپنے 'برہان' کی طرف پیارے
لطف سیں مہر سیں کرم سیں چل

"بیچارہ" راست

میر محمد تقی 'میر' می نویسد -

پی سے جدا ہونا نہ تھا' چاہا خدا کا یوں ہوا
جز صبر کچھہ چارا نہیں 'بیچارہ' ہو رہنا پڑا

میر یوسف خان "بسمل"

تخلص - ہمراہ مبارز خاں بود' یار صحبت دلاور خاں نصرت است - ودیعت حیات نمود از اولاد واقربائے او در قلعۂ فرخ نگر بہ تقریب خدمت قلعہ داری آنجا اقامت دارند فکر شعر میکرد ازوست (ہندی شعر درج نہیں ہے 'تحفۃالشعراء') —



باب الجیم

خان زادہ شیرافگن خاں- میاں "جُگّن"

مذاق سخن گوئی خوب می دارد - زاد گاهش خطهٔ هندوستان جنت نشان است - میر محمد تقی 'میر' در نکات الشعراء می نویسد—

اس دل مریض عشق کو آزار ہی بھلا
چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

میر شیر علی "جرأت"

بلبل هزار داستان سخن وری است - فتح علی خان می گوید که "'جرأت' دل بستهٔ سهی قدان و زندانیِ حسن نیکو طلعتان بود - تحصیل کتب متداوله نمود، شعر را کم می گفت و اگرمی گفت کم ترمی‌خواند' چه مطمح نظرش اکثر این بود که شعر می باید آمدنی باشد نه آوردنی - به فقیر اکثر ملاقات مي کرد" - انتهی - الحاصل خوش گوے است - و شعر خوبے دارد ، این چند ابیات فتح علی خان می طرازد —

سنگ طفلاں دیکھکر کھاتے ہمیں بولا یہ قیس
یہ دوانا کس طرح کھاتا ہے پتھر واچھرے

کیا اُس کے بیاباں کو اس ابر کی پروا ہے
گریۂ سئی مجنوں کے تر دامن صحرا ہے

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہئے
بہار آئی ہے کیونکر خانۂ زنجیر میں رہئے

دماغ گل پریشاں ان ترے نالوں سے ہوتا ہے
نہ کراتنا بھی اے بلبل تو فریاد و فغاں، چپ رہ

جعفر "زٹلی"

مردے دریدہ دھن و شوخ مزاج بودہ است، چنانچہ انداز شوخیش از کلامش ہویدا می شود - و پایۂ مزاج عالیش در اسم او پیدا می گردد - اشعارش عالم گیرو مستغنی از تحریر است ، مضامین صاف روز مرۂ او اکثر بہم میر سند - محمد اعظم شاہ بادشاہ می گفت کہ اگر ' جعفر ' را ' زٹل' نبودے، ملک الشعرا بودے - حاشا کہ طرز روز مرۂ او طرز علیحدہ می دارد وچہ جولانی می نماید خود را بجاے از اسم ' زٹلی ' یاد کردہ مي گوید —

کشتی ' جعفر زٹلی' در بھنور افتادہ است
ڈبکو ڈبکو می کند از یک توجہ پار کن

در ' زٹلی نامۂ ' خود می گوید کہ —

رہی دھاک اورنگ شاہ ولی   در اقلیم دکھن پڑی کھلبلی
دریں پیر سالي و ضعف بدن   مچا ھی دیا چوکڑی در دکھن

در حق شهر بیجاپور می فرماید —

عجب روپ این شهر بیجا پر است
که هر برج او مثل بهمنسا سر است
عجب قلعهٔ دیده شد بے لگاؤ
که انگشت را نیست بروے تکاؤ

می گویند که هر گاه ' جعفر ' را چیزے درکار میشد بنام هر امیرے که می خواست دوبیت تعریف نوشته می فرستاد۔ اگر اوعمل برآن فرموده چیزے عنایت کرد خیر ' ورنه در هجو او دفاتر سیاه می نمود - متصدیان و اهل خدمات چه بلکه ظل سبحانی از آتش زبانی او مثل بید میلرزیدند (نقلست) که روزے درخانهٔ امیرے رفت وفرد احوال خود نوشته گذرانید' او چندان ملتفت نشد' بلکه باستکراه فرد را واپس داد - جعفر آن فرد روبروے آن امیر پاره کرده بیرون آمد - حضار مجلس امیر را ازحال 'جعفر' آگاه کردند و از مزاج او اطلاع دادند- امیر رابعداصغاے این کلمات بدلے هولے پیدا شد' وجعفر راز اثناے راه طلبیداشت و معذرت نمود که هیهات قدر او نشنا ختم - ' جعفر' در جواب گفت چه مضایقه' تقصیر ملازمان سامی نیست من پیشی بدادم حضرت پس بدادند من چاک نمودم - الحا صل امیر باین کلمهٔ مزید اکتفا غنیمت پنداشته بوجه معقول رخصت نمود - نیز میگویند که ' مها سنگ' نام محررے بجهة حظ دنیوی وتحریص در کار 'جعفر' قصور کرد و خواهان تحریر خود شد ' جعفر بر پشت نوشته فرستاد —

مہا سنگ جی تم بڑے ڈھینگ ھو
کرر پنکھیا بیل کے سینگ ھو
وایں چوک جیوں غوک رکھتے رھو
ککوڑوں مکوڑوں کو چکھتے رھو
نظر مت کرو سات اور پانچ پر
مبادا کہ زور آپڑے کانچ پر

روزے شیخ محمد اشرف نام باین طریق گفته برد که؛ ع

محمد اشرف پیغمبران است

میگویند که محمد اشرف مزکور التفات نکرد و تحسین بشعر جعفر نه نمود، جعفر رنجیده این مصراع بداهةً گفت؛ ع

نه این اشرف که مردود زمان است

در حق خود می گوید و حرف حق بزبان می آرد — رباعی

جعفر زتلی از لب تو ... ت بهتر است
در آبداری سخنت موت بهتر است
در حق بندگان خدا انچه گفتهٔ
لاحول می‌کنم که زتو بهوت بهتر است

وقائع و رقعاتش مشهور آفاق است، این یک بیت بنا بر ضابطه بقلم می آید -

زرداری و یک پیسه دهی در ره مولیٰ
از حضرت حق اجر به پهسلوّه نباشد

باب الدال

محمد فقیه "درد مند"

از تلامذۀ میرزا 'مظهر' سلمه‌الله تعالی' در سخن رتبۀ بلند و پایه ارجمند میدارد- اشعار فارسیش بین‌الجمهور مشهور است- میر صاحب 'آزاد' مدظله‌الله تعالی در ترجمۀ 'درد مند' می طرازد" که مولد فقیه صاحب اودگیر از توابع محمد آباد بیدر است' در صغر سن همراه والد خود مطابق سنۀ ست و ثلثین و مائة و الف از دکن بدارالخلافۀ شاهجهان آباد رسید و در ظل عاطفت شاه ولی الله نبیرۀ شاه‌گل متخلص به"وحدت" سرهندي قدس‌الله اسرارهما جا گرفت' و به تهذیب اخلاق و تحصیل حیثیات مشغول گردید' بعد چندے والد او رخت زندگانی بربست' میرزا جان جاں 'مظهر' سلمه‌الله تعالی او را در سایۀ شفقت خود گرفت و به همین عنایت و تربیت ایشاں مجموعۀ کمالات شد و در فن سخن رتبۀ شایسته بهم رسانید- و میرزا در حق او گوید -

'مظهر' مباش غافل از احوال 'درد مند'

لعلے ست این که در گره روزگار نیست

انتهی- ساقی نامۀ او طرفه صفاے و نمکے می دارد' این چند بیت ازو در خور حوصلۀ خود انتخاب داده التقاط یافت -

ادے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
ہماری بسرنین* کی یہ فصل ہے
فراموش کرنے کی یہ فصل ہے
کہ میں جاں بلب ہوں پیالے کی طرح
لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح
ادا سے اچھکنے کی تجکو قسم
نشے سے بہکنے کی تجکو قسم
تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
تجھے اپنے سوگند کھانے کی سوں
جو تو نے کیا مے کو مجھہ پر حرام
تو اتنا کر اے ظالموں کے امام
کہ اس سرکشی سیں نہ کر پائمال
مرے خوں کو مے کی طرح کر حلال
تری جان کی سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں پیارے قیامت ہوں میں
مرا عقل میں کوئی انباز ہے
ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
نظر کو کرو تک چمن کی طرف
شگوفے کو مستی سے آیا ہے کف

---

* بسرنے

چمن میں بھرا ہے نشہ یہاں تلک
کہ نرگس کی جاتی ہے گردن ڈھلک

ہوا گرم جوشی کا از بس رواج
دل اس طرح پگھلا ہے پھولوں کا آج

کہ سکتے ہیں دھو داغ لالے تئیں
جیسے دُرد قہوے کی پیالے تئیں

عزیزاں! تغافل کا ہے کام نہیں
مگر تم کو گل سات کچھہ کام نہیں

یہ دن کچھہ غنیمت نہیں جانتے
مری عرض یارو نہیں مانتے

ارے ظالمو! مفت ہے یہ بہار
کہاں یہ نشہ پھر کہاں یہ خمار

فہِت نفس بر آب ہے یہ جہاں
تک یک آن میں ہم کہاں، تم کہاں

اسیری کے ایام کیا خوب تھے
خصوصاً مرے دل کو مرغوب تھے

مصرعۂ اجزاے این بیت خلاف روز مرۂ ہندوستان است و
از جدا خواندن این بیت درین ولا خود ثابت می شود -

ارے زاهدو منکروں کے امام
ارے آب انگور تجھہ پر حرام

کہاں جانتا ہے تو اسرار مے
نکر بیوقوفی سے انکار مے

یہ وہ آب ہے جس سے آتش ڈرے
ہزار الاماں جس سے دوزخ کرے
جو کوئی شخص پانی سے بیزار ہے
یقیں ہے کہ آگ اُس کو درکار ہے
یہ محشر کے دن تیرے شانے سے ریش
بلا ے سیہ ہو کے آوے گی پیش
جلاویں گے روز قیامت کے تئیں
یہ مسواک سے تیرے قامت کے تئیں
ستانا ترا ان سے کیا دور ہے
کہ سب طرح سے مست مغرور ہے
ارے مطرب اے دردمندوں کی جان!
کبھوں تو کہا بےنواؤں کا مان
تغافل کے ہاتھوں سے طنبور وار
گریباں کو میرے نہ کر تار تار
لگی ہے مجھے پیاس اب آگ کی
گلو گیر ہے تشنگی راگ کی
نہ چھوڑ اس طرح پیاس کے حال میں
ڈبو دے مجھے راگ کے تال میں
پڑا آج کی رات یوں اتفاق کہ سب ہوگئے جمع اہل نفاق
شب خوں کو لشکر گہ خواب پر
سبھی جا کے بیٹھے لب آب پر
مرا جی گیا ڈوب مہتاب دیکھ
جیسے مرگی والے کا جی آب دیکھ

عداوت کی کب چاند سوں تھی اُمید
و لیکن ہوا مجکو معلوم بھید
کہ واقع ہوے ہم سوں از بس گناہ
کئے نامہ کی طرح چھرے سیاہ
ہوے سب طرح مستحق عتاب
تو لازم ہوئی اب نزول عذاب
و لیکن خدا بھیجتا تھا سدا
مناسب ہر یک قوم کے یک بلا
نبی کی ہوئی بسکہ حرمت ضرور
ہوا تس کی امت پہ طوفان نور

اشعار ریختۂ او بجز این دوسہ بیت کہ در تذکرۂ فتح علي خان ثبت بود، بنظر نرسید - این است — (رباعی)

کہسار میں جا کر اہے ناحق کے تئیں
پرویز سے جا بھڑا ہے ناحق کے تئیں
کوئی ٹکڑ پہاڑ سے لیتا ہے
فرہاد کا سر پھرا ہے ناحق کے تئیں

ہے غم سے رقیبوں کے مرا دل ناشاد
اِس دھڑکے سے جاتے ہیں سبھی عیش بباد
پرویز کے شیشہ خانۂ عشرت پر
سنگ آیا، ولیک سخت آیا فرہاد

فضل علی "دانا"

ریزه چین مائدهٔ شیخ شرف‌الدین 'مضمون' است ' و طبع بلندش موزون - این ابیات از هر دو تذکره می آرد :—

نہ چاٹتے خون کو جس روز مھرے' اُس کو فاقہ ھے
رگ گردن سے میری اُس کے خنجر کو علاقہ ھے

دل میں ھر ایک کے سودا ھے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ھی ھے اے یار عزیز

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ھے میرا
یہی توحید میں مصرع سر دیوان ھے میرا

خواجہ میر "درد"

تخلص - سخن اش درد آمیز ' و شعرش شور انگیز است - میر محمد تقی ' میر ' در ' نکات‌الشعرا ' احوالش به طمطراق می نویسد - شاہ عبدالحکیم ' حاکم ' تخلص سلمه الله تعالی در تذکرهٔ ' مردم دیده ' بترجمهٔ خواجه میر ' درد ' می طرازد و عبارت سراج‌الدین علی خان 'آرزو' که در تذکرهٔ 'مجمع النفائس' تالیف خود نوشته تحریر ساخته. فقیر هم هر دو ترجمه را در این جا الحاق می نماید - خان ' آرزو ' گوید که " خواجه میر ' درد ' تخلص پسر جناب عرفان مآب خواجه محمد ' ناصر ' است - سلسله ر به سلسلهٔ آبای او بلا شبهه بحضرت خواجه بهاءالدین نقشبند قدس سره ' میرسد - از بزرگی و کمال او چه توان نوشت ' علی الخصوص والد بزرگوار او خواجه محمد ' ناصر ' که امروز شمس فلک هدایت است - الغرض خواجه میر ' درد ' جوانی است خیلی

صاحب فہم وذکا ' با شعر ربط بسیار دارد ' سیّما
از ریختہ کہ الحال در ہندوستان رواج دارد - فارسی ہم خوب می
گوید ' چہ بسیار بمذاق آشنا است ' بالقوہ اش انچہ در یافتہ
می شود اگر بفعل آید ' انشاء اللہ تعالی از جملۂ آنہا می شود کہ
در فن تصوف نامند بزبان فارسی - رباعی اکثر می گوید و خوب می
گوید - و باین عاجز ربط خاص دارد و خیلے شفقت براحوال این عاجز
می نماید " - انتہی کلامہ - شاہ عبدالحکم ' حاکم ' می گوید کہ
" این 'عزیز بزرگ عالی دودمان را فقیر مکرر بخانۂ خان 'آرزو '
روز مراختہ یعنے صحبت ریختہ گویان ہندی کہ در پانزدہم
ہر ماہی مقرر بود ' دیدہ ام - بسیار خلیق و متواضع ' صاحب
معنی بہ نظر درآمد ' و بروزن مثنوی رباعیہاے موحدانہ خوب
خوب می گوید ' واشعار فارسیش کہ خان ' آرزو ' نوشتہ خالی از تلاش
معانی نیست " - بطرف میر صاحب 'آزاد ' سلمہ اللہ تعالی شنیدہ کہ
'میر 'درد ' سال گزشتہ درہرماہوار* رسیدہ بارادۂ (شعائر حج) برخواست
'لاکن فقیر آن بزرگ را در جہاز و ہم در کعبہ شریف ندید '
شاید برسال آیندہ موقوف داشتہ باشد ؛ ہر جا کہ باشد سلامت
باشد " - انتہی - خدا کند کہ خواجہ میر 'درد ' راگذر برین شہر
افتد ' و ازین احقر ملاقات رو دہد کہ ملاقات مثل این کسان
از جملۂ عبادات است - الحاصل خواجہ میر ' درد ' صاحب تلاش
مضامین رنگین است ' این چند اشعار آبدار کہ در ہر دو
تذکرہ تحریر اند ' دل نظارگیان را دردے می بخشند —

---

* غالباً صحیح "در برہان پور" ہوگا —

مژگاں تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

شعرائے خجستہ بنیاد این مصراع آخری را مسخ نمودہ چنین قرار دادہ اند (ع):

القصہ ہوں سو ہوں غرض الفت رسیدہ ہوں

و بعضے موروثان* آن تمام مصرع را بحال داشتہ بجاے 'آفت' 'الفت' اصلاح دادہ اند —

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے 'درد' کیا ہے کعبہ
جیدھر پھریں وو ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تونیں آنکھ بھر دیکھا
نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

---

* مراسی

دیکھئے غم سے اب کے جیو مرا
نہ بچے گا، بچے گا کیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
قتل میرے سے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اے 'درد' قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا
بجھے شعلے بھی کتنے، کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا
شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
دیا ہم کو فلک نے* کام جو کچھ تھا شتابی کا
زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی 'درد'، کچھ تونیں
ملایا مثل مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اُس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اُس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا

---

* (ن) فلک نے ہم کو سونپا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب، ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا، شیر تھا
شیخ کعبہ ہوکے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
'درد' منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو یک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہوکے اے 'درد' مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی، جو مجھ سے ہو سکا
جیوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو 'درد' داغ دل اپنا نہ دھو سکا

انداز وو ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا
دل! اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا
ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں
لیکن عجب مزہ ہے فقط جی کی چاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھہ نہیں
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں میں اُس کے تئیں دیکھوں
ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں
ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں
یہ چاہتی ہے اب طپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں
اے 'درد' جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں خوں ہوگا
پر ان دونوں کے اُلجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

نے خانۂ خدا ہے، نہ ہے یہ بتاں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور مجھہ سے 'درد' خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

هم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینے کے سامنے ہم آ کے ہو کریں
تر دامنی پہ شیخ ! ہماری نجا، ابھی
دامن نچوڑئیے تو فرشتے وضو کریں
ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے 'درد' آ کے بیعت دست سبو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں
مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کئے
جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں
پھر تم تو ہو بنا کے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں
دل تھا تو سو وو بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب
بہتا پھرے ہے خوں میں کہیں کا جگر کہیں
پوچھا میں 'درد' سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خان ماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں
کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

"درویش هر کجا که شب آمد سراے اوست"

تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

مست، ہوں پیر مغاں کیا مجھکو فرماتا ہے تو

پاے بوس خم کروں ' یا دست بوسی سبو

ٹال دینا اُس کو نت ہر طرح جیوں قبلہ‌نما

پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اُسی کے روبرو

اپنے بندوں پہ جو کچھہ چاہو سو بیداد کرو

یہ نہ آ جاے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

ربط ہے ناز بتاں کو تو مری جان کے ساتھہ

جی ہے وابستہ مرا اُن کی ہر ایک آن کے ساتھہ

اپنے ہاتھوں ہی سے میں زور کا دیوانہ ہوں

رات دن کُشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھہ

گر مسیحا نفسی ہے یہی مطرب تو خیر

جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر ایک تان کے ساتھہ

جی کی جی میں رہی کچھہ بات نہ ہونے پائی

ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید و وادید تو ہوئی دور سے میری اُس کی

پر جو میں چاہوں تھا وو بات نہ ہونے پائی

اُٹھہ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب

ہم سے کچھہ خوب مدارات نہ ہونے پائی

جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمت گاری

سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
دین و دنیا میں توہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
ہر شجر ہے سو نخل ماتم ہے
'درد' کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وو ہی رونا ہے نت' وہی غم ہے

یارب سپہر اتنی تو اب در گزر کرے
کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے' اگر آرزو ہے
غنیمت ہے یہ دید و وادید یاراں
جہاں آنکھ مندگئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

روندے ہے نقش پاکی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے' باغباں مجھے
پتھر تلے کا ہات ہے غفلت کے ہات دل
سنگ گراں ہوئی ہے یہ خواب گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہردم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر مرے عیاں ہے
آہوں کی کش مکش میں کبھی دیکھیو نہ توڑے
تارنفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے
یہ راہ خاکساری سر سیں میں قطع کی ہے
نقش جبیں ہے میرا ، ہر نقش پا جہاں ہے
مت موت کی تمنا اے ' درد ' ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو سہی ' تو تو ابھی جواں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جیوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

' درد ' اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اُس بت کافر کے ہات میں
اب میرے حق میں دیکھئے اللہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے
گذرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ وہ بھی
شیشے کی طرح دل کے نگہ پار نہ ہووے
دل ویسے ستم گار سے اظہار محبت !
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دل! ویسے ستم گار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھہ لوں گا میں اُسے دیکھئے مرتے مرتے
یا نکل جاے گا جی نالے ہی کرتے کرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی
خالی ہوئی جاے ہے پیمانہ ہی بھرتے بھرتے
'درد' جیوں نقش قدم تھا سر رہ پر اس کی
مت گیا اوروں کے ہی پاؤں کے دھرتے دھرتے

وحدت میں ہر طرف ترے جلوے دکھادیے
پردے تعیّنات کے جو تھے اُٹھا دیے
یارب تھے کیا خرام وہ، جن نے ایک آن میں
کتنے ہی مُردے حشر سے آگے جلا دیے
سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے 'درد' کچھہ بہا دیے اور کچھہ جلادیے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فلک پر کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے وہاں جا، پر کسو دل میں اثر کرنا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھہ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
رات محفل میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے مونہہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

محتسب! سنگ جفا سے ترے میخانے میں
کون سا دل تھا کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہیں آدم کے
وہاں تو پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

یار نے 'درد' سے ملنے کا برا کیوں مانا
اُس کو کچھہ اور بجز دید کے منظور نہ تھا

اے نور نظر ترا تصور　　تھا پیش قدم جدھر گئے ہم

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز　　اُس کے تیشے کی یہاں زبان ہے تیز
ساقی! اب سب پکارتے ہیں گے　　تیرے ہاتھوں ستی بریز بریز

ہے غلط گر گمان میں کچھہ ہے　　تجھہ سوا بھی جہان میں کچھہ ہے
دل تو تیرا بھی رنگ سیکھا ہے　　آن میں کچھہ ہے، آن میں کچھہ ہے

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

'درد'، اس جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھہ
پھر دیکھنے کا نہیں تو اس عالم کو خواب میں

کوئی دم جو چپ رہا تھا، میں جانا کہ مرگیا
اے وائے 'درد' تو نے پھر اب نالہ سر کیا

ساقی! ہوائے ابر میں رو رو کے تجھہ بغیر
ایسا ہوا کبھی نہ کہ دامن نتھر گیا

کرم اللہ خان ''درد''

بلبلے است ہزار داستان، و طوطیے ست رطب البیان۔ ہمشیر زادۂ امیر خان 'انجام' می شود، این اشعار از ہر دو

تذکرہ می نویسد :—

مرے سینے میں ہر یک سانس ہو کر پھانس کسکی ہے
خلش دل کا نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

عشق کی آگ لگی ہے مرے اب جان کے بیچ
شمع سا جل کے بجھوں گا ابھی ایک آن کے بیچ
میں دِوانا ہوں ترا، مجھ کو نہ مار اے ظالم
قتل مجنوں کا پڑھا ہے، کہوں قرآن کے بیچ
عقل اور ہوش گیا دیکھ کے غمزے کی فوج
ایک دل آڑ کے رہا عشق کے میدان کے بیچ
یے وو آنکھیں ہیں جو دریا ستی لیتی تھیں خراج
اب تو نم بھی نہیں اِن دیدۂ گریان کے بیچ
سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سناں پر صف مژگان کے بیچ
زخم دل ہونے دے ناسور، نہ کر اُس کا علاج
'درد'، میں جو کہ مزا ہے نہیں درمان کے بیچ

میرزا داؤد "داؤد"

تخلص - شاعریست ادا بند و موجد خیالات ارجمند - شکر بیانی از سخنش پیدا، و خوش الحانی از نامش هویدا است - در ریختہ اکثر تتبع 'ولی' می نماید و می گوید :-

سند یو بس ہے تجھے مصرعِ 'ولی' 'داؤد'
کہ تجھ کو شور قیامت سے ہے نیاز کیا

و نیز جاے می نویسد :-

کہتے ہیں سب اہل سخن اس شعر کو سن کر
تجھہ طبع میں 'داؤد' 'ولی' کا اثر آیا

بزبانی مرزا جمال الله "عشق" تخلص، که حلف الصدق او می شود، معلوم شد که 'میرزاداود' در سنة سبع و خمسین و مائةوالف وفات یافت - راقم سطور می گوید 'تاریخ' :—

باہل گلزار معنی طوطی رنگین بیان
از غم آباد جہان بگذشت چون تیر از کمان
مصرع تاریخ فوتش گفت از من ها تفے
که "برفته میرزا 'داؤد' از فانی جہان"

دیوانش قریب پانصد بیت بنظر در آمد - این چند ابیات از و انتخاب یافت : —

عزیزاں ! خواب میں دیکھاهوں آج اُس سروقامت کو
هوا معلوم وقت آیا هے میری سر فرازی کا

مسند هے اهل دل کو بساط زمیں کا فرش
هے بے ریا کو بوئے ریا نقش بور یا

مجھے طومار لکھنا هے وو زلف عنبریں مو کا
قلم کیوں نا کروں اے باغباں اب شاخ شبو کا

قانون شفا نطق میں هے یار کے موجود
اے دل نه هو محتاج طبیباں کی دوا کا

ہوا ہے ابر گریاں دیکھہ میری چشم گریاں کو
پڑا ہے شور دریا میں مرے اس اشک جاری کا

لالہ رو کو دیکھہ کر لالہ کا پھول   داغ دل لے ھات دکھلا نے لگا
عاقبت اُس سنگ دل کے جورسوں   دل کا میذا ... کٹہ ہ .... لگا
ھجر میں ابرو کے ابر چشم آج   اشک کا برسات برسانے لگا
تجھہ ابروے کج راہ کے پیچ میں   .... آج بل کھانے لگا

مجھہ بزم میں رقیب! عبث سرکشی نہ کر
شعلہ برا ہے شمع پہ مجھہ سوز آہ کا

جس بوستاں میں وو گل رخسار ہوئے گا
بلبل بہار گل ستی بیزار ہوئے گا

سرمہ لگا نین میں کہتا ہے یوں وو دلبر
عشاق بے خطا پر اب زور وار ہو گا (؟)

بجا ہے محتسب کے سر اُپر آج   مجھے اب پھوڑنا بھرمے کا مٹکا

اس صنم کے خیال ابرو نے   نا تواں مجکو جیوں ھلال کیا

یہ جام چشم مست جسے تم دکھاؤ گے
تا حشر اُس کو ہوش سے اس کے بھلاؤ گے
دانہ دکھا کے خال کا جس کو دئے ہوچات
آخر کو دام زلف میں اُس کو پھنساؤ گے

خط سبز رنگ نہیں رخ پہ صنم کے آغاز
مور نے ملک سلیمان کو تسخیر کیا

دیکھہ تجھہ جام چشم کا ایک دور
دل کے تئیں نشۂ شراب ہوا

لکھتا هوں جب سے تجھہ لب شیریں کے وصف کوں
مجھہ هات میں تدهان سیں قلم نیشکر هوا
آیا هے بر میں جب ستیں وو صندلی قبا
' داود ' تب سوں رفع مرا درد سر هوا

نیں سیتلا کے داغ ترے مکھہ پر اے صنم
آئینہ تجھہ جمال کا جوهر نما هوا

دیکھہ کر خط سبز کو تیرے
تھا شرابی سو سبزہ نوش هوا

کاش هم بھر خوں میں هوتے غرق
جب حسن علی شهید هوا

جب سوں کیا لباس وو گل پیرهن هرا
یکبار گی دکھا کے چھب عاشق کا من هرا

آتش عشق سوں ترے جل جل
دل هوا دل هوا کباب کباب

رنگ کاغذ هوا هے فاختئی
جب لکھوں سرو قد کے تئیں مکتوب

دیکھہ تیرے لبوں کا رنگ مسی
چشمۂ خضر پر پڑا ظلمات
دل پر خوں مرا بر نگ حنا
لے گیا گلبدن نے هاتھوں هات
دست رنگیں کو دیکھہ کر تیرے
رنگ مہندی چھپا هے باتوں بات

بر جا هے برگ گل سوں کفن اُس کو هو نصیب
جو کوئی هوا شهید وہ گلگوں (قبا او) پر
کہتے هیں عاشقاں تو مرا حال دیکھہ کر
شاید ....
....

کیونکہ سیر چاندنی کرنے کو نکلے وو صنم

دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

مجھہ بر سوں بوے سے اگر آوے عجب نہیں

اُس چشم پُر خمار کو دیکھا ہوں خواب میں

لے گیا دل کو دلربائی سوں میرزائی نے میرزائی سوں

کیوں نگہ کا قدم رہے بر جا مکھہ پہ تیرے صنم صفائی سوں

کرو مت وعدۂ کل، جان من! عشاق بیکل سیں

جو آپی کل سوں بیکل ہے اُسے کیا کام ہے کل سیں

مرا احوال چشم یار سے پوچھہ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھہ

مرے حال پریشاں کی حقیقت صنم کے زلف کے ہر تار سے پوچھہ

مری ہر یک صداے آہ کا پیچ سجن کے چیرۂ بلدار سے پوچھہ

تیمم اُس کا اوروں کے وضو کرنے سے افضل ہے

کیا ہے جس نے حاصل خاکساری کی عبادت کو

محمد مصطفیٰ کی یاد سیتی مرا دل قلعۂ احمد نگر ہے

روز دیتا ہے تاؤ سونے کو شوخ زرگر پسر میں کیا فن ہے

ہوا ہوں چار چشم اب عاشقی میں مجھے اُس چار ابرو کی قسم ہے

اے زاہداں! اُٹھاؤ جبیں کو زمین سے

جو سر نوشت ہے اُسے کاں لگ مٹاؤ گے

گل بدن، ہنستا ہے مجھہ رونے کو دیکھہ خندۂ گل گریۂ شبنم ہوا

آباد کیوں نہ یاد علی میں رہوں مدام

روز ازل سیں دل ہے مرا مرتضیٰ نگر

شاہ خیبر کشا کی یاد ستی دل مرا کرم سنئیں (؟) ہوا یارو

یاد کرنے سے گلرخاں کے سدا　　گلشن آباد دل ہوا میرا

اُسی کے نام سے　......................

عجب طرح سے چڑھے جیوں کمان ملتانی

ہے شراب و کباب و فصل بہار　　کوئی اس وقت میں پیا لا دو

زرگرا اب مجھ سے زرگری مت کر　　بھاؤ بتلا شتاب سونے کا

این بیت میرتقی 'میر' و 'فتح علی خان' بملاحظہ میکرد :-

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے　　لوگ کہتے ہیں تجکو سودا ہے

میر دولت علی' "دولت"

تخلص - ذہن رسا و فکر آسمان پیما می دارد - مظہر علی شاہ خطاب' بخشیدۂ مرشد اوست. نہال ہستیش در چمنستان 'آسیر' زیب طراوت پذیرفتہ' درین ولا بمقتضاے آب و خورد وارد این شہر گردیدہ بود' فقیر دولت خدا داد را غنمیت پنداشتہ' بملاقات فائز شدہ' ربط تمام پیدا کرد- و 'دولت' ہم چند مرتبہ غریب خانہ را دولت خانۂ خود دانستہ از راہ بندہ نوازی تشریف ارزانی فرمود' و اکثر ریختہاے فقیر را تتبع نمود - چنانچہ جائے می گوید :-

نقش ہے دل پہ مرے مصرع 'صاحب' 'دولت'

کیا ہوا بات ہماری جو نہ مانے بہزار

وقتیکہ از فقیر رخصت شدہ' عازم بطرف 'برہان پور' شد' این مصرع بدا ہۃً گفت :- (مصراع)

"دولت کو دل سے اپنے 'صاحب' نہ بھول جانا"

حق سبحانہ صحیح و سلامت ایشان را بمکان خود رسانیدہ

باز ملاقات بخوشی و بفرحت کناں - این چند اشعار آبدار از نتائج افکار اوست :—

ہر آن گریہ کرنا، ہر دم میں آہ بھرنا
گر صبح ہے تو یہ ہے، اور شام ہے تو یہ ہے
سب بلبلوں سے اول ہم کو تو ذبح کرنا
صیاد سے ہمارا پیغام ہے تو یہ ہے

یارو قسم ہے تم کو کہیں جست وجو کرو
قاتل مرے کو مجھہ سے ذرا رو برو کرو
چاہو نماز حضرت گُل کی کرو ادا
اے بلبلو! تم اشک سے اول وضو کرو
اُس چشم مے پرست کا مارا گیا ہے جو
لازم ہے اس کی خاک سے خم یا سبو کرو
ہم کو ہمارے یار کے جلوے سے کام ہے
اے زاہدو بہشت کی تم آرزو کرو

لب و رخسار اور قد و قامت   دیکھہ سب غنچے مسکراتے ہیں

مجلس میں نہ جا پیارے! تجھہ رخ کی تجلّی سے
ہوئیں گی شمع پانی، جل جاے گا پروانہ
اسلام سے نہیں مقصد اور کفر سے نہیں مطلب
منظور مرے دل کو ہے جلوۂ جانانہ

سوتا تھا مست ناز اُسے کوئی جگا دیا
کیا عالم بہار خدا نے دکھا دیا

خوف ہے مجکو مبادا کہ دوانی ہوئے
صورت اُس کی نہ زلیخا کو دکھادا بہزاد
جاے نامے کے میں اُس یار کے تئیں بھیجوں گا
کھینچ تصویر کو 'دولت' کی لے آقا بہزاد

اس غم کی کس مکش میں روتےہی عمر گذری
کیا یاد میں کروں گا خوبی سے اس جہاں کو

لاله فہال کرن "داغ"

تخلص - ریختہ را ہموار می گوید و مضامین تازہ بقید نظم می آرد - محرر این کلمات بواسطۂ 'میر ایوب' کہ احوالش مفصلاً تحریر یافتہ، بملاقات او پیوست ' صحبت خوب بر آمد - رنگین مزاج و کنایہ فہم بنظر رسید - گاہ گاہ بغریب خانہ می‌آمد واشعار خود می خواند - حق سبحانہ سلامت دارد - قبل از ین' رفعت' تخلص خود می نمود ' چون مخلص والا گو(ہر) 'لاله' است؛گفتم بجہت 'لاله' تخلص 'رفعت' مطبوع نمی دانم؛ اگر 'مشفق' یا 'داغ' تخلص قرار دہند اولی است - زیرا کہ تخلص 'مشفق' بتخلص احقر کہ ' صاحب' است و لاله می پیوندد و تخلص 'داغ' ہم بجہة لاله مناسب بنظر می آید - از انجا کہ درین زمان لفظ مشفق اصطلاحے در رندان پیدا گشتہ، قبول نکرد و تخلص 'داغ' با شارۂ فقیر بر گزید —

لاله را نازم کہ او با داغ مے روید زخاک
خاک بادا بر سر عشقے کہ مادر زاد نیست

نازک خیالان سخن را از رنگین بیانی خود داغ بدل می دهد:-

دوڑتے دوڑتے تجھہ رہ میں مرے متوالے!
دانۂ تاک سے پاؤں میں پڑے ہیں چھالے
انتظاری سے تری اے گل پر کیفیت
دیدۂ نرگس فتان میں بھرے ہیں جالے

اگر بجاے 'پرکیفیت' 'نسرین رخسار' می گفت خوب است۔

ہات مت ڈال میاں بالوں میں اپنے سر کے
ناگ بیٹھے ہیں پٹاری میں زہر کے پیالے
دیکھہ کر داغ سیہ دست حنائی میں سجن!
لالہ رویوں کے جہاں بیچ ہوے دل کالے

دل آج درد سر سے پژمردہ جیوں کلی ہے
شاید سجن کے سر پر دستار صندلی ہے

پیش مصراع چنین بخاطر میرسد: (ع)—

دل کو یہ درد سر سے جیوں یار بیکلی ہے



باب الہا

ہدایت اللہ " ہدایت "

از شاہجہان آباد است ، مذاق سخن گوئی درست می دارد و مشق سخن از 'خواجہ میر درد' می کند - این اشعار درہر دو تذکرہ مندرج اند :—

بھلا بتا تو مری جان! کچھ 'ہدایت' نے
تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
اچھا اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

———

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

———

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

———

یاد آتے ہی زلف کی، ہے قہر
پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر

———

تجھ بن اے خونخوار یہاں ہردم شمشیر ہے
سانس جب پلٹتے ہے گویا بازگشتی تیر ہے

———

شہید تیغ ابرو ہے، اسیر دام گیسو ہے
'ہدایت' بھی تو کوئی زور ہی شہدا شکستہ ہے

عبدالہادی "ہادی"

تخلص - از تلامذۂ شاہ 'سامی' است ' قدرت سخن گفتن نمی دارد،' و شاید شاہ 'سامی' ریختہہا بنامش گفتہ می دہد' زیرا کہ چون بحسب تقدیر ملاقات او از فقیر بہ‌حیدرآباد اتفاق افتاد ' صحبت باو خانگی دست داد - کمال او ہمہ معاینہ شد' زیرا کہ محک زرانسان کثرت ملاقات است- بارہا ریختہ طرح گر دم' مصرعے ازو سر نزد - الحاصل بافقیر ارتباط گرم میداشت - قبل ازین او را چندے جمال فاخر ہم می بود' چنانچہ اکثر یاران صورت پرست دل را بزنجیر زلفش بستہ بودند- ترجمۂ اوکہ درین جریدہ بتحریر آمد ' محض بپاس خاطر عاطر حاجی میر علی اکبر رمال ' ورنہ فقیر دماغ تحریر نمی داشت - دیوان او قریب پانصد بیت بنظر در آمد' این چند اشعار حوالۂ قلم شد' در مدح شاہ 'سامی' می گوید : —

مجھے ہے ورد زباں بسکہ نام 'سامی' کا
رہوں میں کیوں نہ ثناخواں مدام 'سامی' کا

مسیح وقت اگر میں کہوں تو ہے برجا
جو روح بخش سخن ہے کلام 'سامی' کا

مرے سے کے کیا بے زباں کو اہل سخن
نہیں یہ کام کسی کا' ہے کام 'سامی' کا

شرف ہے مجھکو جہاں کے سخن وروں پہ تمام
ہوا ہوں جب سے میں 'ہادی' غلام سامی کا

در حق حاجی میر علی اکبر می گوید :—

جگ میں ہے دلچسپ ازبس حاجی اکبر کا سخن
سن کے اُس سے شعر، ہیں گلشن میں سب بلبل خموش
نقد دل لیتا ہے میرا ایک میٹھی بات سے
یہ دہن تیرا اے ظالم کیوں نہ ہو حلوا فروش
کیوں نہ ہو آنکھوں کو تیری میرے دل سے دوستی
دل مرا ہے شیشہ گر، انکھیاں تری ہیں بادہ نوش

این اشعار از دیوان اوست :—

یقیں سیں تم بتادوں جی کو ہرگز بوجھتا نہیں ہوں
حبیب اپنا، شفیق اپنا، نگار دلربا اپنا
جہاں فانی مطلق ہے، عبث دل بستگی اس میں
نہ یہ اپنا، نہ وہ اپنا، رہے آخر خدا اپنا

یار تجھہ پر مہرباں ہووے گا مت ہو بے قرار
'ہادی' کامل سے مجھکو یہ بشارا ہو گیا

دلدار پر مرے ہے عجب کچھہ بہار آج
ہے آفتاب حشر مگر آشکار آج

غم کی آتش بیچ جل گئی یہ ہمارے دل کے، دیکھہ
ہات جل جاویگا، ڈرتا رہ انگاروں کو نہ چھیڑ
سن یہ قاتل ! 'ہادی' کامل کی یہ گفتار ہے
ایک کا مائل ہو بلبل، گل ہزاروں کو نہ چھیڑ

ہے سرنگوں چمن میں اور زرد رنگ غم سے
نرگس کو جب سے تم نے آنکھیاں بتائیاں ہیں

ہمارے عشق کی بے تابیاں توں   کہیں عاشق ہوا ہوئے تو سمجھے

غلام امام الدین علی "ہوش"

'تخلص' - ولد خواجہ غلام مصطفیٰ' ابن خواجہ رحمت اللہ' ابن خواجہ کمال - صاحب ذہن وقاد (و مالک طبع) نقاد است۔ بمغز سخن چنان می رسد کہ می شاید' و گرہ مضامین ... می کشاید معنی یا بیست بالاتفاق و سخن سنجے است سراپا اشفاق - سخن پاکیزۂ اُو کار سحر می نماید' و معنی بر جستہ اش ہوش سامعان می رباید - حضرت خواجہ کمال جد کلان مشارالیہ صاحب تصرفات فراوان بودہ' و اکثر رؤساء دکن جبین نیاز بر سدۂ مبارک آن عالی شان می سودہ - مولد 'ہوش' گُل زمین احمد نگر است وطبع نکتہ رس او معنی پرور - با راقم سطور محبت دلی می دارد و اکثر اوقات بغریب خانہ تشریف می آرد - این چند اشعار آبدار نتائج افکار سحر کار اوست :—

رکھو دل مست یاد نرگس ساقی' مدام اپنا
اے بد مستو! کرو لبریز تم اس مے سے جام اپنا
نپایا دل کی وحشت نے جہاں میں کہیں مکاں اپنا
رم آہو کے سایے میں ہے باندھا ہے آشیاں اپنا
اے دل جاکہہ یہ پیچ و تاب کا ان خوش دماغوں کو
لکھو موج نسیم نکہت گل پر بیان اپنا

منتشر نہیں زلف پُر چیں چہرۂ دلدار پر
زنگ کے لشکر نے دیکھو روم پر شبخوں کیا

جوش سودا دیکھہ مجھہ میں نازنیں فصاد نے
نشتر مژگاں سے جاری نبض دل کا خوں کیا

شربتی کاغذ پہ وصف داغ چیچک جب لکھوں
تب بنے ہر حرف میرا تخم ریحاں کی مثال

شعلہ رو کے خال مشکیں کے سوا ہم آج تک
آگ پر ٹھہرا ہوا اسپند کہیں دیکھا نہیں

یک گھڑی کہیں بیٹھہ کر روئے تھے چشم تر سے ہم
خلق میں مشہور ہے جو نوح کا طوفاں ہوا

پری رویوں نے نازک دل ہمارے حیف توڑے ہیں
یہ شیشے قیمتی سنگیں دلوں نے مفت پھوڑے ہیں

ہوی ہے گردش چشم صنم سے بسکہ آزادی
لحاف پانچ تہ عیسی تپ و لرزہ میں اوڑے ہیں

تمامی رنگ و بو اُٹھہ اُس کے استقبال کو دوڑیں
چمن میں گر وہ باغ دلبری کا نونہال آوے

کفر و دیں سے مختلط نہیں نسبت پیوند عشق
سبحۂ و زنار کے رشتوں میں نہیں تار جنوں

ہوں خیال کاکل جادو کا میں سودا زدہ
موج زن ہے موبمو میرے سے آثار جنوں

رہ پڑے، جل جائیگا دیوانہ ہو ناحق ہما!
شعلہ زن ہے استخواں میرے ستی نار جنوں

گر مروں، گاروم آھو کے سایے میں مجھے
وحشت چشم پریرو سے ہوں بیمار جنوں

اُس آہن دل کوں مقناطیس میری خاکساری ہوی
دیا ہے کھربا کو کھینچ کاہ نا تواں میرا
جاہیں گے پر ترے شعلے کے بھڑ کے سے، ہما ڈر یو
بھرا ہے عشق کی آتش سے ہر ہر استخواں میرا

اگر نام ختن لاوے زباں اوپر وو شیریں لب
خطا نہیں نافۂ آہوے چیں سے انگبیں ٹپکے

روؤں جب یاد کر اُس شوخ کے دریا بہانے کو
بنے تب آنکھہ میری آنسوؤں سے کان گوہر کی

ترے کوچے میں دل تن سے نکل یوں شاد ہوتا ہے
کہ فصل گل میں جیوں مرغ قفس آزاد ہوتا ہے
ملا تھا اُس حنائی پاؤں پر یک روز آنکھوں کو
چمن ہر اشک رنگیں سے مرے ایجاد ہوتا ہے
نپٹ ہے جوش خون گرم سودا نبض میں میرے
بشکل مومیائی نشتر فصاد ہوتا ہے

وو قاتل ہم سیہ روزوں کے مشہد سے اگر گذرے
ہماری خاک سے جیوں شام رنگ خون پیدا ہو

گرہ دل میں ہوا ہے عشق کس کی دلربائی کا
کہ ٹپکے جاے آنسو گوہر یک دانہ مژگاں سے

پھروں گر شعلہ رو کو یاد کر گلشن میں آہ سرد
تپ و لرزہ گلوں کے تن میں رنگ و بو سے پیدا ہو

پھر نظر خورشید نے دیکھا ہے مہ کی چشم مست
لعل احمر سے شراب تاک کھینچا چاہئے

دیکھ چشم مست ساقی، خواب میں بیخود ہوا
میری آنکھوں سے شراب ناب کھینچا چاہئے

"ہاشم دکھنی"

طوطی شکر مقال دکن است، چون مقرر است که در عربستان مرد عاشق زن است، اکثر اشعار در زبان مرد نسبت زن موزون می کند، مثل لیلیٰ و سلمیٰ و سعاد- و در ایران و توران عاشق مرد مرد است، چنانچه از اشعار ایشان معلوم می شود و قصۂ 'ایاز' و 'محمود' دال است برین معنی- و در هندوستان زن عاشق مرد است، چنانچه این رمز از خواندن اشعار هندی یعنی کبت و دوهرا و دیگر تصانیف هندی واضح می گردد و طرفه‌تر آنکه در کلام مجید قصۂ عاشقی زن بر مرد واقع شده، یعنی قصۂ یوسف علیه السلام - امیر خسرو می گوید :-

خسروا در عشق بازی کم ز هندو زن مباش
کز برای مرده می سوزند جان خویش را

و همین مضمون را در دوها می بندد:—

خسرو ایسی پیت کر جیسے هندو جوے
پوت پرائے کارنے جل جل کوئلا ہوے

لهذا 'هاشم' در اشعار خود بموجب ضابطۂ هندی اظهار عشق از طرف زن می نماید - ازوست :-

رضا گر مجھہ کو دیتے ھیں کروں گی گھر میں جا دارو
اگر مجھہ ھووے گی فرصت، صبح پھر آؤں گی، چھوڑو

اگر کوئی آ کے دیکھے گا، تو دل میں کیا کہے گا جی
مجھے بد نام کی کرتے، کہیں نہیں جاؤں گی، چھوڑو

"ھاتفی"

میر محمد تقی میر می نویسد :—

تیری انکھاں اور زلف سے کافر ھوا سارا جہاں
اسلام اور تقویٰ کہاں، زھد اور مسلمانی کدھر



باب الواو

محمد ولی ''ولی''

تخلص - شاعر والا اقتدار و سخن سنج شیرین گفتار است۔
رتبۂ سخن ریختہ در زمانش باوج کمال رسیده، و بازار این
زبان آمیختہ در دور او گرم گردیده - اگرچه در ازمنۂ ماضیه
موزونان این جا شعر را بزبان ریختہ گفتہ اند، اما صاحب
دیوانے باین متانت و فصاحت از کتم عدم سر نکشید - و شعراے
سلف چند، طوطی شکر مقال بوستان سخندانی اند، لیکن چنین
بلبل هزار داستان بگوش نه رسید - آرے والی ولایت نازک
خیالی، و شهنشاه قلمرو خوش مقالی است - چنانچه می گوید :-

اس شعر کی یو طرح نکالا ھے جب 'ولی'
یوں اختراع دیکھ رھے دل میں سب عجب

و نیز می گوید :-

دکھنی زبان میں شعر سب لوگاں کہیں ھیں اے 'ولی'
لیکن نہیں بولا ھے کوئی ایک شعر خوش تر زیں نمط

مولد او خاک پاک 'اورنگ آباد' ست، چون اکثر بگجرات در
درگاه حضرت شاه وجیه‌الدین قدس سره کسب علم کرده و در
نیلی گنبد متصل گد مدفون گشته مردمان نسبت (او بگجرات)
کرده غلط محض - قصیدۂ سیزده اشعار که در اشتیاق گجرات
گفته، بدیوان او در نظر رسید، مطلعش این ست :-

گجرات کے فراق سے ہے خار خار دل
بیتاب ہے سینے منیں آتش بہار دل

مردمان نقل می کنند که در سورت آمده بود، و چندے رحل اقامت افگنده، احرام بیت الله بر بست وزیارت حرمین شریفین نمود۔ مثنوی او در تعریف بندر مبارک سورت قریب یک صد بیت بملاحظه افتاده در انجا می گوید:—

بھری ہے سیرت و صورت سے 'سورت' ہر اک صورت ہے وہاں انمول مورت
ختم ہے امردان پر رو صفائی ولے ہے بیشتر حسن نسائی
سبھا اندر کی ہے ہریک قدم میں چھپا اندر سبھا کو لے عدم میں

شخصے معتبر با فقیر نقل میکرد که روزے یکے از شعراے دکن که صیت سخنش در اطرات عالم بالا بلند است، بر کنار آبے نشسته باده پیمائی می نمود۔ و دیگر ارکان مجلس هم بقدر مرتبهٔ خود داشت۔ درشب مهتاب مائل تماشا بردند، خصوصاً فقیر در گوشهٔ تنها استاده نظاره میکرد که ناگاه شاعر سر خیل در حالت سکر باده پیمائی آغاز نهاد و کلمات پوچ از زبانش سر زدن گرفت تابایں حد رسید که، ولی، چه طفل بود و چه یاوه گوئی نموده که مردمان بدو تحسین میکنند۔ من چنین معانی نازک و الفاظ دلچسپ در شعر خود درج کرده ام، اما قدردان کو۔ اگر دریں زمان 'ولی' می بود از طپانچه رخسارش سیاه میکردم، تادعوی رنگین بیانی نکند۔ هاں بیارید دیوانش را تا از آب فرو شویم۔ چنانچه خادم او بموجب امر دیوان 'ولی' را بیاورد و او تمام ورق ورق را در آب شنا نمود۔ قصه کوتاه چون صبح شد، وآن خمار نشه از سربرون رفت، دیوان راطلبید که دیوانے تصنیف خود

که با خط خوب وجدول طلائی تحریر کنانیده بود، بشب از غلطی بشوئیدن آمد و دیوان ' ولی ' همچنان محفوط ماند - لاچار از وقوع این امر عرق خجلت بر آمد و سخن را بلب آشنا ننمود و به تنهائی سر الحاح بدرگاه کریم کارساز که شکنندهٔ غرور هر متنفسے است ' فرود در آمد - اما آنانکه اهل مجلس او بودند ' واقف این رمزاند - راست و دروغ بر گردن راوی - محرر سطور بموجب اقرار راوی به بیاض رسانده ' والله اعلم - کلیاتش دو هزار و سی صد ابیات بنظر رسیده؛ اگرچه اشعارش عالمگیر است لیکن بنا بر التزام این جریده چند اشعار آبدار بموجب فکر ناقص خود انتخاب زده الحاق نمود —

دیکھ اے اهل نظر سبزهٔ خط میں لب لعل

رنگ یاقوت چھپا هے خط ریحان میں آ

حسن تھا پردهٔ تجرید میں سب سوں آزاد

طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

شیخ یہاں بات تری پیش نجاوے هرگز

عقل کو چھوڑ کے مت مجلس رندان میں آ

بسکه مجهه حال سوں همسر هے پریشانی میں

درد کهتی هے مرا ' زلف ترے کان میں آ

جگ کے ادا شناساں ' هے جن کی فکر عالی

تجهه قد کو دیکهه بولے یو ناز هے سراپا

مدت سے 'ولی' جهانجھ میں هے مات سے دل کے

توں بهی اے جگر آه کی نوبت کو بجا جا

اس رات اندھاری میں مت بھول پڑوں تجھ سوں

ٹک پاؤں کے جھانجھے کی آواز سناتی جا

حرف بیجا بجا ہے گر بولوں دشمن ہوش ہے پیا کی ادا

مرے دل کی تجلی کیوں رہے پوشیدہ مجلس میں

ضعیفی سوں ہوا ہے پردۂ فانوس تن مہرا

اس مکھ کا رنگ اُڑ کر قوس قزح کو پہنچا

دیکھا جو تجھ بھواں کی تروار کا تماشا

روز سیاہ اُس کے مو مو سے جلوہ گر ہے

تجھ زلف میں جو دیکھا دیجور کا تماشا

ہر گز 'ولی' کسی کن شاکی ترا نہ ہوتا

گر تجھ میں اے ہٹیلے ہوتا نہ طور ہٹ کا

بلبل و پروانہ کرنا دل کے تئیں کام ہے تجھ چہرۂ گلنار کا

آرسی کے ہات سے ڈرتا ہے خط چور کو ہے خوف چوکی دار کا

آئینہ تحسین ہو کے ہم زانو غیرت افزا ہوا ہے گلشن کا

بدخشان میں پڑا ہے شور تیرے لعل رنگیں کا

ہوا ہے چین میں شہرا تری اس زلف پرچیں کا

ھوا ھے دل مرا مشتاق تجھ چشم شرابی کا
خراباتی اوپر آیا ھے شاید دن خرابی کا
کیا مدھوش مجھ دل کو انیندی ذہن ساقی نے
عجب رکھتا ھے کیفیت زمانہ نیم خوابی کا

مت جا چمن میں لالن ! بلبل پہ مت ستم کر
گرمی سوں تجھ نگہ کی گُل گُل گلاب ھوے گا
مت آئینہ کو دکھلا اپنا جمال روشن
تجھ مکھ کی تاب دیکھے آئینہ آب ھوے گا

وو بھواں کیوں نہ ھم سوں ھو یں بانکی
ماہ نو نے جسے سلام کیا

سیرِ صحرا کی توں نہ فکر ھرگز دل کے صحرا میں گر خدا پایا

پھو کے ھوتے نہ کر تو مہ کی ثنا معتبر نہیں ھے حسن دور نما

اعجاز حسن دیکھ کہ وہ روے با عرق
پیدا کیا ھے چشمۂ آتش سوں آب آج
کیا بے خبر ھوا ھے معلم صنم کو دیکھ
مکتب میں اُس کے بھول گیا ھے کتاب آج

نکلا ھے بے حجاب ھو بازار کی طرف
ھر بوالہوس کی گرم ھوئی ھے دکان آج
شعلے کو دل کے سہل ھے جانا فلک اُپر
برپا کیا ھوں آہ سوں میں نردبان آج

کیھ آپس کی نرگس بیمار کو عاشقاں کے خون سوں پرھیز کر

تجھ ابروے خمدار سوں ھرگز نہ پھرے دل
کیوں جاے سپاھی دم شمشیر سوں تل کر

نجانوں خط ترا کس بے خطا پر چلا ھے آج فوج شام لے کر

ھوں گرچہ خاکسار ولے از رہ ادب
دامن کو تیرے ھات لگایا نہیں ھنوز

گر پڑے انکھیاں میں مری اُس کی صورت کی شعاع
موند لوں انکھیاں کے تئیں تا کوئی نپاوے اطلاع

لب پہ دل بر کے جلوہ گر ھے جو خال
حوض کوثر اوپر کھڑا ھے بلال

راہ مضمون تازہ بند نہیں تا قیامت کھلا ھے باب سخن

آرزو دل میں یہی ھے وقت مرنے کے 'ولی'
سرو قد کو دیکھ سر عالم بالا کروں

لیا ھے گھیر تجھ زلفاں نے تیرے کان کا موتی
مگر یو ھند کا لشکر لگا ھے آ ستارے کو

اے زھرہ جبین کشن ترے مکھ کی کلی دیکھ
گاتا ھے ھر یک صبح میں اُٹھ رام کلی کو

اگر بجاے "گاتا ھے" "کہتا ھے" می گفت' این شعر درست میشد و از زبان حرف گیران نجات می یافت —

ھر یک مھرو کے ملنے کا نہیں ذوق سخن کے آشنا کا آشنا ھوں

تصویر تری جان مصفا پہ لکھا ہوں یونقش پری پردۂ مینا پہ لکھا ہوں

اے دل شتاب چل کہ تماشے کی بات ہے
بیٹھا ہے آفتاب نکل ماہتاب میں

خوب رو خوب کام کرتے ہیں یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

نہ دیو آزار میرے دل کو اے آرام جان سمجھو
یو خوبی کچھ سدا رہتی نہیں اے مہرباں سمجھو

گر تجکو ہے عزم سیر گلشن دروازۂ آرسی کھلا ہے

گذر اُس سرو قامت کا ہوا ہے جب سوں مسجد میں
موذن کی زبان اوپر ہمیشہ لفظ قامت ہے

آسمان اوپر نہ بوجھو چادر ابر سفید
جا نماز زاهد عزلت نشیں برباد ہے

سرو کی وارستگی اوپر نظر کر اے 'ولی'
باوجود خود نمائی کس قدر آزاد ہے

آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھہ کوچے طرف
صبح صادق اُس کے بر میں جامۂ احرام ہے

اے 'ولی' کیوں خشک مغزی کا نہیں کرتا علاج
یاد اُس انکھیاں کی تجکو روغن بادام ہے

فوقیت لے گیا ہوں بلبل سے گرچہ منصب میں وہ هزاری ہے

گئے رات معراج کی، عرش اوپر بلغ العلی بکمالہ
کھلے پردے بھید کے سربسر کشف الدجی بجمالہ

ہوی حق کی اُن پہ جب سو نظر حسنت جمیع خصالہ
ہوا حکم حق محبان اوپر صلوا علیہ و آلہ

مجھے اچرج ہی آوے ہے سجن کے پان کہانے کا
نجانوں کیا سبب یاقوت اصلی کے رنگانے کا

کیتا ہوں جانسپاری کتھئی ہیں ہات جس کے
کرنے کو دل کا چونا آتا ہے پان کہا کے

نجانوں وو ہلال ابرو کس اوپر چلا ہے باندہ تیغ مغربی کو

از بسکہ شکستہ دل ہوں غم سوں لکھتا ہوں شکستہ خط سوں نامہ

میر تقی ' میر ' و ' فتح علی خان ' این اشعار انتخاب می نمایند :—

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

اس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرور حسن نے تجکو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے توں اگر تجھ گھر ' ولی ' آوے

خبرداری سے اُس معشوق کے کوچے میں جا اے دل
کہ اطراف حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

می گویند ' ولی ' وقتیکہ در مکہ رفت و کیسہ بُر کیسۂ او برید ' این بیت کہ مذکور شد ' گفت —

اے غنچہ نہ کر تو فخر ' پہ دل نکمہ ہے سجن کی بکتری کا

دل چھوڑ کے یار کیونکہ جاوے　　زخمی ہو شکار کھونکہ جاوے

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی　　ہوش عاشق رم غزال ہوا

کیا غم ہے اُس کو گرمیٔ خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سائباں

مت راہ دے رقیب سیہ رو کو ایکبار
ڈر یے ہزار بار بلائے مہیب سے

دشمن دین کا، دین دشمن ہے　　راہ زن کا چراغ روشن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو
کرتی ہے نگہ جس قد نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب، جیو سے صبر، سر سے ہوش لے جاوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں ای ہے
ایسا تو نکر کام کہ مجھ پر سخن آوے

سن 'ولی' رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے، یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل تک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں
کاہلی کو رہ ندے سالک کہ منزل دور ہے

پہنچتا ہے دلوں کو ہر جاگہ　　غم ترا روزی مقدر ہے

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے
سوال آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

کیونکہ پری ہو حسن سے تیرے دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

اے جان ، ولی ' وعدۂ دیدار کو اپنے

ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

یک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے ' محال گر خلا ہے

گناہوں کے سیہ نامہ سے کیا غم اُس پریشاں کو

جسے وو زلف دستاریز ہو روز قیامت میں

" وفا * "

شاعریست خوش گو ' غنچۂ فکرش باین رنگ می شگفد :—

خال و خط نے پیو کے مجھہ دل سوں نکالا ہے دھواں

تخم ریحاں کا کرو شربت دوا کے واسطے

میاں نورالعین " واقف "

تخلص - واقف مضامین بر جستہ و عارف معانی

شستہ است - شعر فارسیش باج از نبات گرفتہ '

---

* آقا امین ایلچپوری تخلص 'وفا' پدرش حکیم محمد نقی خان در عمل صوبہ داری امیر الامرا سید حسین علیخان بمرتبۂ امارت رسیدہ بعالم بقا رفت۔ بعد فوت پدرش تلاش منصب و جاگیر نکردہ ، در بلدۂ ایلچپور صوبۂ 'برار'... یافت وجہ یومیہ حکام آنجا قانع و خورسند است . بعلم عربی و حدیث و فقہ آشنا ست طبع نظم و نثر دارد۔ در بلدۂ ایلچپور روضۂ منورہ کہ حضرت شاہ عبدالرحمن با علوشان است۔ ہرسال در عرس ایشان خلایق بسیار جمع می آیند روشنائی چراغان بہ تکلف تمام می نمایند در تعریف چراغان فقرات نثر و ابیات نظم خوب گفتہ - (تحفۃ الشعراء)

وصیت رنگینش با طراف عالم رفته - احوالش مفصلاً در تذکرۂ 'مجمع النفائس' سراج الدین علی خان 'آرزو' و شاہ عبدالحکیم 'حاکم' وغیر ذٰلک مسطور - مشق سخن ریختہ بیشتر می‌نمود ' الحال بغزل گوئی سر گرم است - با راقم سطور اخلاص دلی دارد - چنانچہ تذکرۂ '' مردم دیدہ '' شاہ عبدالحکیم حاکم کہ سہ ہزار بیت کسرے زیادہ است از دستخط خود رقم نمودہ براقم سطور عنایت فرمود - این چند ابیات کہ بیشتر گفتہ در خزانۂ حافظہ موجود بود و بتکلیف این احقر بر خواندہ تحریر می یابد: —

آتی ہے بوئے خوں مجھے اِس لالہ زار سوں
اے باغبان یہ کس کے شہیدوں کا کھیت ہے

عزیزوں سے نشاں کوئی نہیں دیتا ہے یوسف کا
بتنگ آیا ہوں یارو کیا کروں کوّے* میں گرتا ہوں

تجھے دماغ نہیں گر مجھے بلانے کا
کسو سے پوچھ کہ کیا حال ہے فلانے کا
بہار دیکھی ہے اُس باغ کی ' خزاں دیکھی
کوئی بھی ایک قراری نہیں زمانے کا
قفس میں دھوم مچا خوب سی کہ مرغ اسیر!
کہ تجکو فکر نہیں کچھ بھی آب دانے کا

---

* کنواں —

میر جعفر الله " واحد "

تخلص - ولد میر نجیب الله بن میر عبدالله ' سید صحیح النسب و عمدهٔ روزگار است - جد بزرگوارش در عهد حضرت خلد مکان بمنصب پانصد امتیاز داشت ' و بعلوے مرتبت و سموے فطرت علم یکتائی می افراشت - ' واحد ' هم تا حالت تحریر بمعاش پاکیزه بسر می برد و گاه گاه بنابر موزونیت فکر شعر می کند - با راقم سطور اخلاص می دارد و اکثر اوقات به غیریب خانه تشریف می آرد - شعرش مملو از نمکینی و ملاحت بے اندازه است —

رونق بزم نهیں شمع رخ ساقی بن   گرچه اسباب طرب هم کو مهیا سب هے

آرسی کو دیکهه مهرو نے درخشاں کردیا

ذرهٔ بے قدر کو خورشید تاباں کردیا

میر عبدالحی " وقار "

تخلص - خلف الصدق نواب شاه نواز خان بهادر سلمه الله تعالیٰ بخدمت دیوانی جاگیرات و دیوانی بادشاهی سرکار دولت مدار محالات صوبهٔ برار سر فراز است - از وفور کاردانی و معامله فهمی مجراے نیکو خدمتے بظهور آورده بمنصب دو هزاری و هزار سوار بعطاے طوغ سر بلندی یافت با آنکه سن عمرش از پایهٔ عشرین گذشته ' اما بتائید افضال حضرت پروردگار بحسب عقل و تمیز در تمکین و ' وقار ' پسندیده اطوار ' مانند پدر بزرگوار ' خود است بحدت فهم و جودت طبع اشعار فارسی و هندی طبع درست دارد ' از وست :—

(بقیه بر صفحه آئینده)

نامۂ درد جدائی جب لکھا دلدار کو
خون کے شنگرف سے آنکھوں نے افشاں کر دیا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

نہیں رکھتا ہوں دستاویز اپنی خون ناحق کی
مگر قطرہ لہو کا دامن جلاد کوں پہنچے
اسیروں کو قفس کے کس کے تئیں پروا ہے مرنے کی
ہماری کس طرح فریاد اب صیاد کو پہنچے

چمن کے صحن میں ہم بھی نہال ہوجاتے
جو تیرے پاؤں تلے پائمال ہوجاتے

مجھے گر جاں کنی کا حکم وو شیریں دہاں کرتا
کہا اُس کا خدا کی سوں ارے یارو بجاں کرتا
فلک گرتا، زمیں پھٹتی، چمن سے رنگ و رو جاتا
اگر میں اپنے دل کا حال اے ظالم بیاں کرتا
بجھا نے میں جلے دل کے شرر جو سخت دھیما ہے
گلے میں جس ستمگر کے وو دیکھو لال نیما ہے
بتو! خوان محبت پر ہمارے بھر نظر دیکھو
دل صد پارہ آخر کیا مزے کا گوشت قیما ہے
گلستان محبت کا مجھے لالہ بنایا ہے
سرا پا غرق خوں ہو داغ دل تس پر 'صمیما' ہے
دیکھنے کوں غنچۂ و گل کے جب آتی ہے بہار
تم بنا گلشن میں اپنا خون کھاتی ہے بہار

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

آفتاب طبع ' واحد ' نے زمین شعر کو
معنیء رنگیں کے لعلوں سے بدخشاں کردیا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

سجن ! تجھہ زلف میں هل مل رہا ھے
ھمارے هات میں کب دل رہا ھے
نہیں کھلتا بہار و باغ سوں دل یہی عقدہ مجھے مشکل رہا ھے

ربا عیات

اس شوخ سیں میں کہا کہ مجھہ سیں بولو
اس عاشق گریاں طرف آنکھیں کھو لو
کیا بیش بہا ھیں آنسووں کے موتی کہتا ھے وو ھنس کے مجھہ سے رو لو رو لو

میں مدت کے بعد ایک دم جو سو یا
دیکھوں تو مجھہ کنے ھے ظالم گویا
ایک آن میں حیف کھل گئیں یہ آنکھیں
پھر موند پلک میں وو نہ دیکھا ' رویا

از بسکہ تم اب عشق کی سیکھے گھا تیں
سب بھول گئے وہ سادگی کی باتیں
نکلا جو خط سیاہ گورے منھہ پر
اس وجہ سیں شاید کہ پھریں دن راتیں

کیو نکر گُل باج دن بھر یگی بلبل
اُخر اس غم ستی مر یگی بلبل
آئی ھے بہار اب تو' ھنستے ھیں پھول
ہو ویگی خزاں تو کیا کرے گی بلبل

(تحفۃالشعراء)

باب الزاء

جعفر علی خاں " زکی "

'زکی' بالطبع و الخلق است' گوهر آبدار اشعارش به مرتبهٔ کمال غلطان میشود' و زلال شکرین کلامش بدرجهٔ غایت میگرد -
و این چند ابیات آز انست :—

دل میں آوے سو کرو اب تو گرفتار ہوا
میں تو تحقیق محبت کا گنہ گار ہوا

مصرعهٔ اولی خلاف محاورهٔ نکته چینان است' اگر چنین می گفت خوب بود :—

ع :- دل میں کیا ہے سو کہو اب تو گرفتار ہوا

دیکھو یارو! وو منصور کی سولی کیا تھی
مجکو ہر نوک پلک شوخ صنم دار ہوا

سیر گلشن سے نہیں مجکو تسلی ممکن
جب سے میں بلبل نالاں گل رخسار ہوا

اے 'زکی' اب تو ترا عرش میں پہنچا ہے دماغ
خوش قدوں میں ترا شاید کوئی غم خوار ہوا

این ابیات از هر دو تذکره فرا گرفته شد :—

اے گل و بلبل بہار آئی ہے تک دل کھول لو
چار دن صحبت غنیمت جان کر ہنس بول لو

مصر سے یوسف چلا بکنے کو اے کنعانیو!

تم میں کیا قدرت نہیں اتنی کہ اس کو مول لو

عشق میں صبر و قناعت گرچہ کچھہ مشکل نہیں

لیک اُن کو ھی کہ جن کو دل ھے، میرے دل نہیں

نہ لے جا نقد دل کا اے اناڑی عشق کے پھڑ میں

کبھی جیتے پھرے دیکھا ھے وھاں کے جان ھاروں کو

سن کر احوال مرا ناصح مشفق نے 'زکی'

ھات سے ھات ملا درد سے سینہ کوٹا

'فتح علی خان' نوشتہ کہ "بعضے گویند این شعر از 'ولی' دکھنی است"۔ 'صاحب' میگوید دیوان 'ولی' بنظر در آمد، این بیت درو داخل نیست۔ تحقیق کہ از 'زکی' است —

سجن کے دیس کیا پہنچی ھے بیہوشی نہایت کو

دے آیا بھول کر قاصد کتابت جا تہایت کو

اے منکر حقیقت تک سیر کفر لازم

اس اوپری جگت میں کوی آشنا دسے ھے

بعد مرگ کوھکن شیریں اگر جیتی رھی

دیکھہ کر یہ جوے شیر اپنا لہو پیتی رھی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو

تا قیامت سوزن تدبیر اگر سیتی رھی

خاکساری پر نہ کر موذی کے ھرگز اعتماد

جونک ماتی میں ملی، تو بھی لہو پیتی رھی

در منقبت حضرت شاہ نجف گفتہ :—

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھہ نبی کی آل کی بارہ دری دیکھہ
نبی کی آل اوپر وار جانا اِسی بارہ پلی سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلۂ پا گوید :—

برہ کی راہ کے گوھر پھپھولے کہ کانٹے بات میں جاتے ھیں تولے

پیرخان ”زانی“

تخلص - متوطن خجستہ بنیاد است، از چندے، برھان پور، بسر می برد - می گویند کہ آزادانہ می زیست، و شعر ھزل بطور خود می گفت، و بسیار مردمان بزرگ را ھجو نمودہ - و ازدست خود دیوان جمع نکرد، مگر یاران مجلس او درین جمع کردند، قریب دو ھزار بیت دیوانے فراھم آمد - چنانچہ بوقت تحریر این تالیف بنظر رسید، دل نخواست کہ بمطالعۂ او گراید و ازان اشعار چیدہ انتخاب نماید - ناچار بہمین یک بیت بنابر التزام اکتفا نمود : —

وصف تو قل ھواللہ احد و صمد ھے، تور، ھی
تجھہ کوولدنہ والد، قائم، قدیم، اکملا

باب الحاء

میر محمد باقر " حزین "

شعرش رنگین و سخنش شیرین - است ' فتح علی خان ' می طرازد که سالے چند ازین پیش جہان آباد خلد بنیاد را وداع گفتہ در گلشن بنگالہ بسان بلبل ہزار داستان نغمہ سرائی می کرد - دریں ولا از میرزا ' مظہر ' مسموع شد کہ لشکر عشق رعنا جوانے بر شہرستان دلش تاراج آوردہ متاع صبر و شکیب را تبالاں* بردہ در ہمیں ستیز و آویز ودیعت حیات را بمقتضای اجل سپرد - انتہی - اگرچہ محرر سطور را بر احوال کماینبغی میر ' حزین ' اطلاع دست نداد ' اما این قدر معلوم کہ از تلمیذ میرزا ' مظہر ' سلمہ اللہ تعالیٰ است ' چنانچہ می گوید :—

اے 'حزیں' شکر کہ ہے مصحف ارباب جنوں

فیض سے حضرت ' مظہر ' کے یہ دیوان مرا

اشعار سوز انگیز و مضامین دلچسپ بسیار می دارد ' این ابیات آبدار از آنست :—

فصل گل تو ہوچکی کیا دیکھہ ہونگے شاد ہم

کچھہ کرائے صیاد نہیں ہونے کے اب آزاد ہم

---

* تذکرۂ فتح علی خاں اور اس تذکرے کی اصل میں یونہیں لکھا ہے ' غالباً '' بپایاں '' ہوگا —

رحم آتا ہے مجھے اس مشت خاک اپنی پہ ہائے
خوبرو یاں کی ہوا میں یوں گئے برباد ہم

زندگانی تلخ ہو جاتی ہے ہم پر کیا کریں
حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم

کچھہ نہ آخر چل سکا ہائے ان زبر دستوں ستی
لے گئے دل کے تئیں کرتے رہے فریاد ہم

کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں 'حزیں' آباد ہم

این ابیات انتخاب میر محمد تقی (میر) وفتح علی خان است:—

غم نے آباد کیا خانۂ ویراں میرا ابر مژگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

خوب بوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد جی سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا

دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن! تجھہ سے کو
میں دوانا ہوں ان انکھیوں کی شناسائی کا

کیوں نہووے دل ہمارا ہائے خون اس رشک سوں
ان لبوں سے برگ پاں یوں ہمزباں اب ہو گیا

بہار آئی ہے جب سے ' یاد کر کر گلستاں اپنا
قفس میں ہائے بلبل کسطرح دیتی ہے جاں اپنا

یہ کہکر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ فصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

کبھو کوئی جو بلبل دیکھہ گل کو جی سا پاتی ہے
مجھے بے اختیار اُس وقت یاد آتا ہے جاں اپنا

خفا ہوتا ہوں میں از بس نہیں تعبیر کرسکتا
مجھے لگتا ہے جس جس طرح سے پیارا سجن میرا

بسکه این بیت قباحت دارد و جاے انگشت حرف گیران است :-

فرش ہوجاتا ہوں سنگ آستاں تیرے کو دیکھ
طور کا کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ ادب

فتح علی خان می نویسد که "بے ہوشی حضرت موسیٰ از ظہور تجلی بود نه از مشاهدۂ طور، شرح و بسط این قصه از فرط شیوع، درین نسخه که خیلے بایجاز و اقتصار کوشیده شده مناسب نه اُفتاد "و من ادّعیٰ فعلیه السند"۔ سید عبدالولی (عزلت) سلمه الله تعالیٰ بر حاشیه مرقوم نموده اند که بعد از ظہور تجلی بر طور حضرت موسیٰ هر گاه بر طور می رفتند، بآداب تمام پا می گذاشتند۔ چنانچه مفصل این امر مفسران و شارحان حدیث بیان کرده اند، و 'حزین' ادب حضرت موسیٰ را تمثیلے کرده است، نه که بے ہوشی اوشان۔ پس اعتراض مصنف بے جا است، و ناشی از سوء تامل است۔ راقم سطور می گوید که بے ہوشی حضرت موسیٰ از ظہور تجلی نوشته واقعی است، چنانچه ملک العلام در کلام ذوالاحترام می فرماید "فلما تجلیٰ ربه للجبل جعله دکًّا و خرَّ موسیٰ صعقا" یعنی هر گاه تجلی کرد خداے او بر کوه ساخت او را پاره پاره و افتاد موسیٰ بے ہوش - لیکن از بیت مذکور معنی بے ہوشی استخراج نمی شود، مگر معنی "فرش شدن" معنی "بے ہوشی" قرار یابد، در صورت این معنی ربط مصرع با مصرع نمی شود و چسپان مطلق نمی گردد و جوابے که سید 'عزلت' سلمه ربّه، نوشته بجا! زیرا که فرش شدن را چرا

بمعنی بے ہوشی باید گرفت - یعنی معنی قرب صاف از ادب استخراج چرا نہ باید کرد تا چسپانی مصرعین شود و معنی درست معلوم گردد - چنانچہ در قرآن مجید واقع شدہ ''فلما اتہا نودی یا موسی انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی'' - یعنی ہنگامے کہ آمد زمان آتش آواز دادہ شد اے موسی! بدرستی کہ من پروردگار توام پس بیرون کُن نعلین خود را بدرستی کہ تو در وادی پاکیزۂ کہ طوی نام اوست - ناچار حقیر 'صاحب' دو مصراع بے نظیر بر یک مصرع موزون نمود تا حاوی بجواب و معنی ہر دو صاحبان باشد' اینست :-

فرش ہوجاتا ہوں سنگ آستاں تیرے کو دیکھ
برہمن ڈنڈوت جیوں کرتا ہے بت خانہ کے تئیں

ازین مصرع معنی فرش شدن بقول فتح علی خان اثبات می یابد - مخفی نماند کہ ڈنڈوت حرف ہندی است' سجدہ را می گویند کہ بمجرد دیدن بت یا بت خانہ پیش او نگون شدہ دیدار کنندہ سجدہ می کنند - دوم :-

خال کے اسود حجر کا یوں ادب کرتا ہوں میں
طور کا کرتے تھے جیسے حضرت موسی ادب

'شاہ سامی' کہ احوال ایشان بقلم می آید' این اوراق را مطالعہ کردند و گفتند کہ فرش را استعارہ بر وجود ... ادب کردہ است' اگر چنین می گفت مضمون جناب ادا می شد :-

یوں ادب کرتا ہوں سنگ آستاں تیرے کو دیکھ
طور کا کرتے تھے جیسے حضرت موسی ادب

سر نواویں گر تواضع سیں بتاں کچھہ عیب نہیں
شاخ گل ہے اس نزاکت سات سر تا پا ادب

برق سیں جیوں آنکھہ مند جاوے، کرے ہیں اس طرح
دیکھہ کر حق کی تجلی مردم بینا ادب

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سب لیلیٰ کی خاطر سے
وگرنہ ان پریزادوں کو دیوانے سے کیا نسبت

ہوا ہے تو 'حزیں' دیوانہ ان شہری غزالوں کا
تجھے صحرا سے اب کیا کام، ویرانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہوتا نہیں ہم پر اثبات

مری رنگیں کلامی کا ہے وو گل پیرہن باعث
کہ ہووے ہے بلبلوں کی خوش صفیری کا چمن باعث

کوئی ہوتا ہے سنگ سینۂ خسرو سے رقیبوں کا
ہوا ناحق ہلاک اپنے کا آپ ہی کوہ کن باعث

جو ہوتا ہے کسو سے اُنس سب سے وحشت آتی ہے
مری صحرا نشینی کا ہے میرا من ہرن باعث

'حزیں' ان شعلہ رخساروں سے جی کو مت لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

اُس پر نہیں ہوا ہے یہ دل مبتلا عبث
ناصح تک اُس کو دیکھہ مجھے مت ستا عبث

وہ نگاہ مست ہے ان چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں علاج

سج بنا کر پھرتے ہیں یہ جامہ زیباں کس طرح
ان سے جا لپٹے نہ میرا رشتۂ جاں کس طرح
دیکھنے میں اس کے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجھ کو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح
کیا قیامت ہے جو لے اپنے کو ہوگا نہ چھنا
صبر کر بیٹھے ' حزیں ' وو پیر کنعاں کس طرح

گئیں یوں محنتیں سب اس کی بر باد
موا کس بیکسی سے ہائے فرہاد
کریں کیو نکر نہ ہم مجنوں کا ماتم
کہاں ملتے ہیں اپنے فن کے استاد

عشق کے فن میں تجھے ناقص کہیں گے اہل درد
کوئی ہوتا ہے ' حزیں ' غم سے ہراساں العیاذ

کوھکن کی محنتیں آخر ٹھکا نے لگ گئیں
دل میں کی شیریں کے جا آخر کے تئیں سر چیر کر

نہیں رہنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
انھوں پر بھول کر اے دل نہو مجھ سے جدا ہرگز
نہ ہو اے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز
سزا پائی نہ آخر چاہنے کی ' ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی تو اپنا مت لگا ہرگز
ہمارے واسطے کس کس طرح کے رنج کھینچے ہیں
حقوق اس دل کے مجھ سے ہو نہیں سکتے ادا ہرگز

دل کو کئی فصلوں سے تھی باغوں میں جانے کی ہوس
حیف اب کے بھی نہ نکلی اس دوانے کی ہوس

خوبرو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اس قدر جو اُن کو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

جس قدر چاہے سجن! اپنی جفا میں کر عروج
مجھہ ستی ہرگز نہ ہووے گا وفا میں انحطاط

گوارا ہوگیا دل پر ہمارے جور یار آخر
ہمیں درد و الم سے آگئی صحبت برار آخر

اپنی جدا خبر لے، اُس کی جدا خبر لے
یہ ایک دل دوانا کس کس کی جا خبر لے

بے خبر رہتے ہیں جو کوئی عشق کی لذت ستی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اطلاع

کیونکہ ہو مجکو تسلی جان! وعدوں سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل، دل سے تیرے اطلاع

عشق کی گرمی سے ضعف آتا ہے مجکو ان دنوں
ہو گیا یہ دود دل آخر مرا دود دماغ

ایک ہم سے بات نہیں سکتی نکل آنسو بغیر
دل ہمارا ہو گیا ہے غم سے اب یہاں تک رقیق

دل دے کے، اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جاتا رہا جب ہات سے پھر پاس کب آتا ہے دل

نہ جانے کس طرف جاتا رہا خوباں ستی مل کر
نہیں ملتا ہے مجکو مدّتوں سیتی سراغ دل

آتے ہی نو بہار دھڑکتا ہے جی، مرا *
پھر شور و شر کریگا یہ خانہ خراب دل
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یہاں تلک کہ اب
دیتا ہے سات دینے سے مجھکو جواب دل
ملنے کے دن جو اشک نکلتے ہیں کچھہ نہ پوچھہ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کے آب دل
آثار دیکھہ کر کے خزاں کے چمن کے بیچ
کیونکر کرے نہ ہائے 'حزیں' اضطراب دل

گیا سن ہوش مجنوں کا مرے دیوانہ پن کے تئیں
بجز سر پھوڑنا اور کچھہ نہ سوجھا کوھکن کے تئیں
میں دیکھوں کیونکر اُس دریاے خوبی کے دھن کے تئیں
گیا جی ڈوب میرا دیکھہ اُس چاہ ذقن کے تئیں
'حزیں' سب دکھہ مرے جی پر گوارا ہو گئے لیکن
نہیں جاتا ہے دیکھا پاس غیروں کے سجن کے تئیں

کس کس طرح کی ایذا پہنچی ہے مجکو تجھہ سے
میں مر گیا ہوں اے دل تیرے دیوان پن میں
ناصح! نہ اس طرح کی باتیں مجھے سنا وے
دیکھے اگر سجن کو آکر مرے نین میں

ویراں ہوا خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

کچھہ کہا شاید اُن نے قاصد سے
دل پہ میرے وو اضطراب نہیں

---

* (ن) کہ ہاے

یہ لوگ بے سمجھہ تجھے کیا کیا کہیں گے جان !
اتنی بھی میرے جور پہ باندہ اب کمر نہیں

ان بتاں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
زندگانی کا اسے واللہ کچھہ حاصل نہیں
شوق میں شیریں کے آخر جی کو اپنے دے چکا
عشق کے فن میں کوئی فرہاد سا کامل نہیں
بیوفائی دیکھہ کر ان خوش نگاہوں کی 'حزیں'
اب کسو سے اس طرح ملنے کا میرا دل نہیں

یاد اب کیوں کر نہ آوے مجکو اپنا گلستاں
ایک دن سکھہ سے نہ گذرا جب سے چھوڑا آشیاں
اے 'حزیں' بلبل کے دل پر باغباں کے جور سے
کیا گزرتی ہوگی' جس ساعت جلا ہے آشیاں

تدبیر سوز عشق میں جاتی نہیں ہے پیش
مرنے بغیر کچھہ نہ بنا کوہ کن ستی
آتی ہے نوبہار' نجانوں کرے گا کیا
ڈرتا ہوں اپنے دل کے میں دیوان پن ستی

آرزوئیں عشق کی ہوتے نہ دیکھیں سر براہ
کوہ کن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہیں

لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے کے تئیں
کیونکہ سمجھا ویں کہو تم ایسے دیوانے کے تئیں
ہو رہا ہے درد و غم سے عشق کے از بس خفا
مستعد بیٹھا ہے ہو کر جی نکل جانے کے تئیں

آوے نہ کیونکہ رشک مجھے برگ پان ستی
لیتا ہے کیا مزہ وو سجن کے لباں ستی

دیا تلخی سے جی فرہاد نے یوں کہہ کے یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ شیریں سے ملیں گے ہم قیامت کو

بیطرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
دیکھئے اب زندگی میری کا کیا اسلوب ہو
حال اے قاصد مرا جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ
اس طرح سے اُس کو مت کہیو کہ وو محجوب ہو
نام پر ان خوبرویوں کے فدا کرتا ہے جان
کیوں نہ ان طرحوں سے مجکو دل مرا محبوب ہو

کیوں کہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو
کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں، کیا تحریر ہو
بیطرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
دیکھئے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو
زندگی اور موت لگ جاوے ٹھکانے سب 'حزیں'
عشق میں رعنا جوانوں کے مروں گر پیر ہو

اس طرح سیتی جو دکھلا یا ہمیں روز سیاہ
کیا کیا تھا سانوروں کا ہائے ہم ایسا گناہ
اشک رنگیں کیوں رواں ہوتے مری آنکھوں ستی
گر نہ پڑتی گلرخوں کی اے 'حزیں' مجھ پر نگاہ

نہ آئی اُس کے مرنے پر بھی شیریں جوے شیرا پر
یہ حسرت جی میں اپنے اب تلک فرہاد رکھتا ہے

کچھ گئے ہجر میں، کچھ وصل میں گریاں گذرے
کیا مری عمر کے اوقات پریشان گذرے

شان مجنوں کی ' کسو کی نہ رهی نظروں میں
خیال آهو میں جو هم چاک گریباں گذرے

خوباں کے درد و غم نے کیا نا تواں مجھے
یہاں تک کہ سو بھی تن یہ هوے هیں گراں مجھے
ان دلبروں کا دیکھہ دل ایسا گیا کہ هاے
ملتا نہیں هے اُس کا کہوں * اب نشان مجھے
یوں تو نے مجکو جان! یکا یک بھلا دیا
تیری وفا پہ هاے نہ تھا یہ گماں مجھے

هر نصیحت میں تری مانوں گا اے ناصح ' پر ایک
دل بروں کے دیکھنے میں جی مرا نا چار هے
یہاں تلک ان خوبرویوں نے ستایا هے کہ اب
زندگانی سیتی اپنی ' جی مرا بیزار هے

دیوانگی کو اپنے مرنے تلک نبھا دیا
ملتے کہاں هیں کامل مجنوں سے فن کے اپنے
نہیں چھوڑتا هے یہ دل خوبوں سنگی سرزوریں
مارے هوے هیں هم تو اس بانکپن کے اپنے
میں اِن خوبوں کے ملنے میں جواتنے رنج کھینچوں هوں
نہیں تقصیر کچھہ ان کی ' مجھے یہ دل ستاتا هے
نہیں کچھہ جانتے خورشید رو قدر اس دوانے کی
انھوں پر هاے دل کس کس طرح سے جی جلاتا هے

* کہوں = کہیں —

نہ کی کچھہ فکر تم نے اپنے وعدوں کی وفاؤں کی
بھلی تم نے خبر لی ، جان ! اپنے آشناؤں کی

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں ، یہ کہا کروں
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے
سب آرزوئیں دل کی تھکا نے لگیں ، حزیں ،
گر قتل کر چکے وہ سپاہی پسر مجھے

نہ پائے ہم نے خوباں ، دوست اپنے آشناؤں کے
عبث ہم عمر کھوئی عشق میں ان بیوفاؤں کے
یہ لڑ کے ناز نیں کیونکر جلاویں جی ہر اک جی پر
کہ ہوتے ہیں نہیت نازک مزاج ان میرزاؤں کے
نہیں کہتا کوئی سمجھا کے ہاے ان خوبرویوں سے
یہ کیوں ہوتے ہیں دشمن ناحق اپنے مبتلاؤں کے

دام الفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
ایک دم اس سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے
روز باراں کیوں نہ اے زاہد کہوں مے کو حلال
اس قدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے .

بجا ہے درمیاں ان کے تجھے دعویٰ خدائی کا
سجن ! والله بندے ہیں بتان خوش کمر تیرے
پسیجا بھی نہ گرمی سے تری ، پتھر سا دل اُس کا
نہ کر شور اس قدر اے آہ بس دیکھے اثر تیرے

وفا میرا اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتا
تو کہا آرام سے یہ زندگانی ہاے کٹ جاتی

یہ خسرو کو ھکن سے سر چڑھے کو کیو نکہ ترساتا
اگر شیریں تک ایک بھی امتحاں کو کام فرماتی

'حزیں'! میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں تجھ سے
مجھے کہتا ھے "تیری بات مجکو خوش نہیں آتی"

راحت میں دل کے ھاتھہ نہ پاؤں گا ایک دم
جب تک کہ میرے ساتھہ یہ خانہ خراب ھے

مجھے کہتا ھے تیرا دل کہاں ھے قیامت شوخ میرا بد گماں ھے
خزاں آتے ھی اب دیکھے گا آخر نہ بلبل ھے 'نہ گل' نے آشیاں ھے

نہت شورش سے آتی ھے بہار اب خبر لے اپنی تو اے دل دوانے

جو کچھہ سلوک کہ کرتا ھے اب گریباں سے
نہ تھا یہ ھات مرا اِس قدر کبھو گستاخ

نو بہار آئی 'حزیں'! کیا کیجئے اب دل کی فکر
بے طرح مجکو نظر آتی ھے دیوانے کی طرح

کون دیگا دیکھہ اس موں کو دل مجزوں کی داد
لی نہیں جانے کی محشر میں بھی اُس کے خوں کی داد
کوہ و صحرا میں پڑے' فریاد کر کر مر گئے
کچھہ نہ دی اس چرخ نے فرھاد اور مجنوں کی داد

مہر و بے مہری تمھاری هم سمجھتے هیں سجن!
جی میں جنگ اور منہ پہ یہ صلح نمایاں العیاذ

ایک دن دریا نے دیکھا تھا مرے رونے کا جوش
روز و شب هوتا ھے غیرت سے تہ و بالا ھنوز

گر پڑے نظروں سنی فرھاد اور مجنوں کی شان
دیں محبت میں اگر هم اپنے غم کھانے کی عرض

جس طرح ہوتا ہے بے رونق چراغ ماہتاب
زرد رو مجلس میں خوباں کی نظر آتی ہے شمع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کی الفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

متصل فریاد کو کب کرسکے ہے سر براہ
کوہ ہوسکتا نہیں دلہاے نالاں کا حریف

خورد سالوں میں قیامت ہے لٹک جیوں شاخ گل
کیوں نہ جاوے جی کی آنکھوں میں کھٹک جیوں شاخ گل
ہات اُس کا بسکہ نازک ہے، نہیں لاتا ہے تاب
توڑنے میں گل کے جاتا ہے لچک جیوں شاخ گل

قرض لیویگی قضا لوہو شہیدوں سے ترے
تب کریگی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن

دیکھ کر گلشن میں تجھکو جان! گڑجاتا ہے سرو
یہ لٹک قد کی ترے پیارے کہاں پاتا ہے سرو
کچھ نہیں اُس کو رعایت شان معشوقی کی ہاے
اس قدر * کیوں قمریوں کو سر پہ بٹھلاتا ہے سرو

کچھ محبت میں نہیں عاشق بچاروں کا گناہ
دل کی گردن پر ہے سب ان دکھ کے ماروں کا گناہ

شیخ محمد حاتم "حاتم"

تخلص - عمدۂ نکتہ پردازان، و علامۂ سخن طرازان
است - نکات رنگینش تازگی بخش دلہاے محزون، و خیالات

---

* (ن) اس طرح —

دل نشینش از نزاکت معانی مشحون ـ اشعار دل آویزش گلدستهٔ انجمن، و بہارستان طبعش رشک افزاے چمن است ـ مثنوی حقه که به جعفر علی خان 'زکی' محمد شاه بادشاه فرمائش نموده بود، ازو دو شعر موزون شده دیگر سر انجام نیافت، شیخ محمد 'حاتم' با تمام رسانیده بنظر امعان در آمد، جمله سی بیت است، در آن جا میگوید: —

کہا مجھے نے یہ سب کی خبر رکھہ تو اپنے دل جلوں اوپر نظر رکھہ

پیا، ہو مہرباں جس دم بلایا کرم کر لے کے نیچا مونھہ لگایا

لگا منہ نال تب حق حق پکارا گویا منصور پھر آیا دوبارا

نہ حقہ میں صداے سرسری ہے کلہیا ہات گویا بانسری ہے

نہ نے پرسالوی برہاں پوری ہے کہ جوں کالے پہ کالی کیچری ہے

بوقت تحریر این چند ابیات دیوانے ضخیم ازو بدست آمد، اما فرصت انتخابش نشد ـ لاچار این چند گلہائے تازه بنا بر جلدی از گلستانش چیده حوالهٔ قلم میشود: —

کہتا ہوں سب ستی جو ہو منصف سو دیکھہ لے

سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ

'حاتم' کا شور تیس برس سے ہے ہند میں

صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

———

اس ابر سے ہوا میں، یوں آوتا ہے دل میں

پی پی شراب ہو ویں بے اختیار ہم تم

———

خبر قاصد کے آنے کی سنے سے جی دھڑکتا ہے

خدا جانے کہ اُس کا اب مجھے پیغام کیا ہوگا

بول اے دلبر عیّار ! کہاں جاتا ہے ؟
کھول اب لعل شکر بار ! کہاں جاتا ہے ؟
پہن کر بر میں نپٹ تنگ بسنتی جامہ
ملک کیسر کے زمیندار کہاں جاتا ہے

این بیت جاے دیگر ہم چنین شنیدہ شد لیکن نام شاعر تصریح نگشت ظاہرا کسے راتوارد شدہ باشد :—

زرد چہرے سے نپٹ دل کو مرے بھاتے ہو
ملک کیسر کے زمیندار کہاں جاتے ہو

نہ گھٹے ایک رتی وزن میں اِلّا ماشا
گر مرے من کو جو سو من کے برابر تولے
وو دھرے عشق کے میداں میں قدم کو ' حاتم '
ہات اپنے کو جو کوئی خون جگر سے دھولے

چشم و زلف و خال و خط چاروں ہیں دشمن دین کے
حق رکھے ایماں سلامت ایسے کفرستاں کے بیچ
اہل معنی جز نہ پاوے گا کوئی اس رمز کو
ہم نے پایا ہے خدا کو صورت انساں کے بیچ

کروں قربان جیو کو اس گھڑی ' اسوقت ' اس پل کے
کہ جس دم ناز سے دلدار آوے پاس مجھہ چل کے
جہاں کے خوب صورت دیکھہ تجھہ صورت کو حیرت سے
ہوے خاموش مجلس میں گویا پتلے تھے سب گِل کے
نہ آوے خواب راحت کیونکہ مجکو بستر غم پر
کف پا کا تصور جس کے ' گُل تکیے تھے مخمل کے

تری هر آن پر ' حاتم ' سجن ! قربان جاتا ہے
ترے سج کے ' اکڑ کے ' چال کے ' اور زلف کے بل کے

خیال چشم ترا آبسا ہے آنکھوں میں
شراب کا سا ہمارا نشا ہے آنکھوں میں
نگہ میں تو نے کیا مردماں کا خانہ خراب
سیاہ چشم تری کیا بلا ہے آنکھوں میں
کوئی مرے، کوئی جیوے ' تو آنکھ اُٹھا کے نہ دیکھ
میاں ! جو شرم سے تیری حیا ہے آنکھوں میں
نظرمیں بند کرے ہے مجھے بتا کے ' تری
فسوں ہے ' سحر ہے ' جادو ہے ' کیا ہے آنکھوں میں
کہیں نہ بیٹھ اگر چاہتا ہے ' حاتم ' کو
کہ نور چشم ہے تو، تیری جا ہے آنکھوں میں

کس ستمگر کا گنہ گار ہوں اللہ اللہ
کس کے تیروں سے دل افگار ہوں اللہ اللہ
اس کے ہاتھوں سے نہ جیتا ہوں نہ میں مرتا ہوں
کس مصیبت میں گرفتار ہوں اللہ اللہ
نمکیں حسن سے اُس لب کے مزے لوٹوں ہوں
کس نمکداں کا نمک خوار ہوں اللہ اللہ
نرگس ! اب ہم سے نہ کر دعوی ہم چشمی تو
کس کی نرگس کا میں بیمار ہوں اللہ اللہ

خضر اب دور کر آنگے سے مرے آب حیات
کس کے بوسے کا طلبگار ہوں اللہ اللہ

کیوں نہ آنکھوں میں رکھے مجکو زلیخا بھی عزیز
کیسے یوسف کا خریدار ہوں اللہ اللہ

خواب میں یار نے آ مجکو جگایا ' حاتم '
کس قدر طالع بیدار ہوں اللہ اللہ

تجھہ بدا جان نہیں جان ! مری جان کے بیچ
اب تو پھر آ ' کہ جلا یا ہے مجھے آن کے بیچ *

ہوئی زباں لال ترے ہاتوں سے کھاتے بیڑا
کیا فسوں پڑ کے کھلا یا تھا مجھے پان کے بیچ

آج عاشق کے تئیں کیوں نہ کہے توں دُر دُر
واسطہ یہ ہے کہ موتی ہے ترے کان کے بیچ

آج ' حاتم ' سے سجن ! تو نے بورا † کیوں مانا
کیا خلل اُس نے کیا آ کے تری شان کے بیچ

اے دل نکر تو فکر ' پڑیگا بلا کے ہات
آئینہ ہو کے جا کے لگے ' دلربا کے ہات

دینا نہیں ہے شیشۂ دل سنگدل کے تئیں
دیجیے اگرچہ دل تو کسی میرزا کے ہات

' حاتم ' امید حق سے نہ رکھے تو کیا کرے
موقوف ہے ملاپ سجن کا خدا کے ہات

---

* دیوان میں نہیں ہے — † بُرا ۔ ناگوار ـ

کافر ! اتنا کیوں کرے ہے ہم سے ہو کر رام رام
حال میرا دیکھ لے، کر ظلم اے خود کام کم
کیا ہوا گر پوچھ کہا کہا دل میں رکھتا ہے گرہ
تاب کیا تجھ زلف آگے جو نکالے دام دم
جو صدا آتی ہے باتوں کی تری مجھ کان میں
جانتے ہیں اس سخن تیرے کے تئیں الہام ہم
جیوں کہا قاصد نے چل 'حاتم' بلایا ہے تجھے
دل ستی جاتا رہا سنتے ترا پیغام غم

کاتب الحروف درین زمین 'ریختہ' دارد اینست:- (ریختہ)

آج مجھ سے ہو گیا ہے من و عن آرام رم
اب تو کچھ جور و جفا کراے بت خود کام کم
سبزۂ خط، ابرو و مژگان و وہ زلف سیاہ
ایک لب کا شہد ہے اور ہے کئی اقسام سم
کیا کہوں قاصد سے حال اپنا کہ آنسو سے مرے
ہو گیا کاغذ مرا لکھتے ہی تھرا نام نم
ایک دل تھا وو تو جو بیٹھا ہے گلرو کے کنار
اب تو بھیجا بے وسیلے جان کر پیغام فم
جو خماری چشم ساقی میں ہے 'صاحب' کیفیت
خواب میں دیکھا نہ ہوگا اس طرح کا جام جم

مت پریرویاں ! ہمارے دل کو دیوانا کرو
درد مندوں کے جگر کی آہ تک جانا * کرو

---

* مانا -

زلف خوباں میں جو چاہو، ہو نگہ کی دسترس
پنجۂ مژگاں کے تئیں اپنے بنا شانا کرو
شمعرویاں کی لگن میں جل کے خاکستر ہوا
عشق کے کشور کا میرے نام پروانا کرو
دوستوں کے حق میں ہرگز دشمنوں کی بات کو
تم ستی کہتا ہے 'حاتم' سن کے مت مانا کرو

جو چمن میں جا کے تجھ قامت کا میں چرچا کروں
کیا عجب ہے گر قیامت سرو پر برپا کروں
اُوس لب نازک کو لازم ہے کہ وقت مےکشی
غنچۂ و گل کوں چمن کے ساغر و مینا کروں
وصف لکھنے میں تمہاری چشم کا اے فتنہ خو
مجکو واجب ہے قلم گر نرگس شہلا کروں
یاد کر کر تیغ ابرو کو ترے اے خوش نین
نیم بسمل کی طرح کہہ کب تلک تڑپا کروں
موسم برسات اگر بھاوے تمیں * اے نو بہار
ابر کے مانند آنکھوں سے سدا برسا کروں
شوخ بے پروا کی واقف ہوں سہہ چشمی ستی
یک نظر دیکھے نہیں، تن پیس گر سرما کروں
غم سے رو رو کر مثال رعد نالاں ہوں رقیب
کوچۂ اُس برق سیما میں دمےگر جا کروں
جس حسیں کو دیکھ 'حاتم' صبح ہوتی ہے نثار
ماہ کو کس طور اس بے مہر کا ہمتا کروں

---

* تمھیں —

دیکھ کر بلبل لب و رخسار خوباں کی طرف
منہ پھرا کر بیٹھ کر بیٹھے گلستاں کی طرف
یاد کر کر جامہ زیبوں کے چنے دامن کا گھیر
ہات دوڑاتا ہوں وحشت سے گریباں کی طرف
خال زلف اس کا اگر ہوتا جو مجھ وحشی کے پاس
کون آتا ہاے تو مجھ سے پریشاں کی طرف
انتظاری میں تو اے بے مہر! سارا دن گیا
شام ہوتی ہے ارے آجا غریباں کی طرف

چاند سے تارے کا ہوتا ہے کبھی جوں اتفاق
کس قدر پیارے ترے مکھ پر چمکتا ہے بلاق
یا کماں، یا ماہ نو کہنا بجا ابرو کے تئیں
یہ تعجب ہے کہ عالم جفت کو کہتا ہے طاق

مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو
عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
دل کے نگیں پہ اسم تمہارے کا نقش ہے
نام اپنے کے سبب تم اُسے نامور کرو
دل لے گئے ہو تس پہ جفا چھوڑتے نہیں
ہم سے جلوں کی آہ سحر سے حذر کرو
آساں نہیں ہے شوخ ستمگر کو دیکھنا
دل کو نذر کرو تب اُس اوپر نظر کرو
'حاتم' کہے ہے تم کو سجن! ایک جا تو رہ
آنکھوں میں آبسو' یا مرے دل میں گھر کرو

جلوہ گر فانوس تن میں ہے ہمارا من چراغ
بے بتی* اور تیل ہے گا یہ سدا روشن چراغ
کیوں نہو سیر چمن بلبل کے حق میں شب برات
روغن گل سیں ہوا ہے ہر گل گلشن چراغ
ڈر نہیں مجنوں کو پھرنے کا شب ہجراں کے بیچ
حق میں اس کے دیدۂ آہو ہوے بن بن چراغ

میری طرف اگر وو پری رو گذر کرے
شیشے میں دل کے بند کروں جو نظر کرے
رو رو ہوا ہوں خشک یہاں تک سجن کے باج
آنسو بھی نہیں رہا جو مری چشم تر کرے
دعوی کیا ہے شیخ نے 'حاتم' سے عشق میں
دونوں میں دیکھئے یہ مہم کوں سر کرے

سب ترے مشتاق ہیں آ اس قدر مت کر درنگ
بن ترے شب رنگ ہے اے شمع رو مجلس کا رنگ
سانورے رخسار اوپر کھول کر زلفوں کے تئیں
ھند میں کافر نے آ دکھلادیا ہم کو فرنگ
سچ اگر مجنوں تو ہے' لڑکوں کے پتھروں سے نہ ڈر
گر گرا کر ترے اوپر گر گریں جانو نہ سنگ †

---

* بلا تشدید۔

† دیوان میں یہ شعر نہیں۔

مرے سینے میں کہا گلزار پھولا ہے نظر کر لے
کہ گل ہے داغ دل کا اور غنچہ ہے دل اے بلبل
خدا کے واسطے اس دم نگہ اس کی سے مل جانا
نظر آوے چمن میں گر ہمارا قاتل اے بلبل
تو اور گل ہمکنار، اور مجھ سے گلرو دور، یا قسمت!
تجھے عیش، پر مجھکو پڑی ہے مشکل اے بلبل
دوانے! اس زمانے شور و غل کرنے سے کیا حاصل
اگر چاہے ہے سوز دل تو 'حاتم' سے مل اے بلبل

دیکھ رخسار ترے گل نے گریباں پھاڑا
اور کلی لب کو ترے دیکھ کے کھلائی ہے

این انتخاب میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان است:-

دیکھ طور اس دور کا 'حاتم' نے چھوڑی ہے شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وو اب پیتا ہے بھنگ

لفظ 'سبز رویاں' کہ درین مصرع خلاف محاورہ افتادہ،
در خاطر فاتر فقیر بتغیر میرسد (مصراع)
یاد کر کر خط کی سبزی کو وو اب پیتا ہے بھنگ —

نظر آیا تھا بکری سا، کیا پر ذبح شیروں کو
نہ جانے تھا کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر
آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا
نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالا دے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا
آب حیات جاکے کسو نے پیا تو کیا مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
ہجر میں زندگی سے موت بھلی کہ کہیں سب جہاں وصال ہوا
ہائے بیدرد سے ملا کہیں تھا آگے آیا مرے، کیا میرا
میر محمد تقی، میر، در ترجمۂ، حاتم، پیش مصراع
چنین بہم رسانید :—
مبتلا آتشک میں ہوں اب میں آگے آیا مرے، کیا میرا
اگرچہ مضمونش اعلیٰ است، لیکن کلمۂ بد را باخود نسبت
دادن از آئین عقل بعید می نماید و طرفہ ترایں کہ فتح علی خان
در تذکرۂ خود مصرع میر تقی، میر، را بنام، حاتم، نوشتہ
و اصلاً اشارہ بطرف میر ننمودہ —
لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ تو کیا چوما رقیبوں نے ہمارا
ان دنوں میں دیکھ کر مجکو اپھرتے ہیں رقیب
پہٹ ہے ان کا بھرا کل پرسوں مرتے ہیں رقیب
خاصی سجن کا ململا تن سکھ ہے عاشقوں کا *
گاڑھے † رقیب سارے مرتے ہیں ہات ململ

* (ن) کو —
† (ن) "یہ کہیں" دیوان کے دو نسخوں میں ہے —

مارا ہے سنگدل نے دکھا مجکو رنگ سرخ
تعویذ مجھہ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

پاؤں مت دھر بوالہوس بحر عمیق عشق میں
جان کر ڈوبا ہے یہاں انجان جو آکر تِرا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے بو رہا کا نقش ہم پہلو مرا
ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے جو چلے وو قامت دلجو مرا
'حاتم' بیکس کا تجھہ بن کون ہے کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر
تب تو دلوں کا چور پھرے ہے چھپا ہوا

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گُل بادام پر
کر کے نرگس کی قلم اور چشم آھو کی دوات

مے پلا راہ سے کھویا ہے رقیبوں نے اُسے
آوے 'حاتم' کی طرف جب کہ کبھو مست آوے

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاھوں کے بیچ
حسن رہزن ہے یہ پنجاب کی راھوں کے بیچ

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

آج نرگس کی قلم کرکے سجن! لکھتا ہوں میں
وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر

جب سے' تیری نظر پڑی ہے جھلک
تب سوں لگتی نہیں پلک سوں پلک

دلوں کی راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو!
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

محمد علی حشمت "حشمت"

مبارز میدان سخندانی و چابک خرام قلمرو معانی است - شمشیر وجودش از مصقلهٔ تربیت غنی بیگ 'قبول' بجوهر کمال رسیده' و آن سحاب فیض بار گلشن جاوید بهار سخنش را از آبشاری خود طراوت فراوان بخشیده - 'میر' نویسد که "همراه قطب الدین خان فوجدار مرادآباد در جنگ رهیله متوجه عالم باقی شد"- نقش سخن باین طور می بندد :-

خط نے ترا حسن سب اُڑایا   یه سبز قدم کہاں سے آیا

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل
تب عندلیب رو کے پکاری که هائے گل

سید محتشم علی خان ,حشمت,

از شعرائے هندوستان است - احوالش از خارج بسمع نه رسیده' مگر میر محمد تقی 'میر' او را بخوبی یاد می کند که "سید صحیح النسب بود' سپاهی عمدہ روزگار' شاعر خوب فارسی و ریخته' فهمیده و سنجیده' با همه کس بعجز و انکسار پیش می آمد - جنسے بود که در دل همه جاے او خالی است - از خاک پاک دهلی در مغل پوره سکونت داشت - برادر کلان او که میر ولایت الله خان باشد' مغتنمات روزگار است - دیراست ترک روزگار کرده' خانه نشین است - گاهے شعر هم می کند"- انتهی' این دو بیت او از تذکرهٔ "نکات الشعراء" بدست آمد' در این جا التقاط یافت :-

نکہت گل نے جگایا کسی زندان کے بیچ

پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانے کی خبر لو　　اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

قبل از اطلاع این بیت فقیر را در "مرأت حسن" که دریں ولا سوزگداز عشق خود چار صد ابیات بموجب اعداد نام خود که لچھمی نارایں است گفته شد - بیتے قریب مضمون این بیت بخاطر آمده ' این است :—

بہار آئی مجھے زنجیر کرنا　　وگرنہ اور کچھ تدبیر کرنا

میر محمد حسن "حسن"

تخلص - از تلامیذ میرزا رفیع 'سودا' است - می گویند که مردے مہذب و مؤدب بود ' و گذران خود در شاہ جہان آباد می نمود - این ابیات را صاحبان ہر دو تذکرہ نوشته اند :—

لگتا ہے مجھکو آج یہ سارا جہاں خراب

شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

این بیت که مذکور شده خلاف روز مرۂ ہندوستان است ' ہر که رمز دان است می فہمد —

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو

خنجر! تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

محمد حسیب "حسیب"

تخلص - از شعراے مشہور حیدرآباد است - اشعارش بر السنۂ مردم آنجا بحدے جاری که حاجت اظہار نمانده و نیست - غرض شاعر والا اقتدار بود - و تلاش مضامین عالی می نمود -

این چند ابیات او فرا گرفته شد :-

نہ گئی چشم سے آنسو کی روانی آخر
رہ گئی یار کی الفت کی نشانی آخر
ہنس پڑا باغ میں بے تابی بلبل کو دیکھ
کھل گئی یار کی سب غنچہ دہانی آخر
موند کر آنکھ کو، کیا ذوق سے سویا تھا، حسیب!
نہ سنی حیف مری پیم کہانی آخر
دل ہے دل کی یک تسلی کو کچھ تو اپنا نشان دیو جاناں!

این دو بیت فتح علی خان بنامش می کرد :-

قواعد کیا ہے کھو راست جیوں تہر اے کماں ابرو!
کشش کر زور سے دل کھینچ پھر کیوں چھوڑ دیتے ہو
گلبدن! پھول کی مت توڑ تو ڈالی آرے
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی، آرے

حاجی میر علی اکبر رمّال "حاجی" تخلص - در علم رمل مہارت خوب میدارد و این فن را به نیکو ترین وجه می پندارد - رمالے در دکن (...) نیامد که باو خود دو چار شده باشد - آرے شہسوار این فن، و در گوئی زیب انجمن است - از لاہور که مولد اوست، در عمر بست و یک سالگی محمل سفر بسمت بیت الله بر بست، و در شاہجہان آباد سه ماه بمقتضاے قضا و قدر با کابران آنجا مثل مرزا مظہر جان جانان، و عبدالحی تابان، و مرزا رفیع سودا درخورد و بعده از اکبر آباد به گوالیر بر آمده به سر و نج رسید -

وهشت ماه در انجا تمکن گزیده، بدارالسرور چندے محمل انداخت۔ و از انجا عزم بیت‌الله بر خود مصمم کرده به‌سورت وارد گشت۔ و چهار ماه دران گل زمین بسر برده آخر بجهاز سوارشده در سه ماه بجده احرام بیت‌الله بربست و دو نیم سال درمکۀ معظمه و شش ماه در مدینۀ منوره سعادت حاصل کرده عازم این طرف گر دیده، دست بیعت بدامن خلاصۀ اولیاے دکن حضرت شاه یسین نذر یاری نورالله مرقده آویخت۔ تاریخ وفات آن بزرگوار حضرت میر غلام علی 'آزاد' چنین یافته اند۔

(تاریخ): —

شیخ عالی قدر، صاحب معرفت رحلتش آورد دلها رابدرد

گفت تاریخ وصال او خرد شاه یسین یگانه فوت کرد

و نیز عبدالقادر المتخلص به 'مهربان'، که احوالش نوشته خواهد شد، چنین گفته وهفت اعداد زائدرا بحسن تعمیه بر آورده۔

(تاریخ): —

شاه یسین آیت روشن ز آیات اِلٰه

کرد رو از عالم فانی بفردوس برین

هاتفی از چشم خود سیارها افشاندو گفت

سال تاریخ آیۀ یسین را تا مرسلین

بعده در خجسته بنیاد رسیده بکمال کامل بماند و از شاه 'سامی' ملاقات کرده شوق ریختہ‌گوئی پیدا کرد، چنانچه میگوید: —

میں ہر سخن میں 'حاجی' اب کیوں نہ درفشاں ہوں

استاد مجکو 'سامی' صاحب کمال بس ہے

عالمے را ز علم رمل و دیگر فوائد کثیرۀ متوا فره بفیض

رسانید، پس ازان در برهان پور به سید معزالدین خان شحنۂ آنجا سلمه الله العزیز که مرد خیلے قابل و قابل دوست است، در خورد و دو سال در آنجا بگذرانید- خان مذکور خدمت شایان بظهور آورد - و از آنجا مراجعت بطرف خجسته بنیاد نموده، چندے اقامت کرده، متوجه حیدرآباد گشت که در اثنائے راه باراقم سطور ملاقات دست داد، فقیر هم که ذله برمائدۂ فصاحت قابل دیده خود را در سلک تلامذه کشید و در علم رمل ماهر شد، و علم قیافه و اسرار قاسمی، در عجائبات و غرائبات هم اخذ نمود- مرا از راه کرم فرمائی چند کتب متداولۂ رمل مثل سرخاب، و زبدة الرمل، و لب لباب، و مفتاح مفاتیح، و رضوان الرمل، و هدایت الرمل از دستخط خاص نوشته به فقیر عنایت ساخت - و تقویم عمر راقم به علم اعجاز در دائرۂ ابدخ قلمی نمود - "جزاک الله فی الدارین خیرا" - القصه مرد رنگین مزاج و پاکیزه گفتار است - حق تعالیٰ دیر گاه سلامت دارد، و خیال خام لاهور از دلش بر دارد - باغبان قلمش چنین نخل می فشاند :-

بھٹکتے باغ میں پھرتے ہو کیوں اے عندلیبو! تم
چمن میں گل ہزاروں ہیں ولے اس گل کو آ دیکھو

رکھتا ہے آج قتل کا دل میں خیال توں
غصے کی تیرے ہم نے یہ نظریں پچھانیاں
رہتی ہیں رات دن ترے بس انتظار میں
روئیں نہیں تو کیا کریں آنکھیں نمانیاں

تن ہوا جل خاک میرا، دیکھہ کر رنگیں لباس
آتش اب دل کو لگی ہے جامۂ گلنار کی

مجھہ سے بولا دیکھہ کر دل نے دبستاں کی بہار
مکتبوں میں ہند کے ہے یوسفستاں کی بہار

بعضے مردمان معنی ناشناس، بیگانہ از سخن فہمی، اعتراض بر لفظ یوسفستان می آرند، محض باطل است - مرزا صاحب در قصیدہ می فرمایند :-

یوسفستان شد ز گل پیراہنا بازارہا
شد زلیخاے کہن سال جہان از سر جوان

ہمین مصرع را شاہ 'سامی' در مقطع ریختہ تضمین می نماید:

مصر میں 'سامی' نجا سن 'حاجی اکبر' کا سخن
مکتبوں میں ہند کے ہے یوسفستاں کی بہار

فقیر ہم، درین زمین، ریختہ بسلک نظم کشیدہ، و این مصرع را تضمین چنین نمودہ - (ریختہ): -

ہے نظر میں میرے اس گل کے دبستاں کی بہار
جس طرح بلبل کو یاد آتی ہے بستاں کی بہار

طفل آنسو کو مرے یک پل نہیں دل بیچ چین
کب خوش آتی ہے اُسے تجھہ بن گلستاں کی بہار

ہے سطر ہر ایک میری رشک زلف گل رخاں
کب برابر اُس کے ہے گی سنبلستاں کی بہار

چاہ کنعاں کی صفت، 'صاحب' سخن 'حاجی' کا سن
''مکتبوں میں ہند کے ہے یوسفستاں کی بہار''

این اشعار طبع زاد حاجی صاحب اند :-

چشم شہلا دیکھہ اُس کی ہوگیا مخمور دل
کیونکہ بھولے مجھہ سے ایسے نرگسستاں کی بہار
اُس کے دام زلف میں 'حاجی' ہوا پابند آج
ہے پریشاں جس کے آگے سنبلستاں کی بہار

کس کو طاقت ہے جو دم مارے تری چشموں سے اب
ایک آنکھیں سرمہ زا اور دوسرا سرمہ دیا
کوہ کن سا سہل سمجھا تلخی جاں کندنی
تجھہ لب کوثر کا جس نے شربت شیریں پیا

جب سنی جا کر ملے ہو صحبت خندوں میں جان !
کس طرح سے ہوگئے ہو 'شوخ' ابتر' الحفیظ

کل تو پیارے گھر میں تم آؤگے یا نہیں
اپنا جمال ہم کو دکھاؤگے یا نہیں
جلتا ہوں جیوں سپند تمھارے فراق میں
آتش تو دل کی جان ! بجھاؤگے یا نہیں

نہ بوجھو اور کچھہ مجکو' مگر بوجھو تو یہ بوجھو
اے شہنشاہ ملک خوبروئی ! تم گدا اپنا

درین جا بخاطر می رسد کہ یک زائچۂ ضمیر کہ دال بر کمال ما نیست نمایم تا اگر رسالی را ہم برین عبور افتد و علم آن مجمع کمالات در یابد بتاریخ ششم ماہ صیام سنۃ خمس و سبعین و مائۃ و الف ساعت مشتری قمر در برج خود یعنی در سرطان و آفتاب در حمل - فقیر سوال کرد کہ ضمیر

فقیر را از هر چهار دائره باید نوشت تا مطابق آید - ایشان زائچه کشیده‌اند، امهات این بود لیحان و ثقی‌الحدود و قبض الداخل —

ضمیر اصح عدد کبیر کبطام نوزده بود بر دوازده تقسیم کردیم، باقی هفت ماند، بخانهٔ هفتم رفتم باقی هفت ماند، بخانهٔ هفتم رفتم دران مقام مطروس بود، عدد ضمیر او دو بودند. بر سهم مثلثه ایثار کردیم، بخانهٔ هشتم رسید در انجا قائم قائمه بود - معلوم شد که سوال سائل از خانهٔ هشتم است و هشتم بهفت چیز تعلق دارد، چنانچه اول حیات و ممات، دوم خوف و خطر، سوم مال و معاش، چهارم مال دعوی، پنجم مال میراث، ششم قرض، هفتم تلف، دوازینها ضمیر بیرون باید بر آورد، حکم برلسان الامر کردم یعنے طالع ضاحک را با جلیده که در آنیة‌الرمل است ضرب کردم مطروس برآمد آنرا با مستولے که امطروس است ضرب کردم کو سبسج صامت بر آمد و عدد کبیر او شانزده بود آنرا بطرح هفت هفت بخشیدم باقی از طرح دو ماند و دوم محل خوف و خطر است که بصدر تحریر یافته، معلوم شد که سوال از خوف و خطر است که بصدد تحریر یافته معلوم شد که سوال از خوف و خطر اعداد واضد اد دارد حکم— نقی شکل آنست که بدائرهٔ اصح صاحب خانه هفتم است در خانهٔ دوم نشسته انرا با طالع ضرب کردم بضرب الداخل

برآمد و تکرار او در خانهٔ ششم و نهم و دوازدهم و سیزدهم در دو خانهٔ سعد و در دو خانه نحس که در ششم و دوازدهم است ، لیکن در انجا خط دارند که در مزاج و عدد خود اند و بدائرهٔ ابدخ نیز بخانهٔ خود نشسته که دوازدهم است باید که از دشمنین بے وسواس نباید بود که درکمین آند ؛ ایشان را حقیر نتوان شمرد و چهار کس تخم عداوت در زراعت وکینه کاشته اند و از مخدولان هیچ مضرت بسائل نخواهد رسید چرا که شکل سعد ازین تولد شده که در خانهٔ نهم است و بخانهٔ هشتم عتبهالداخل و شوزهد مثلثهٔ او نصرت الداخل هر دو سعد آمد و شکل دشمن عتبه الخارج است ، درین زائچه حاضر نیست ، و شکل طالع که لیحان است بخانهٔ خود و در خانهٔ طاق نشسته سائل را قوت بیشتر باشد و عاقبت آن دشمنان پریشان شده در سلک دوستي در آیند ـ مخفی نماند که نامهاے اشکال که در پرده واقع شده تصریح کردن ضرور یعنی کیطام و ضاحک لیحان را می نامید و امطروس قمر را می گویند وقائمه عتبة الداخل را مي نویسد و جلیده نصرت الخارج را و کوسج ساقط جماعت را نام نهاده اند و آئینهٔ رمل نام خانهٔ چهاردهم است —

ضمیر بدائرهٔ برذح در طالع لیحان بود و مطلوب خود را که هفتم او انگنیس است ظاهرا در رمل موجود نیست واو صاحب خانهٔ هشتم است پس معلوم شد که سوال سائل از طرف خوف و خطر ضد غائب است ـ حکم ـ لیحان که

بر طالع سائل آمد مطلوب خود را که هفتم او انگیس ماں در ظاهر وباطن رمل نیافته خوب بخانهٔ هفتم رفتم آنجا حمرہ بود او مطلوب خود را که عتبة الخارج است می خواهد آن هم در ظاهر و باطن نیست معلوم شد که هیچ کس مخالفت نکند واغلب باشد که باهم صلح رو دهد —

ضمیر بدائرهٔ سکن لیحان برطالع سائل آمده او شکل مفرد است نقاط هفت میدارد بر خانهٔ هفتم رقم در انجا حمره که صاحب خانهٔ هشتم است نشسته ضمیر از ضد و خصم بر آمد - حکم - اشکال سعد و نحس هر دو شمار کردیم برا بر رسیدند، همه حکم صادر شد - ضمیر بدائره ابدخ که این را مشرق الرمل می نامند و ضمیر و حکم از سیر نقطهٔ بیان می کنند- اکثر استادان بدین عمل نموده اند و درین فن کتابها مثل رسالهٔ شمس الدین حضری، و هدایت رامل، و شجرهٔ ثمرهٔ شیرین است که مثل ندارد و ضمیر و حکم از خانهٔ پانزدهم می گویند - چون در زائچه اصل میزان الرمل ابق بود آن زائچه را انقلاب و تدالوتد کردم امهات این شد نقبه عقله مرر

نقطه باوقبض الداخل دریا نزدهم حرکت کرده بسیزدهم آمد و از سیزدهم بدهم رسید بخانهٔ چهارم منتهی شد

و مطلوب خود را که با وطریق است در هشتم بقران یافته که خانهٔ خوف و دوستان است و باز از چهارم حرکت نموده در پنجم که عتبة الخارج است منتهی شد و مطلوب خود را که قبض الداخل است در پانزدهم یافته بنظر تسدیس کدنیم دوشبی است معلوم شد که سائل خوف و خطر از طرف دوستان غائب میدارد،

حکم نقطهٔ خاک از پانزدهم حرکت کرده بخانهٔ چهاردهم
و از چهاردهم بخانهٔ یازدهم و از یازدهم نشسته منتهی شو
با آنکه و مطلوب خود را در دوم رمل یافت باز حرکت کرده
بعقله پیوست داد- مطلوب خود را که درچهارم یافته باز حرکت
کرده در هشتم بطریق منتهی شد واو مطلوب خود که انکیس
است در ششم یافته گاهے قوي و گاهے ضعیف - براے آنکه نقطهٔ
خاک در خانهٔ باد چندان قوت ندارد و مطلوبات شکل هفتم که
اعداد و اضداد است گاهے یافته و گاهے نیافته اغلب که بچندے
نوع احوال سائل و مسؤل شود و یک نوع قرار بپذیرد ، گاهے
صلح و گاهے جنگ پیدا شود - اما عاقبت صاحب طالع بخیر
است - بر رمزدانان این فن محتجب نیست کہ رمل در لغت
بمعنی ریگ آمده است یعنی چونکه ریگ را شمار نتوان کرد
این علم را هم بحیطهٔ نتوان آورد و تسکین در علم کامله ساکن
شدن شکلے را گویند که در مرتبهٔ از مرتب خود پس مهر
ترتیبی که اشکال شانزده را که ترتیب دهند و هر شکلے را در
خانه از خانهائی شانزده ساکن گردانیده آنرا تسکین خوانند.
و تساکین درین علم بسیار است چنانچه مقابل هر نقطه از
نقاط افراد و ازواج اشکال شانزده گانه رمل که نود وششش است
نود شش هزار تساکین واقع است و ما فوق دران متصور نیست
و تمام دائره زمین عالم نیز نود و شش هزار فرسنگ است
ازان جمله هفتاد و دو هزار فرسنگ آب دارد ، و بست
وچهار هزار فرسنگ خشکی است ، و تساکین نیز موافق فراسخ
زمین است - دران جمله تساکین چند تساکین که اقوی اند اکثر

صاحب کتابان درج کرده ، آن هشت تسکین است - یکی بیوت ،
دوم ابدخ ، سوم مزاج ، چهارم شرف ، پنجم اصح ، ششم
حروف ، هفتم بزدح ، هشتم ایقع - از انچه درین ز انچه هر
چهار علم که حکم کرده اختصار میکنم و ماهیت هرچهار میطرازم -

اصح - این تسکین را هیچ قانونے نیست ، و قاعدهٔ کلی این
است که شکل سعد در خانهٔ سعد ، و در خانهٔ نحس شکل نحس
واقع است تا غائب منور بود و بسمع کس نرسیده و بسیار
خاص استاد ، حاجی حسن تبلی ، رحمه‌الله تعالی ظاهر نموده
این را جنوب الرمل گویند —

تسکین بزدح این را تسکین عدد هم میگویند و این تسکین
مشهور است ، بادریس و لقمان و پسر او ، درین تسکین نقطهٔ
آتش را دو عدد گرفته اند و نقطهٔ باد را هفت و نقطهٔ آب را
چهار و نقطهٔ خاک را هشت ، چنانکه لفظ بزدح پدید می آمد
این را معرب الرمل می نامند تسکین سکن این را دائرهٔ بیوت
نیز میگویند که اول وضع شده دائرهٔ سکن است و این تسکین
را حد آخری و تسکین آدم علیه السلام نیز می خوانند و این
تسکین مشهور است بدائرهٔ بیوت اختیار کردهٔ امام محمد بن
عثمان زما نیست که بدین تسکین عمل می نمود و این
تسکین را هیچ قاعده و قانونے نیست - صاحب "مرأت الخیوب"
نوشته که این تسکین را از منازل بهشت وهشتگانهٔ قمر برداشته
اند و هر شکل از اشکال این تسکین در خانهٔ خود پنج قوت
دارد ، اول ، عزت ، دوم ، قدرت ، سوم ، تهوّر ، چهارم ، امر
، پنجم ، [illegible] ، این را شهاب الرمل میگویند —

تسکین ابدح پیدائش آن این که چون مرتبهٔ عقل را بعد از نورالله تعالی گرفته اند و نور او سبحانه تعالی یکے ۔ پس مرتبهٔ آتش نسبت بعناصر دیگر اول باشد و عدد یکے است که چون مرتبهٔ عقل کل که بعد از مرتبهٔ نورالله تعالیٰ است و او دوم است عدد او دو باشد و ضعف نار، نیز دو باشد ازین جهت عنصر باد را دو گرفته اند ۔ پس عدد او دو باشد و او بعد از عقل کل عناصر اربعه است و او در مرتبهٔ سوم واقع است پس عدد او چهار باشد و دلیل دیگر آنکه عنصر آب در مرتبهٔ بعد از باد واقع ضعف باد نیز چهار باشد و پس عدد آب چهار باشد و بعد از عناصر اربعه کیفیات اوست که نفس کل است یعنی مراد از نفس کیفیات هنگامهٔ عناصر اربعه است که از شکل جماعت است و او در مرتبهٔ چهارم واقع است پس عدد او هشت باشد، بدانکه مراد از عقل نفس کل و کل دراین مقام از شکل طریق و جماعت است ۔ ازین مراتب حرف ابدح بیرون می آید و قاعدهٔ این تسکین آنکه هر عدد عنصری که کشوده است عدد خانه است —

"حسن" راست

جب تے سفر پی نے کیا تب تے غریب آوارہ ہوں

پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے کر

باب الطا

میر شمس الدین "طالع"

جوانے بود خوش منظر، پاکیزہ گفتار، شعر را بہ نہایت متانت می گفت، روز حیاتش در عین عنفوان جوانی مبدل بشام حجاب شد۔ آفتاب سخنہاے او چنین طالع می شود۔ در تذکرۂ فتح علی خان :-

جفاے یار کو ہم التفات یار کہتے ہیں
شفا و عاقبت اپنی کو ہم آزار کہتے ہیں
زبس معمور ہے سینہ گلوں سے داغ الفت کے
شگاف دل کو اپنے ہم در گلزار کہتے ہیں

عرصے میں ہے اے زاہد اس دور میں پیمانہ
مسجد کے تئیں جاویں کیوں چھوڑ کے میخانہ

آباد کر اے طالع تو چل کے بیاباں کو
مرنے ستی مجنوں کے ویراں ہے یہ ویرانہ

نجا ناصح کی باتوں پر وو تیرا درد کیا جانے
وہی کر تو ارے دل جس میں کچھ اپنا بھلا جانے



میرزا محمد اکبر "طپش"

تخلص۔ وطن آباء او بدخشان است، ہمراہ شاہ رخ میرزا

بادشاہ زادہ آن دیار وارد ہند شدہ و تا زمان فتح یاب خان شہید کہ از مشاہیر امرا و اولاد شاہ رخ میرزا بود بخدمت بخشی گری آنہا پرداختہ بسر برد - الحال از چند مدت توطن قصبۂ ندر بار گزیدند بارادت حضرت شاہ یسین قدس سرہ گردیدند —

'طپش' از مدت چہل سال مشق شعر را اختیار کردہ، پایۂ سخن بہ تکمل رسانیدہ، دیوان فارسی قریب شش ہزار بیت جمع نمودہ و شعر ریختہ ہم بہ مضبوطی تمام می گوید، و در فن کبت و علوم ہندیہ قدرت کامل دارد، و با این ہمہ کمالات بفروتنی و عجز و انکسار کہ لازمۂ کمال است، یگانۂ روزگار و بحدت فہم و ذکاے ذہن، و صواب راے، یکتاے عصر است - با میر 'مہربان'، کہ احوالش نوشتہ خواہد شد، کمال اخلاص و خصوصیت دارد، و میر 'مہربان' ہم زیادہ از حد تعظیم و توقیر او می پردازد - با فقیر ہم یک ملاقات دست دادہ، جوان قابل بہ نظر رسید - این قسم احوال و این قدر اشعارش بموجب فرمودۂ میر مہربان بقلم آمد "صداے دل طپیدنہاے او چنین اثر دارد"

سرمہ ریز آہ حسرت ہیں مری دل ریشیاں
سی لیا ہوں پی کی پلکوں سے کتا کر خویشیاں
کس گلی میں نہیں تمہاری زلف کا زنار کفر
تم بذا کس سے بن آتی ہیں یہ کافر کیشیاں
نہیں مرہون، بسکہ میں کسو، اوروں کی سنگلی کا
مرا داغ جگر اب سوں ہوا ھے ایک پتلی کا

باب الیا

انعام الله خان "یقین"

شهنشاه قلمرو سخندانی و یوسف کنعان معانی است -
طوطی شکر مقال از گلستان هند بر نخواسته که بآن عندلیب
هزار داستان سخن به تشابه گراید، و شهسوارے چابک خرام از
رایضان دکن پیدا نه شده که قصب السبق ازان فارس میدان
خوش تلاشی بر باید - بسیارے از شکر مقالان متین خیال پرهٔ
هم صفیری او برداشتند، آخر پشت دست بزمین نارسائی
بگذاشتند - و اکثر از نازک خیالان شیرین مقالی بمقابلهٔ او
برخاستند، آخر از قصور بگوشمالی خود پرداختند - ازوست :-

'یقین'، تائید حق سیں شعر کے میداں کا رستم هے
مقابل آج اُس کے کون آسکتا هے کیا قدرت

آرے عندلیب کلکش دم از عصاے هم دمی عیسوی می زند،
و مزاج عالیش معانی نازک می گزیند - هر قطرهٔ که از سحاب
خامه اش بچکید، آلی گران بها شد - و هر سطرے که ازو
سر زد، فرحت عطا کُن جانهاست - معنی آفریدان این زمان
از نام تضمین کلامش گرم بازاری می دارند، و خوش تلاشان
این عصر از اصغای نام نامیش دست بگوش میگذارند -
چنانچه می گوید :-

حق کو 'یقیں' کے یارو! برباد مت دو آخر
تم نے سخن کی طرزیں اُس سے اُڑائیاں ہیں

عزیزے می گوید :—

"رباعی"

جس طرح سے لاتے ہیں مضامین متیں
اشعار میں ریختہ کے 'سودا' و 'یقیں'
ایسا کوئی نہیں ہند میں، ہر چند کہ ہیں
'سجاد' و 'کلیم' و 'میر' و 'درد' و 'تمکین'

اگرچہ یقین است کہ میرزا 'سودا' در 'غزل' و 'رباعی' و 'مخمس' و 'مثنوی' و 'قصیدہ' و 'قطعہ بند' وغیرہ؛ اشعار ریختہ رتبۂ رفیع میدارد، و عالی تلاشی فراوان می نماید، لیکن در ریختۂ 'یقین' فصاحت و ملاحت دیگر است :—

(لمولفہ)

اگر ہزار برس تک یہ میرزا سودا
کرے جو فکر تتبع 'یقیں' کا از دل و جاں
کہیگا معنی باریک و خوب شیریں تر
ولے نزاکت و یہ لطف و یہ قبول کہاں

الحاصل 'یقین' یکتاے عصر و یگانۂ زمانہ است - چشم روزگار چنین معنی آفرینے نکتہ رس ندیدہ، و گوش سپہر دوار مثل این والا منشے آتش دم نشنیدہ- سخن سرایان والا گوہر، و آتش نفسان گرامی قدر، مصرع طبع زادش را چون خیال مصرع قامت خوبان بدل جامیدہند، و بیت نقش

بست کلکش را چون بیت "ابرو" بر چشم می نهند. فی الواقع اگر آن سحر پرداز، دعوی اعجاز می کرد، سخن سازان را بعجز ایمان آوردن چارۀ نبود - و این آیۀ گران مایه " و اعبد ربک حتی یأتیک الیقین،، زنگ شبه از آئینۀ دل میزدود و گلشن جاوید بهار نشن از آبشاری میرزا مظهر طراوتی پذیرفته، و این طوطی شیرین مقال، شکر بیانی از ان عنه لیب نغمه خوان چمن معانی گرفته است - و اکثر جا میرزا را از راه استادی یاد می کند، و حق شاگردی خود بزبان می آرد:—

جیوں نماز اپنے په صبح و شام لازم کر 'یقین'
حضرت استاد یعنی شاه 'مظهر' کی ثنا

و نیز در جاے می نویسد:—

سایه بے شخص ٹهرتا نهیں، کهتا هے 'یقین'
آپ سے مجهکو جدا حضرت 'مظهر' نه کرو

میرزا 'مظهر' جانجان چون چرب گفتاری 'یقین' باین درجه دید، با ریختهاے که پیش ازین سرزده و طبع 'میرزا' شده اکتفا کرده از شعر ریخته دست کشید —

'حکیم بیگ خان' روزے با فقیر نقل میفرمود که "انعام الله خان 'یقین' را در سنة تسع وستین و مائة والف ملاقات نمودم، مرد خوبے، متواضع بنظر رسید - اشعار خود بسیار خوانده و استعمال تریاک باوجود صغر سنی که (۳۰) سی نخواهد بود بحدے داشت که تمام رنگ رویش رنگ کهربا گرفت - بعد انتقالش اکثر اشخاص در همان سنه شهرت دادند و گفتند که این یوسف مصر سخندانی جوریافتۀ اخوان است بل مقتول

یعقوب اسمت ،، - انتهی مقاله - بنا بران از خاطر راقم السطور تاریخ وفات ' یقین' چنین بر خاست - تاریخ —

شاعر نازک سخن و خوش خیال   کرد سفر جانب ملک عدم
سال و صالش خرد نکته سنج   گفت ' یقین' رفت بسوے ارم

مخفی نماند که حکیم بیگ خان ' حاکم ' تخلص که نام ایشان به صدر تحریر یافت ، از خاندان بزرگ و از شعراے زبردست فارسی اند - با میان نورالعین ' واقف ' تخلص که در سخن فارسی داد سحر آفرینی میدهند وا حوال ایشان گذشت ' طرح ارتباط انضباط می دارند - چنانچه باتفاق یک دیگر از لاهور بتقریب زیارت مکه معظمه وارد این شهر شدند - اشعار فارسی خیلے درد آمیز می گویند - با فقیر در دولت خانهٔ حضرت میر غلام علی ' آزاد ' مدظله العالی ملاقات مستوفی دست داد و از سخندانی ایشان که هر یک بذله و لطیفه است طرفه دلبستگی رو نمود - حق سبحانه سلامت دارد ' و اشعار متقدمین و متاخرین در خزانهٔ حافظه بسیار موجود می دارند ' و باین فقیر بگرم جوشی تمام ملاقات می نمایند - درین ولا تذکرهٔ شعراے فارسی مسمی " بهردم دیده ،، تالیف ساختند - چون روزے بغریب خانه قدیم رنجه فرمودند ' راقم الحروف تاریخ آمدن ایشان چنین بنظم آورد - (تاریخ) :—

بکاشانه ام کرد ' حاکم ' کرم   مرا کرد ممنون خلق کریم
پئے سال تاریخ او هاتفم   ندا داد تشریف عبدالحکیم

١١٧٥

شخصے غائبانۂ فقیر بر لفظ عبدالحکیم که درمادۂ تاریخ واقع شده اعتراض بیجا نمود که نام حاکم " حکیم بیگ خان " است و عبدالحکیم نیست - این چنین تاریخ بتغیر نام بسیار می تواند بر آمد - لهذا بجواب آن می پردازد که وقتے حکیم بیگ خان بطرف حیدرآباد تشریف بردند، میان نورالعین سلمہاللہ تعالیٰ را در اینجا بیماری تپ ربع بشدت حائل شد، ایشان در اشتیاق ملاقات حکیم بیگ خان چون غزل شانزده ابیاتی بقلم آوردند، همین اسم را صریح بیان کرده، این سه بیت ازان است :—

شاه عبدالحکیم : زود بیا — رفتی و من سقیم، زود بیا

مهربان تازه معلوم است — اے شفیق قدیم ! زود بیا

هست نام تو ورد ' واقف ' را — شاه عبدالحکیم ! زود بیا

' و همین ' تاریخ حکیم بیگ خان ' حاکم ' از فقیر نوشته گرفتند و در تذکرۂ " مردم دیده " که جائے احوال فقیر نوشته پیوسته —

الحاصل ' پدر ' یقین ' اظهرالدین خان بهادر مبارک جنگ از ارکان شاه جهان آباد است - نبیسۂ حضرت شیخ مجدد الف ثانی و نبیسۂ نواب حمیدالدین خان مرحوم میشود - گل گشت دیوانش طبع را اهتزازے وا بتهاجے بخشد، اگرچه از اشتهار حاجت اظهار اشعار نهاده ، اما ان چند ریاحین از گلستانش بنا بر التزام شامۂ قلم را طراوت بخش میگردد :—

جو کچهه کهیں یه تجهکو ' یقین ' هے سزا تری

بنده جو تو بتان کا هوا ، کیا خدا نه تها ؟

اس قدر غرق لہو میں یہ دل زار نہ تھا
جب حنا کو ترے پاؤں سے سروکار نہ تھا

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوی ہیگی ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاروں میں
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

حقیقت میں یہ شعلہ عشق کا ہے برگ گل ورنہ
خلیل اللہ پر آتشکدہ گلزار کیوں ہوتا

کیا بدن ہوے گا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

میر محمد تقی "میر" در ترجمۂ یقین میطرازد کہ "اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را متبدل بند یافتہ ام، متبدل میگویند و توارد می نامند، گویا کہ این شعرا ستاد در حق ایشان است:-

هرچہ گویند بے محل گویند در توارد غزل غزل گویند

لاکن شعر 'یقین لفظاً لفظاً مبتدل زاے انند رام 'مخلص' است کہ گذشت۔ طرفہ تیر این کہ آنهم در سلیقۂ سرقہ یکہ بوده است۔ خدا داند کہ این معنی داصل از کیست، شعر این ست۔

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قباے کیست کہ وا می کنیم ما"

انتہی۔ ناچار مہر سکوت از دهن بر میدارم و حرفے 'بمانحن فیہ' می نگارم کہ کسانیکہ تذکرہ میںو سند واحوال ہر یک را از ستم ظریفی بیجا پر و پوچ بقلم می آرد او شاذرا چہ کوهر استفادہ بدامن می افتد، مگر اینکہ در دل خود نازان میشوند

که ما هم چنین هستم که بر چنین شاعران دخلها کرده ام و غافل ازین که "چاه کننده را چاه در پیش" مردمان در پس غیبت مصنف هرچه کلمات نا شائسته در حق او می گویند آرے :—

عیب مردم فاش کردن بد ترین عیبها ست
عیب گو اول کند بے پرده عیب خویش را

چنانچه مشاهده باید کرد که هرچه بد در حق ما کرده ، و یقین چه نیک نموده که کمر بر ایراد او بسته ایم مگر بر عیب گیری او خون بجوشے می آید و الفاظ چند بر جریده ثبت می ماند - اول می باید که خود را بیاراید ، بعد ازان بر دیگران ستم ظریفی نماید - خرد اصلاً مذاق سخن نمی دارد بر دیگران سخن می نهد - اگر در سخن او خطا و سرقه بگیرم بیتے از انتخاب او که آخر تذکرهٔ خود نوشته درست نخواهم یافت - لیکن در روز ازل رسام ارادت بقسمت ما نقش ننوشته که انگشت بر حرف کسان نهم و این توفیق حق سبحانه تعالی نداده که آهو گیری ابناے جنس خود می نمایم - باید که میر از زبان خود قائل می شود و داد کلامم می دهد - یعنے در جاے ترجمهٔ ' یقین ' می نویسد که او را شعر ' میرزا مظهر ' گفته می دهند ، و بجاے نوشته که شعر ' یقین ' لفظاً لفظاً متبدل راے انند رام ' مخلص ' است ، و نیز می گوید که او هم سلیقهٔ شعر درست نمی دارد - والله اعلم از کیست ، ازین دریافت باید کرد - و " علیٰ هذا القیاس " ما هم می توانم که تیغ زبان بر کشم و دخل در قلمرو سخن غیر بکنم - چنانچه مارا آن قدر احوال شعرا از نیک و بد معلوم است

که دیگرے را برو اطلاع یافتن مدتہا می کشد - لاکن از روز
شمار وسواس بخاطر راه می یابد، و اندیشه از ابداے نوع
دامن دل می کرد - لہذا ہر ادناے را بقدر مقدور خود به
نیکی یاد کردم و ہر جاے که در احوال آشنا مصرعے ثقیل
یافته از طرف خود ضم کردم، و بجاے غیر مصرعے نوشتم
و گفتم که این چنین ہم مصرع خوب می نماید، بار اختیار
پسند در قبضهٔ منصف است، خود چرا ترجیح باید داد
که من ازو بہتر یافته ام - آنانکه مبصراند، می پندارند.
'مرزا رفیع السودا'، در حق 'میر' گفته و گوهر انصاف
سفته - قطعه :—

ایک مشفق کے ہاں گیا تھا میں — سنیو یہ نقل اک عجائب ہے
اُسکے گھر میں ہے ایک مرد بزرگ — خوشنویسی کے فن سے کاسب ہے
راقم سر نوشت کا اُس کو — ہے بجا گر کہوں کہ نائب ہے
کہنے لاگا وو اہل مجلس سے — آہ یہ نفس شوم غالب ہے
ورنہ لکھنے سے ہاتھ اُٹھاتا میں — کیا کروں فکر قوت واجب ہے
میں جو پوچھا سبب کہامت پوچھ — بات کہنے کی یہ نامناسب ہے
لیک اس واسطے میں کہتا ہوں — درد سننے کا تو جو طالب ہے
ہے جو کچھ نظم و نثر دنیا میں — زیر ایراد 'میر' صاحب ہے
ہر ورق پر ہے 'میر' کی اصلاح — لوگ کہتے ہیں سہو کاتب ہے

پس شاعر را می باید که کلمهٔ بدی کسے تا حدالمقدور
نه بر طرازد، و بنا بر ناخوشی بر شعر او دخلہا روا نداشته
از انصاف نگذارد، و همگنان را مثل خویشتن پنداشته عیب
پوشی نماید - زیرا که گفته اند :—

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضا همه انگشتها یک دست نیست

قبلهٔ دارین حضرت میر غلام علی 'آزاد' می نویسد - فقیر بجنس عبارت را نقل می نماید که ''مقتضاے حسن ظن آنکه اشتراک مضامین را بر حمل توارد کنند تا که محل حسنے داشته باشد' چرا در پۓ عمل دیگر روند - علامهٔ تفتا زانی در مطول نقل می کند ملخص کلامش این حکم سرقه وقتے کرده شود که اخذ ثانی از اول یقینی باشد' والا احکام سرقه مترتب نمی تواند شد' و از قبیل توارد خواهد بود و در صورتے که اخذ ثانی از اول معلوم نباشد' باید گفت که فلان شاعر چنین گفته است' و دیگرے سبقت برده چنین یافته' و باین حسن تغیر مغتنم داند فضیلت صدق را' و محفوظ دارد خود را از دعواے علم بغیب' و نسبت نقص بغیر'' - انتهی - اگر کسے بنظر تفتیش ملاحظه کند' کم شاعرے را از توارد مضامین خالی یابد - چه احاطهٔ جمیع معلومات خاصهٔ علم حضرت الٰهي است' بغائبانه خامهٔ معنی نگار تیرے بتاریکی می افگند' چه داند که صید وارسته است' یا بال و پر بسته - ابو طالب 'کلیم' خوب گفته' و گوهر انصاف سفته :-

قطعه

منم کلیم به طور بلندی همت
در استفادهٔ معنی بجز خدا نه کنم
بخوان فیض الٰهی چو دسترس دارم
نظر به کاسهٔ دریوزه و گدا نه کنم

ولے علاج توارد نمی توانم کرد
مگر زبان بہ سخن گفتن آشنا نہ کنم

لمؤلفہ

مجھہ پاس وو رنگیلا جب بےحجاب هووے
جو حرف منہ سے نکلے، سو انتخاب هووے
گر میری شعر خوانی اِس وقت میں سنے تو
بلبل کا دل حسد سے جل کر کباب هووے
هر سطر هے گی میری جیوں زلف گلعذاراں
سنبل بهی جس کے دیکهے پیچ اور تاب هووے
مدت سے میرے دل میں هے گی یهی تمنا
میں هوؤں اور میرا حاضر جواب هووے
خدمت میں اُسکی میں بهی کچهہ حال زار بولوں
وهاں سے بهی مجکوکچهہ کچهہ حکم اور خطاب هووے
گر شعر خوب اپنا اُس کے پڑهوں مقابل
تحسین مجهہ پہ اس کی جلد اور شتاب هووے
ور سقم هووے اس میں اور نقص هووے ظاهر
دیوے خبر سخن میں تا آب و تاب هووے
'صاحب' سخن یہ میرا تو سانچ کر سمجهیو
تجکو گمان اور شک، مت اب حجاب هووے
دانستہ میں نے مضمون باندها نهیں کسی کا
محتاج غیر کا کب اهل نصاب هووے
لیکن یہ خوف مجکو هوتا هے آکے حائل
دل سے جو شعر تازہ جب انتخاب هووے

ہو جاوے ناتوارد کس سے مجھے الٰہی
'تا نزد خوردہ چنداں' خوردہ حساب ہووے
لاچار ہوں الٰہی اس کے علاج سیں میں
تیرا ہی فضل خاصہ مجھ پر شتاب ہووے
وو کونسا ہے شاعر جس کو نہیں توارد
دریا وو کونسا ہے جو بے حباب ہووے
کس واسطے کہ تیری قدرت کا، نہیں ہے ممکن
یک شخص ناتواں سے سارا حساب ہووے
یا فضل ہووے تیرا یا چھوڑ دوں سخن کو
نزدیک خوردہ چنداں تب آب و تاب ہووے
اس بیت پر کیا ہے دل نے تمام قصہ
یارب دعا کو اِس کی اثر اب شتاب ہووے
برباد تو دیا ہے سب شاعروں کے گھر کو
تیرا ارے توارد! خانہ خراب ہووے

بعضے اشخاص سخن چین بر این بیت 'یقیں' ایراد می برآرند که این مضمون از لسان الغیب شیرازی قدس الله سرہ است :-

اس داغ دار دل کو گاڑو نہ ساتھ میرے
ڈرتا ہوں مت لگے اُٹھ آتش مرے کفن میں

بیت حضرت خواجہ اینست :-

بگشاے تربتم را بعد از وفات و بنگر
کز آتش درونم دود از کفن برآید

بر رمز دانان مزاج سخن مختفی نیست که 'یقیں' در کلام

خود لطافتے خاص می دارد و خوبی بستگی از اول احسن درو است :-

شاهد معنی که باشد جامهٔ لفظش کهن
نکته دانے کو حریر تازہ پوشاند خوش است

عارف "جامی" قدس اللہ العزیزهم درین باب می فرمایند - (قطعه)

معنی نیک بود شاهد پاکیزه بدن
که بهر چند درو جامه دگر گون پوشند
کسوت عار بود باز پسهن خلعت او
گر نه در خوبیش از بیشتر افزون پوشند
هنر است این که کهن جامهٔ پشمین زیرش
بدر آرند و درو اطلس وا کسون پوشند

مخفی نماند که درد انسبت فقیر موزونان بر چار قسم اند - یکے آنکه شعر کسے را بے تفاوت الفاظ و معانی بنام خود خوانند، این حاجت تمثیل نیست - ' دوم ' آنکه معنی لطیف کسے دیده بتفاوت الفاظ تغیر داده بخود نسبت دهد ' برین حمل توارد هم میتوان کرد ' اما بترکیب بستگی او نظر باید نمود که در هر که نزاکت خاص باشد ' مقبول باید داشت - ' سوم ' جماعتے اند که روا دار مضمون و الفاظ غیر اصلا نمی شوند اگر توارد اُفتد ' این امر علحده است - لیکن تا مقدور بعد تحقیقات از دیوان خود حک میکنند که اول قبیح باشد ' یا احسن - این را همت عالی می باید ' از هر کسے نمی تواند شد - ' چهارم ' گروهے اند که مضمون زبانے بزبانے دیگر باحسن وجه بیارند ' چنانچه مضمون فارسی بریخته ' و مضمون کبت بفارسی -

علی هذا القیاس - این امر را احسن پنداشته اند ودورانام نهاده، اما در بستگی او قصور راه نیابد - چنانچه چند ابیات ازین قبیل به جهت استشهاد می آرد :—

شب مرا تا بروز خواب نبود
درد دو چشمم بغیر آب نبود 'حسن'

آج کی رین مجکو خواب نہ تھا
دونوں آنکھوں میں غیر آب نہ تھا 'ولی'

اے 'حسن!' یار گر خطائے کرد
هم شکایت از و ثواب نبود 'حسن'

گلۂ شوخ اے 'ولی' کرنا
هر کسی کن مجھے ثواب نہ تھا 'ولی'

بلبم رسیده جانم تو بیا که زنده مانم
پس آزانکه من نمانم بچه کار خواهی آمد 'خسرو'

اس وقت میں جو مجھ تک پہنچو تو واہ وا ہے
کہ قصد بعد میرے تم نے کیا تو پھر کیا 'سودا'

و گرنه رتبۂ نظم است از چه رو 'صائب'
مقام بر سر چشم است بیت ابرو را 'صائب'

مت شعر پر تو چشم حقارت سے کر نظر
مانند ابروؤں کے انکھیاں پر ہے جاے بیت 'ولی'

رفتی و از فراق دو چشمم بگریه شد
چون ابر نو بهار سفید و سیاه و سرخ 'خسرو'

ہوا ہے برشکالی کی مری انکھیاں میں آدیکھو
سفیدی ہے' سیاہی ہے' شفق ہے' ابر باراں ہے 'لااعلم'

متاع وصل جانان بس گران است
که این سودا بجان بودے چه بودے 'خسرو'

ہے متاع وصل جاناں بس گراں بشہربیگ
جان سے ہوے سودا تو کیا ارزان ہے 'عاشق'

هرچه می خواهی طلب کن 'صائب' ازشاہ نجف
منتے گر میکشی از مرد می باید کشید 'صائب'

ہر کسی نا مرد کی کیا التجا کیجے 'مراد'
التجا گر کیجئے با شاہ مرداں کیجئے 'مراد'

رویش سیاہ سازند نام آوران عالم
هموار گر عقیقی از بہر نام گردد 'صائب'

نگیں مانند حاصل ہے اُسے آخر سیہ روئی
جسے خواهش ہے اے 'داؤد' جگ میں نامداری کا 'داؤد'

گر سوز عشق بلبل نالان اثر نکرد
پیراهن گل از چه گریبان دریده شد 'مردمی'

گر نہیں ہے نالۂ و فریاد بلبل کو اثر
غنچۂ گل نے کیا ہے بے سبب کیوں جامہ چاک 'داؤد'

عام حکم شراب می خواهم
محتسب را کباب می خواهم 'خسرو'

عام حکم شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں ' میر تقی میر '

بظاہرم منگر گرچہ در نظر سبزم
مثال برگ حنا باطنم پر از خون است ' لااعلم '

باطن میں خوں ہوا ہے مرا دل عجب نہ کر
ظاہر میں گر ہے رنگ مرا سبز جیوں حنا ' داؤد '

روز بد یارے نمی آید ' زمان را دیدہ ام
سایہ ہم در زیر پا ' کم می شود وقت زوال ' دلاور خان نصرت '

عارف الدین خان ' عاجز ' این مضمون را می بندد :—

یار جانی روز بد رہتے ہیں ثابت ' ورنہ جان
چھانوں بھی پھرتی ہے ایدھرسیں اودھر وقت زوال ' عاجز '

وقت بد میں کیا کسی سے ہے رفاقت کی اُمید
جب زوال آتا ہے ٹل جاتا ہے سایہ سا رفیق ' عاشق علی خان عاشق '

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم ' غنی '

خط سبز آفت جاں تھا ' مجھے معلوم نہ تھا
دام سبزے میں نہاں تھا ' مجھے معلوم نہ تھا ' فدوی '

سوار شد مگر آن بادشاہ کشور حسن
کہ آفتاب کشادہ نشان زرین را ' لااعلم '

ہوا سوار وو شاید مرا شہنشۂ حسن
کہ آفتاب نے زریں نشان کھول دیے ' سودا '

اے باد صبا ادب ضرور است
این مشہد ماست گلستان نیست 'مظہر'

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہیں 'یقین'

از تو دل بر کندم و بستم بدلدارے دگر
قحط آدم نیست جاے دیگر و یارے دگر 'لااعلم'

یک دگر جب خفگی آئی تو جگھڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت، مجکو طرحدار بہت 'قایم'

در دل (غمگین) تمناے گل و شمشاد ماند
تا قیامت این ستم بر گردن صیاد ماند 'سراج'

فصل گل کا غم دل ناشاد پر باقی رہا
حشر لگ یہ مظلمہ صیاد پر باقی رہا

نباشد در کنار مادران اطفال را خوفے
چہ شیرین اصطلاح است این مادر را اماں گویند 'خسرو'

نہیں ڈرتے کسی سے اپنی ماں کے پاس جب لگ ہیں
میں اب سمجھا اماں اس واسطے کہتے ہیں سب لڑکے
عاشق علی خاں 'عاشق'

سرشکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن
بیا در کشتی چشمم نشین و سیر دریا کن 'لااعلم'

گر آرزو ہے تجکو تالاب کا تماشا
کشتی میں چشم کے آ دیکھ آب کا تماشا 'سراج'

از ابروے کج تو دلم کے رہا شود
نشنیدہ ام کہ گوشت ز ناخن جدا شود 'سراج'

تیرے ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز
گوشت ناخن سے کہوں کوئی جدا ہوتا ہے 'تابان'

ترا کہ آئینہ از بہر جلوہ درکار است
دلم ہر آئینہ مشکن، زیان سرکار است 'سراج'

نہ توڑ آئینہ اپنے دیدار کا
زیاں خوب نیں اپنے سرکار کا 'دردمند'

در فراق تو چہا اے بت محبوب کنم؟
صبر ایوب کنم، گریۂ یعقوب کنم 'لاأعلم'

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا، گریۂ یعقوب کیا 'مضمون'

از تف عشق تو آرام دل بیتاب است
قائم النار کہ دیدیم ہمیں سیماب است 'افتخار'

عشق میں کیا ثابتی ہے اس دل بیتاب کو
برقرار آتش اپر دیکھا اسی سیماب کو 'منہ'

اے بدانہ اشک در احصاے ایام فراق
آبلہ افتادہ است در پنجۂ مژگان ما 'ارشد'

دانۂ اشک سیں دن ہجر کے گنتے گنتے
چھالے پڑگئے ہیں مرے پنجۂ مژگاں کے بیچ 'شاہ فخرالدین'

از کوے تو بکعبہ روم یا بہ بتکدہ
اے پیر رہ بگو کہ طریق ثواب چیست 'جامی'

کعبے کو سجدہ کیجے یا بت کی پوجا کیجئے
اے طریقت کے خضر! کہہ ہم کو اب کیا کیجئے 'حاجی'

یار ما هرگز نیازارد دل اغیار را
گل سراسر آتش است، اما نسوزد خار را 'لادری'

یار میرا نہیں ستاتا ہے کبھی اغیار کو
گل سراسر آگ ہے پر نہیں جلاتا خار کو 'انور'

عاشقان را سہ علامت اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و دیدہ تر

رخ زرد و لب سرد و نین تر
بھی ہے عشق کی یارو علامت 'ہادی'

بسکہ دل در فرقت آن دلربا بیتاب شد
چادر مہتاب ما را بستر سیماب شد 'صاحب'

بسکہ دل ہجر سوں دلدار کے بیتاب ہوا
فرش مہتاب مجھے بستر سیماب ہوا 'داؤد'

بوسۂ بے ادبم آن قدر آورد ہجوم
کہ لب لعل ترا فرصت دشنام نبود 'غنیمت'

بے ادب بوسے نے میرے اس قدر جھومر کیا
لعل لب کو تیرے کچھ فرصت نہ تھی دشنام کی 'صاحب'

میر اولاد محمد 'کامیاب' —

در طرہ ات زدل بفلک شور میرود
آواز زار نالی شب دور میرود

زلف اُس کی میں شور مت کردل دور جاتی ہے رات کی آواز

نواب سالار جنگ بہادر 'کاہ' تخلص:—

سوائے حیدر کرار شاہ مرداں کیست
کہ ذوالفقار با و داد حق، نبی دختر

سوائے اُس کے کہو کون شاہ مرداں ہے
خدا نے تیغ دیا اور رسول نے دختر منہ

شرم می آید ز قاصد طفل محجوب مرا
بر سر راہش بیاندازید مکتوب مرا 'نظیری'

شرم آتی ہے مرے قاصد سے اس محجوب کو
راہ میں کوچے کے میرا ڈال دو مکتوب کو 'صاحب'

بروز حشر شہیدان چو خون بہا طلبند
تبسمے کن و خاموش کن زبان ہمہ 'ملا ملک قمی'

بروز حشر شہیداں جو خوں بہا مانگیں
تبسم ایک کر اور کر زبان سب کی بند 'صاحب'

گر ترا خواہش قتل است بیا بسم اللہ
دم شمشیر تو و گردن ما بسم اللہ 'ناصر جنگ ناصر'

گر تجھے قتل ہے منظور چل آ بسم اللہ
تیغ موجود ہے، حاضر ہے گلا بسم اللہ 'صاحب'

این چند اشعار آبدار کہ مضمون او بدوہا آمدہ تحریر
می شود کہ خالی از فائدہ نیست:—

ہزار غوطہ بخوردم، درے بکف نرسید
سزاے بخت من اینست گناہ دریا چیست 'خسرو'

سنهر دے کے هم لتّهن یا موتن کے لاگ
ساگر کوکیا دوش هے جوهیں همارے بهاگ — 'لااعلم'

یار هر سو که رود ' دیده همان سو گردد
چشم من خاصیت قبله نما پیدا کرد — 'لااعلم'

سب هے تئیں سمهات نهیں جلت سیں دي بیته
وا هے نهن تهرات په قبله نما یو ڈیٹهه — 'بهاري'

غم عشقت زبس بگداخت جسم نا توانم را
هما عینک نهد تا باز بیند استخوانم را — 'شوکت'

کرے بره ایسے تا گیل نجهاندے نیچ
دیتی هوں چشمان جگن چاهے لے نمیچ — 'بهاری'

زبسکه درد تو درجان ناتوان من است
هلاک من طلبد هر که مهربان من است — 'تقی احدی'

کیا کهوں وا کے د ساهر راپن کے ایس
بره احوال لکهیں مر بو بهیو اسیس — 'بهاری'

این چند ابیات در تواردات شعراے ریخته گو که بنظر راقم سطور رسیده است بتحریر می آیند:-

همارے بعد ساقی قلقل مینا نه هووے گا — 'میر'
مئے گلگوں کا شیشه هچکیاں لےلے کے رووے گا — محمد تقی میر

تمهاری میکشی میں اب نهایت جبر هوتا هے
مئے گلگوں کا شیشه هچکیاں لے لے کے روتا هے — گهن

فو جات اهل مصرع را همون طور شهید ...

مغاں مجھ مست بن شرمندۂ قلقل نہ ہوویگا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

یہاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اُس کے منہ ستی بے اختیار حیف 'بیان'

ایسی بری طرح سے موا ہوں کہ جو سدا
نکلے ہے اُس کے منہ ستی بے اختیار حیف 'رنگین'

ہر قطرہ اشک میں ہے ظاہر جمال گل‌رو
پانی میں جیوں عیاں ہے مہتاب کا تماشا 'سراج'

صورت مہتاب وو ظاہر ہے میرے اشک سوں
جلوہ گر جیوں آب دریا میں ہے عکس ماہتاب 'داؤد'

جان! تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
کیا بھروسا ہے زندگانی کا 'آرزو'

یک نظر خوش گذر غنیمت ہے
کیا بھروسا ہے زندگانی کا 'کمال'

اشک گرم و آہ عاشق کے سے، تو پرہیز کر
خوب ہے پرہیز، جب ہو مختلف آب و ہوا 'آبرو'

دم سرد و دل سوزاں سے اے نازک طبیعت ڈر
ہوائیں مختلف ہیں اس ستی پرہیز لازم ہے 'پروانہ'

کیا مچائی اُن نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبے میں، بت خانے میں دھوم 'سودا'

ایک تیرے جلوۂ حسن جہاں آرا سیتی
شور کعبے میں پڑا ہے اور بتخانے میں دھوم 'شرافت'

تجھ لب شیریں کی حسرت میں مثال کوہ کن
کب تلک اے گبر بے انصاف' میں ترساکروں 'حاتم'

ایک دن تو وصل کے وعدے سے مجکو شاد کر
کب تلک اے گبر بے انصاف ترسا کیجئے 'صادق'

عاشق علی خاں 'عاشق' :—

دیکھ کر تیرے پانوں کی مہندی مجکو تلووں سے آگ لاگے ہے

آگ لگتی ہے مجکو تلووں سے
جب حنا پانوں کو لگاتے ہو 'داؤد'

نوازش علی خاں 'شیدا' را ہم این مضمون توارد افتادہ :—

یار کی دیکھ پانوں کی مہندی مجکو تلوں ستی لگے ہے آگ

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں
پائوں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں 'حزیں'

دامن تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جانفشانیاں 'سراج'

دیکھئے کس طرح ہووے یکدگر صحبت برار
وو قیامت سخت گو ہے میں غضب نازک مزاج 'بیان'

تم قیامت تند خو اور میں غضب نازک مزاج
اس طرح کیونکر نبھے گی .... 'پیار'

یاراں! جہاں کے سیم تناں سب ہیں لالچی
عاشق ہو تب کہ پہلے یہاں فکر زر کرو 'حاتم'

لالچی دیکھے ہیں ہم نے دلبر و محبوب سب
وصل کی خواہش ہو گر تو زر کو پیدا کیجئے 'حاجی'

دام الفت نے کیا مجکو اسیر کا کل
ورنہ کیا کام تھا اس جال میں پھس جانے کا 'انور'

کیا کروں تجھہ دام الفت نے کیا مجکو اسیر
ورنہ مجھہ آزاد کو ذوق گرفتاری نہ تھا 'احقر'

چون بجہت این مز خرفات انتخاب دیوان ولی دست داد این مصرع بعینہ بنظر در آمد :—

ہوا ظاہر خط روے نگار آہستہ آہستہ
کہ جیوں گلشن میں آتی ہے بہار آہستہ آہستہ 'ولی'

در دیوان عبدالہادی چنین دیدہ شد :—

چلا آیا ہے میرے پاس یار آہستہ آہستہ
کہ جیوں گلشن میں آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

راقم الحروف را ہم قبل از اطلاع این مصرع توارد افتادہ :—

خیال اُس کا کیا دل میں گذار آہستہ آہستہ
کہ جیوں گلشن میں آتی ہے بہار آہستہ آہستہ 'صاحب'

برغوامض شناسان سخن، و رمز دانان این فن، مخفی نیست کہ 'یقین' چہ راہ سلامت روی اختیار کردہ و خون از رگ اندیشہ چکانیدہ، یعنی بجز پنج بیت یا زائد ریختہ را نگفتہ و در یک زمین مکرر ریختہ ہا طرح کردہ ۔ اگر کسے بنظر

انصاف انتخاب کند که هر بیتش طرز علیحدہ می دارد و هر سیه چردۂ سخنش دلبرے تازہ می نماید ۔ لیکن از عیب چینان پوچ مزاج چارۂ نیست ' زیرا که ایشان را نظر بر طرف آهو گیری می باشد و غافل ازان که " الانسان مرکب من السهو والنسیان " بشرے مشاهدہ نیفتاد که ملوث بشر* نیست و عاقلے بنظر نیامد که نقطۂ نقص غفلت بسر نه ' هرگاه که اینها بقصور خود اعتراف نموده باشند ماپستی گزینان حضیض امکان را چه قدرت که خود را چه اسفل را چه طاقت که خویشتن را افضل تر مخلوقات ... این همه بے عیبیها سزاوار بذات کردگارے است که شیرازۂ کتاب عالم را بر پشته هاے گونا گون و مختلفه آراسته ' و گلدستۂ گلهاے آفرینش را با رنگ و بوے بو قلمون و جداگانه پیراسته - میر محمد میر ' بنده ' تخلص که ذکرش گذشت ' در بیان حرف گیران چه خوش می گوید — مثنوي

سنو نکته چینوں کا مجهه سے بیاں
که اُن کی حقیقت هے سب پر عیاں
کسی کا اگر شعر هے خوب و صاف
و لیکن وو جالے زراہ خلاف

که اس شعر میں کچهه نہیں بند و بست
هر ایک جاے پر بحر میں هے شکست

کسی کا هے مضموں اگر دل نشیں
تو کہتے هیں وہ سارے از راہ کیں
یه مضمون مدت کا هیگا قدیم
که اِنکو کہا هے اسیر و کلیم
کسی نے اگر تازہ مضموں پڑها
که جس کے معانی هیں بس بے بہا

---

* به ' شر = برائی —

تو کہتے ہیں وہ نکتہ چیں از حسد یہ مضمون کسی سے نہیں ہے سند

اے 'صاحب' سررشتۂ سخن از کجا بکجا رفت ' ہاں! بہ ہوش که عمر گذران است —

پرتو عمر چرا نیست که در بزم وجود
به نسیمی مژه برهم زدنی خاموش است

اشعارے که درین جا نوشتنی است' بنویسی! تا دیدۂ نظارگیان را نور و دل سائران را سرور پیدا شود - از 'یقین' است :—

آپ سے جب الگ نتھا واقف کہاں تھا یہ شکوہ
دیکھتے ہی آئینے میں مُنہ سکندر ہوگیا

ناصح! جو یہ نصیحت بیجا نہ میں سنی
معذور رکھیو مجکو مرا دل بجا نتھا

مجھے پھر دکھہ دیا تونے منڈا کر سبزۂ خط کو
جراحت کو میرے و مرہم زنگار بہتر تھا

تری جدائی میں کیا کیا جفا اُتھائی ہیں
مرے جو پاس تو آتا وفا سیں دور نتھا

ارے واعظ ہمارے پاس ہے آتش محبت کی
که جسکو دیکھہ زہرہ آب ہوجاوے جہنم کا -

سبھی مرتے ہیں خوش وقتی پہ' جی دیتے ہیں شادی پر
تکلف بر طرف یہ نوحہ گر باندہ * ہے ماتم کا

لذتیں ساری گرفتاری کی جاتی ہیں بباد
جب قفس میں یاد آتی ہے گلستاں کی ہوا

* باندہ = بندہ بمعنے غلام' باندي بمعنی لونڈی اسی کی تانیث ہے -

کیوں نہ ہو تر دامنوں کو شست و شو کی آرزو
مے کشاں پر آیۂ رحمت ہے باراں کی ہوا

دماغ گل دھویں سیں خار و خس کے کردیا ناخوش
جلا کر آشیاں کو باغباں کے ہات کیا آیا

کیوں کر ملے ہو گل سیں جو آتی ہے خوش دماغ
اے بلبلو! چمن میں مگر باغباں نہ تھا

دیا برباد راز عشق اس چاک گریباں سے
نہ رکھا بوے گل کی طرح میں نے ہات من اپنا

مجھے زنجیر کر رکھا ہے ان شہری غزالوں نے
نہیں معلوم میرے بعد ویرانے پہ کیا گذرا
'یقیں' کب یار میرے سوز دل کی داد کو پہنچے
کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروانے پہ کیا گذرا

اس کم نگہی میں کب بجھتی ہے عطش دل کی
ساقی! مجھے اتنی سی مے پینے سے کیا ہوے گا
مستوں کا غبار دل کچھ مے نے نہیں چھوڑا
زاہد! گذر اب تو بھی اس کینے سے کیا ہوے گا

ہمارا شور سن مجنوں کو بھولی طرز نالے کی
کوئی شیروں کے منہ پر تے بجا سکتا ہے کیا قدرت

یہ جیوے ہجر میں وو وصل میں بھی جی نہیں سکتا
تکلف بر طرف بلبل کو پروانے سے کیا نسبت
ارے دل مت توقع دلبروں سیں رکھ ترحم کی
لہو پیتے ہیں جو شخص اُن کو غم کھانے سے کیا نسبت

گل اُس کا داغ ہے اور آہ اُس کی سرو موزوں ہے
'یقیں' اسے نوحہ گر کو باغ میں جانے سے کیا نسبت

شیشۂ دل کے تئیں اپنے سنبھالے رکھہ 'یقین'
پھر کرے گا کون اُس کے پھوت جانے کا علاج

خانماں آنکھوں کا ہوتا ہے کوئی دن میں خراب
آنسووں کا جوش میں آیا ہے دریا بے طرح
بولنے تیرے سے جی اُٹھتے ہیں، جن میں جی نہیں
پھر مروج ہو چلا دین مسیحا بے طرح

باغباں بے رحم اور در بند، دیواریں بلند
بلبل بے بال و پر گلشن میں جاوے کس طرح
ہات سیتی جا چکا جب یار، تب آئی بہار
پی کے مے تنہا کوئی دھومیں مچاوے کس طرح

اب تلک ویراں پڑا ہے یہ جنوں کا پایہ تخت
پھر کسی نے بعد مجنوں کے نہ دی ہاموں کی داد

کیا خزاں نے کردیا ویراں گلستاں العیاذ
کس طرح سیں بلبلیں پھرتی ہیں نالاں العیاذ
لوگ اس وادی میں اب کرتے ہیں آہو کا شکار
بعد مجنوں کے ہوے بے کس غزالاں العیاذ

کس کا ماتم ہے 'یقیں' جو اس طرح روتا ہے ابر
کو کتی ہیں کویلیں اور مور تو کرتے ہیں شور
مجھہ سے بہتر کو کیا ہے جیوں نگیں حرف آشنا
کون پہچانے 'یقیں' بن حضرت 'مظہر' کی قدر

تعجب سخت رہتا ہے ' یقیں ' اس بات کا مجکو
کہ اتنا بولتے ہیں تلخ یہ شیریں دہن کہو نکر

عقل گر رکھتا ہے تو جب' ان دوانوں کو نہ چھیڑ
با غباں ! ان بلبلوں کے آشیانوں کو نہ چھیڑ

آہ و نالہ پر نہیں موقوف شہرت عشق کی
کس قدر ہے اس خموشی سات پروانوں کا شور

بلبلیں پہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھہ تو اُڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

گویا اُڑا دیا ہے کسو نے حنا کے تئیں
ایسا ہوا ہے فیض ہوا سیں غبار سبز

پروا نہیں ہے ابر کی ' اس مشت خاک پر
کر لینگے اشک سرخ ہمارا مزار سبز

موسم میں خط کے حسن سیں ایمن نہ رہ 'یقین'
کرتے ہیں بر میں جامہ بوقت شکار سبز

خاک پر مجنوں نے پی کر جو گرائی تھی شراب
سبز ہوتا ہے اسی سیں شجر تاک ہنوز

سبزہ اُوگے گا نہیں' مجھہ پہ برس مت اے ابر
گرم ہے آتش سودا سیں مری خاک ہنوز

کچھہ پر و بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
ہم ہوے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا
کہا خریدار نے پایا ہے خریدار کہ بس

جی سے میرے ساںورے کی لگ رہی ہے جستجو
جس طرح ہوتا ہے افیونی کو افیوں کا تلاش

مرے جنوں پہ نہ تنہا کرے ہے مجنوں رقص
کرے بگولے کی صورت بگڑ کے ہاموں رقص
یہ گردباد نہیں دشت میں، کہ کرتی ہے
مرے جنوں کے تئیں دیکھہ روح مجنوں رقص

گرمی اہل بزم سیں مت کر، کہ میں ہوتا ہوں داغ
شمع کی خدمت ستی اپنی ہے پروانے کی عرض

فصل جاتی ہے 'یقیں' اور باغباں سیں ایک بار
کوئی نہیں کرتا ہماری باغ میں جانے کی عرض

ہم سیں تھا ویرانہ تک آباد، سو ہم بھی چلے
اب خدا حافظ، تمہارا اے غزالاں الوداع

بے حجابی بسکہ شان حسن کے لائق نہیں
بزم میں فانوس سیں باہر نہیں آتی ہے شمع

خاکساری محو کر ڈالے ہے سب دل کا غبار
دور خاکستر ستی ہوتا ہے آئینے کا داغ

ہم تو اب مرتے ہیں اور بجھتا ہے الفت کا چراغ
دیکھئے پھر کب ہووے روشن محبت کا چراغ

مرے خوں سیں تو اندیشہ نہ کر اے بیوفا مطلق
کہ ہوتا نہیں ہے قتل عاشقاں میں خوں بہا مطلق

از بس سخن خوش کمر کے وصف میں ہے گفتگو نازک
قلم میرے سخن کو چاہئے مانند مو نازک

تعجب سخت رهتا هے ' یقیں ' اس بات کا مجکو
که اتنا بولتے هیں تلخ یه شیریں دهن کهو نکر

عقل گر رکهتا هے تو جب' ان دوانوں کو نه چهیڑ
باغباں ! ان بلبلوں کے آشیانوں کو نه چهیڑ

آه و ناله پر نهیں موقوف شهرت عشق کی
کس قدر هے اس خموشی سات پروانوں کا شور

بلبلیں پهم چلی جاتی هیں باغوں کی طرف
کچهه تو اُڑتی سی سنی هے گل کے آنے کی خبر

گویا اُڑا دیا هے کسو نے حنا کے تئیں
ایسا هوا هے فیض هوا سیں غبار سبز
پروا نهیں هے ابر کی ' اس مشت خاک پر
کر لینگے اشک سرخ همارا مزار سبز
موسم میں خط کے حسن سیں ایمن نه ره 'یقین'
کرتے هیں بر میں جامه بوقت شکار سبز

خاک پر مجنوں نے پی کر جو گرائی تهی شراب
سبز هوتا هے اسی سیں شجر تاک هنوز
سبزه اُوگے گا نهیں' مجهه په برس مت اے ابر
گرم هے آتش سودا سیں مری خاک هنوز

کچهه پر و بال میں طاقت نه رهی تب چهوٹے
هم هوے ایسے برے وقت میں آزاد که بس
آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا
کیا خریدار نے پایا هے خریدار که بس

جی سے میرے ممانورے کی لگ رہی ہے جستجو
جس طرح ہوتا ہے افیونی کو افیوں کا تلاش

———

مرے جنوں پہ نہ تنہا کرے ہے مجنوں رقص
کرے بگولے کی صورت بگڑ کے ہاموں رقص
یہ گرباد نہیں دشت میں، کہ کرتی ہے
مرے جنوں کے تئیں دیکھ روح مجنوں رقص

———

گرمی اہل بزم سیں مت کر، کہ میں ہوتا ہوں داغ
شمع کی خدمت ستی ایتی ہے پروانے کی عرض
فصل جاتی ہے 'یقیں' اور باغباں سیں ایک بار
کوئی نہیں کرتا ہماری باغ میں جانے کی عرض

———

ہم سیں تھا ویرانہ تک آباد، سو ہم بھی چلے
اب خدا حافظ، تمہارا اے غزالاں الوداع

———

بے حجابی بسکہ شان حسن کے لائق نہیں
بزم میں فانوس سیں باہر نہیں آتی ہے شمع

———

خاکساری محو کرڈالے ہے سب دل کا غبار
دور خاکستر ستی ہوتا ہے آئینے کا داغ
ہم تو اب مرتے ہیں اور بجھتا ہے الفت کا چراغ
دیکھئے پھر کب ہووے روشن محبت کا چراغ

———

مرے خوں سیں تو اندیشہ نہ کر اے بیوفا مطلق
کہ ہوتا نہیں ہے قتل عاشقاں میں خوں بہا مطلق

———

از بس سخن کمر کے وصف میں ہے گفتگو نازک
قلم میرے سخن کو چاہئے مانند مو نازک

جلتے بلتے سیں نہ مل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھہ
جی ڈھرکتا ھے مبادا لگ اٹھے دامن کو آگ

چمن آباد ھو اور باغباں کا خانہ ویراں ھوا
چلی گلزار سیں آخر کو یہ کر کر دعا بلبل
زیارت باغ کی کرتی ھے آنسو سیں وضو کر کر
جناب گل میں رکھتی ھے عجب صدق و صفا بلبل
جفائیں باغبانوں کی 'یقیں' کیا کیا اُٹھاتی ھے
وفا یوں چاھئے شاباش بلبل! مرحبا بلبل!

چمن میں مجھہ سے دیوانے کے لے جانے کا کیا حاصل
دکھاکر گل جنوں کو شور میں لانے کا کیا حاصل
جنھیں بالوں میں پھانسی دے وہ ھرگز جی نہیں سکتے
جو زلفوں میں پھنسا دل، اس کے غم کھانے کا کیا حاصل

نگہ تیری سے جیسے آئینہ میں آب حیراں ھوں
یہ باتیں سب سمجھہ کر جان شرمانے کا کیا حاصل
نہ وو دل ھے، نہ وو شور جنوں ھے، سیر گل مت کر
رفیقوں بن 'یقیں' گلزار میں جانے کا کیا حاصل

ھم نہ کہتے تھے کہ مت چھیڑ اِن دھواں دھاروں کے تئیں
خط کی صورت میں پڑا آخر نہ آھوں کا وبال
ناصح اُس دیوانۂ آشفتہ خو سیں مت اُلجھہ
سر پہ کیوں لیتا ھے ناحق بے گناھوں کا وبال

مے ھوئی آخر، رھی تدبیر غم کی ناتمام
کس سیں دل خالی کریں اب ھوچکا مینا تمام

تیری آنکھوں میں نشے نے اس قدر مارا ہے جوش
ڈالتے ہیں جس طرح بد مست میخانے میں دھوم
بوے مے آتی ہے منہ سے غنچے کے جوں بوے گل
کیوں ' یقین ' سے جان کرتے ہو مکر جانے میں دھوم

بن چاک سینہ بیچ محبت کی جا نہیں
جس گھر کا در کھلا نہیں اُس میں ہوا نہیں
کیوں چاہتے ہو میرے تپ عشق کا زوال
یہ درد خود دوا ہے اسے پھر دوا نہیں

کیونکہ ہوے شاداب رونے بن محبت کا چمن
سبز اشک سرخ سے ہوتا ہے الفت کا چمن

بمقدار جفاے یار بڑھتی ہے وفا میری
کوئی چاہے تو آدیکھے محبت اس کو کہتے ہیں
مے گلرنگ جیوں شیشے میں چھلکے 'معنی شوخی
نمایاں ہے تری صورت سے صورت اس کو کہتے ہیں
نہ کی تونے نظر اس کی محبت پر نہ محنت پر
ارے فرہاد کے قاتل ! عدالت اس کو کہتے ہیں

درد بن ہم کو کچھ اس لاگ سیں مقصود نہیں
عشق پھیکا ہے اگر داغ نمک سود نہیں

ہم تو حاضر ہیں عشق یار کہاں خاروخس جمع ہیں شرار کہاں
باغباں در نہ بند کر کہ دگر ہم کہاں ' تو کہاں ' بہار کہاں
سایۂ تاک میں بڑا ہے زور لہک وو شور پائیدار کہاں

مصر میں حسن کی وو گرمی بازار کہاں
جنس تو ہے ' پہ زلیخا سا خریدار کہاں

تابداں ہووے نہ اگر گھر میں تو اندھیرا ہے
ہے وو ظلمت کدہ جس سینے میں ناسور نہیں

تماشا کر تصور کو، کہ ایک ایک اشک سیں میرے
تری صورت نظر آتی ہے جیوں شیشے میں تصویریں
ہمیں بھی بات کہہ آتی ہے، لیکن دل نہیں حاضر
حیا سیں دور ہے ناصح! خموشوں سات تقریریں
'یقین' اقبال ہات آتا نہیں کچھہ جی کے جانے سے
نہیں ہووینگے ہم فرہاد، گر سوبار سر چیریں

مارے ہیں بتاں ٹھوکر، گر پاوں پہ سر رکھئے
ہیں بندگیاں ان کے آئین میں تقصیریں
اس عشق کے کشور میں یکساں ہے حق و باطل
پرویز کو دیں افسر، فرہاد کا سر چیریں
ناداں ہیں جو معنی چھوڑ صورت کی طرف جاویں
لڑکوں کو کتابوں میں منظور ہیں تصویریں

دوانہ مجھہ سا کب چھٹتا ہے، کیوں تدبیر کرتے ہیں
کوئی دن چلنے پھرنے دیں، عبث زنجیر کرتے ہیں

کوئی ان بلبلوں سے جا کر اتنا پوچھہ دے ہم کو
کہ خوب آباد ہے گلزار، خوش ہے باغباں ہم سیں

اس طرح آزاد کب صیاد چھوڑے گا تمھیں
بلبلو! دھومیں مچالیو، یہ گلستاں پھر کہاں

لڑکے کھڑے ہیں غمگیں، پتھرے پڑے ہیں بے کس
دیوانہ ہائے جب سیں جاتا رہا ہے بن میں

کم نہیں ہم بوجھتے کعبے سیں مے خانے کے تئیں
سجدہ ہم کرتے ہیں جیوں محراب پیمانے کے تئیں

ہجر میں جینے سیں، بہتر ہے ہلاک روز وصل
یہ طرح کیا خوب راس آئی ہے پروانے کے تئیں

خسرو کے منہ پہ چڑنا اور بیستوں سیں بھڑنا
کچھہ عاشقی نہیں یہ زور آزمائیاں ہیں

ہم تو چلے ہیں یارب آباد رکھیو ان کو
ان باغچوں میں کیا کیا دھومیں مچائیاں ہیں

لہو 'یقیں' کا جو پیتا ہے تو میں ڈرتا ہوں
خدا کرے کہ تجھے یہ غذا گوارا ہو

کیا ہے عشق ہم نے تجھہ سے ہمدم کے بھروسے پر
خدا کے واسطے اے آہ اُس دل میں اثر کیجو

ہو رہا ہے دل موا بے ربط منصوبے ہیں بند
جس طرح شطرنج میں پیادوں کے گھر جاتا ہے شاہ

یہ آدھی رات ہے اور شیشہ سے کاٹے سات تیرے
خدا حافظ ترا اے جان! جاتا ہے کہاں سچ کہہ

نمک ڈالا ہے مجھہ میں اے ہُما نور محبت نے
کہیں کھائے ہیں تونے اس مزے کے استخواں سچ کہہ

ہوں دور، پہ جی میرا راتوں کو ترے گھر پر
پھرتا ہے پڑا جیسے فانوس پہ پروانہ

روداد محبت کی مت پوچھہ 'یقیں' مجھہ سے
کچھہ خوب نہیں سننا افسوں ہے یہ افسانہ

مجکو تجھ بن جی سیں کیا مطلب ھے جیوے یا مرے
اختیار اُس کا ھے اس کے جی میں آوے سو کرے

مجھ سیں ھو جاتا ھے دشمن دیکھتے ھی دوست کوں
اس طرح کے بے مروت دل کو کوئی کیا کرے

نہ رکھہ اے ابر تو سر پر ھمارے بار منت کا
وو بادل اور ھیں جو آگ دل کی ھیں بجھا جانے

خفا ھو زندگی میں، مر گیا ھوں بسکہ ڈرتا ھوں
مبادا حشر مجکو خواب راحت سے جگا دیوے

بڑھاپے میں 'یقیں' کی جام مے سے دستگیری کر
شراب کہنہ ھے اس درد پیری کی دوا ساقی

دیت کا نام نہ لیجے خدا کرے کہ کبھوں
دیے سیں جی کے بھی قاتل کا حق ادا ھووے

اگر بھلے سیں ھمیں یاد کر نہیں آتا
کبھی برا ھی ھمیں کہہ ترا بھلا ھووے

یہ سب تو کرتے ھیں دعوائے عشق یار، کبھوں
جو آزمانے پہ آوے بڑا مزا ھووے

مناسب نہیں ھے شکوہ جور کا ان خوبرویاں سیں
'یقیں' کوئی بڑی باتوں کو اچھے منہ پہ کیا لاوے

یہ دل مملوک ھے خوباں کا کون اس کو چھپا رکھے
'بغل' میں کیونکہ مال بادشاھی کو دبا رکھے

دوستی بد بلا ھے' اس میں خدا
کسو دشمن کو مبتلا نہ کرے

رو مرے کو خدا قیامت تک
پشت پا سیں ترے جدا نہ کرے
ہے وو مقتول کافر نعمت
اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے
ناصحو! یہ بھی کچھ نصیحت ہے
کہ 'یقیں' یار سیں وفا نہ کرے

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سیں کیا کرے
اپنا ہی توں فریفتہ ہووے خدا کرے
خلوت ہو، اور شراب ہوے معشوق خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے، جو تو ہو، تو کیا کرے
قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

فتح علی خان این دو بیت کہ تحریر یافت بنام میرزا رفیع 'سودا، گرفتہ، و میر محمد تقی 'میر' ہم فقط مطلع این ریختہ را کہ بالا مرقوم شد، در ترجمۂ او نوشتہ - و فقیر را در اکثر دواوین 'یقین' این سہ بیت بہ نظر رسید، واللہ اعلم - لیکن از نہج بستگی این معلوم می شود کہ این ابیات لاریب از 'یقین' اند' - ہر کہ واقف طرز سخن گوئی ہر دو صاحبان است، زبان ہر یک می شناسد، و تفریق اشعار می نماید، این دو بیت کہ بقایا ہمین ریختہ بود بقلم آمد: —

جو کوئی کہ عرض حال کرے تجھ ستی مرا
اول بیان واقعۂ کربلا کرے

ہوتا ہوں خاک راہ وفا بوگماں 'یقین'
ہے دل میں یوں کہ شرط محبت ادا کرے*

یہ آرزو ہے کہ اُس بے وفا ستی پوچھوں
کہ میرے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے
اس اشک و آہ سیں سودا بگڑ نہ جاے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے
'یقیں' کا طور جنوں سن کے یار نے بولا
کوئی قبیلۂ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے

بتاں اپنی جفا سیتی نگذریں ہم وفا سیتی
'یقین' ہم جان و دل سے معتقد ہیں اپنی ہمت کے

'یقین' تقلید میں سر مت پٹک پتھر سیں' آ' بس کر
یہ ممکن ہے کہیں' ہر سر چرا فرہاد کو پہنچے

کوئی میداں نہ جیتا عشق کا فرہاد کے آگے
کسو نے دم نہ مارا تیشۂ فولاد کے آگے

مجھے ہجر چمن ہے موت یہ صیاد کیا جانے
جو گذرے سر پر مقتولوں کے' سو جلاد کیا جانے

نہیں ممکن کہ ہم کعبے کو جاویں چھوڑ بت خانہ
کرے واعظ ہمیں ارشاد جیتا اس کا جی چاہے

ارے صیاد! اس بے داد پر بے داد کیا کیجے
شکار ناتواں مجھ سے کے تئیں آزاد کیا کیجے

---

*یہ غزل ہمارے پاس کے دیوان میں نہیں ہے - + (ن) پر ابھی کو—

تلا جو بیستون تو کیا ہوا، خسرو نہیں تلتا
برا پتھر ہے چھاتی پر ترے، فرہاد کیا کیجے

خدا مجھے ترے داغوں سیں لالہ زار کرے
یہ خار خشک مگر آگ سیں بہار کرے
جو تجھ میں درد ہوے ناصح! تو میری خواری سیں
نہ ننگ و عار کرے، بلکہ افتخار کرے

گئے سب بھول شکوہ، دیکھ روے یار کیا کہئے
زباں حیرت سے میری، ہو گئی بیکار کیا کہئے

یار آیا، یہ مجھے ہوش نہ تھا، کیا کہئے
نہ کیا اس دل دشمن نے خبر دار مجھے

نہ روئے ہجر میں، پر وصل کے دن یہ چلے آنسو
اسی دن واسطے رکھے تھے گویا یہ گہر ہم نے

جس کو منظور ہے مرنا اُسے جینا ہے عذاب
ہے دم پاک مسیحا، دم شمشیر مجھے

یہ وہ آنسو ہیں جن سے دہر آتشناک ہو جاوے
اگر پیوے کوئی اُس کو تو جل کر خاک ہو جاوے
گنہگاروں کو ہے امید یہ اشک ندامت سے
کہ دامن شاید اس آب رواں سے پاک ہو جاوے
نہ جا گلشن میں توں، ڈرتا ہوں بلبل کو خجل مت کر
یہ دامن دیکھ کر گل کا گریباں چاک ہو جاوے
عجب کیا ہے تری خشکی کی شامت سے ارے زاہد
نہال تاک پتھلاوں تو وہ مسواک ہو جاوے

اُتھیں گی قمریاں محشر میں خاکستر ہماری سیں
جلے ھیں ہم بہت ہاتوں سیں اس سرو خراماں کے

اگر دعویٰ نہ کرتا عشق کا بدنام کیوں ہوتا
زبانوں میں مجھے عالم کے ڈالا ھے زباں تو نے
بگولا بھی ہماری خاک سیتی اٹھہ نہیں سکتا
ھمیں یوں کردیا پامال اے سرو رواں تو نے

خطا ھے مفت مر کر یار کو دینا رقیبوں کو
ہمارا ہم سے پوچھو ' کوہکن کی کوہکن جانے
مزہ پاتے ھیں ھکلانے میں اس کے اور مت پوچھو
چبانے * کی لبوں کی وجہ وو شیریں دہن جانے

مسافر ہوکے آئے ھیں جہاں میں تس پہ وحشت ھے
قیامت تھی اگر ہم اس خرابے میں وطن کرتے

شروع عمر سیں ہم معتقد ھیں دشت وہاموں کے
بگولے کی طرح جاروب کش ھیں قبر مجنوں کے
ھمیں مار سیاہ زلف کے کاٹے سیں کیا ہووے
کہ ہم ایک عمر سیں مارے ھیں خال لب کی افیوں کے

خسارت ھے ' یقیں ' سرکار کی اپنا سخن مت کر
نہ کر ان موتیوں سیں جیوں صدف اپنا دہن خالی

دلبروں کا شاد رکھنا اس کو جب منظور ھے
دل کو ان کے واسطے کیوں مفت غمگیں کیجئے

---

* (ن) چپکنے —

عاشق جو رہے جیتا ، معشوق کے کام آوے
کیا لطف ہے جل جانا ، پروانے کو کیا کہیئے

دل چھوڑ گیا ہمکو دلبر سیں تو قع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ ، بیگانے کو کیا کہئے

صحرا میں ' یقیں ' آ ہو کیا حور سے پھرتے ہیں
فردوس نہ کہئے تو ، ویرانے کو کیا کہئے

یہ لذت جس نے اپنے یار میں پائی ہو ، سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالا پلانے کی

بھکتا ہے اس آب و تاب سیں مستی میں یا اس کا
ڈھلک جس طرح ہوتی ہے ' یقیں ' موتی کے دانے کی

مارے ہی جاتے ہیں ایسے کوہ کن سے سر چڑے
خسرو بیچارہ اور شیریں بچاری کیا کرے

مولگانے پر بھی مستی حسن کی اتری نہیں
بھر رہا ہے مے سے معشوقوں کے یہ مینا ہنوز

بلبلیں کیوں کہ گرفتار نہ ہویں اس سج کی
باغ میں اس طرح پھرتا ہے یہ صیاد کہ بس

دن جنوں کے آن پہنچے ہوشیاراں الوداع
فصل گل نزدیک آئی ہے گریباں الوداع
میکدے سے قصد مکہ کا کیا ہے ، کیا کریں
توبہ ہم سے ہو گیا اے مے پرستاں الوداع

چمن میں شاخ ہل جاتی ہے جیسے گل کے کھلنے سے
لہک جاتا ہے دم لیتے نزاکت اس کو کہتے ہیں

'یقیں' چمن میں کچھ اس کا سبب نہیں معلوم
کہ بلبلوں کا وو ہنگامہ اب کے سال نہیں

بہار آئی ہے ہم کو کیا کہے گا باغباں دیکھیں
چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیاں دیکھیں
اُٹھا اُس منہ سیں اے بادصبا گھونگھٹ کے آنچل کو
توجہ سیں ترے ہم بھی تک ایک یہ گل کی شان دیکھیں

ہے بہشتوں میں 'یقیں' سب کچھ ولیکن درد نہیں
پھر کے دل رو لیجئے' یہ چشم گریاں پھر کہاں

صدقے جاتا ہے مرا جی بال بال اُوپر ترے
دیکھتا ہوں جب تری زلف پریشاں کے تئیں

کوئی دن اور کرنے دیو جنوں مجکو بہاراں میں
عبث سیتے ہو اس کو کیا رکھا ہے اس گریباں میں

کوئی یہ چاند سا منہ چھوڑ کر' عاشق ہو شعلے کا
گذر آتش پرستی سے یہ پروانے سے کہدیجو

گیا ہویگا نہ توں کہا یار کی گلیوں میں راتوں کو
نئی تقصیر میں نے بھی نہیں کی اے عسس چپ رہ

مرے رونے نے ترا خط کردیا جلدی سے سبز
کھیت ہو جاتے ہیں جیسے مینہ برسنے سے ہرے

ملے جس کو پیمبر سا رقیب اس کا خدا حافظ
زلیخا قید گر کرتی نہ یوسف کو تو کیا کرتی

محبت کا جو ناتا ہے' عجب آداب ہیں اُس کے
کہ جیوں جیوں یار دیوے گالیاں' عاشق دعا دیوے

ھمیں دوزخ سے اتنا مت ڈرا زاھد کہ ظاھر ھے
خدا ایسا ستم کب اپنے بندوں پر روا رکھے

نپٹ سونی ھیں گلیاں' خاطر طفلاں پریشاں ھے
کہو مجنوں کو تجھہ بن خانۂ زنجیر ویراں ھے

اب تو ناصح کے تئیں سینے دو میرا چاک جیب
تار تار اس ضد سیں کر ڈالوں گریباں تو سہی
لوگ نظروں میں نہیں لاتے ھیں ویرانوں کے تئیں
اشک خوں سیں باغ کرڈالوں بیاباں تو سہی

این اشعار آبدار انتخاب نمودۂ فتح علی خان و میر محمد تقی 'میر' اند :—

ھے ترے داغ سے تر سینۂ سوزاں میرا
آب و رنگ آگ سے رکھتا ھے گلستاں میرا
غم کے ھاتوں نہ رھا کچھہ بھی رفو کے قابل
بس کہ سو بار ھوا چاک گریباں میرا
رو اگردیجئے اُس کوبھی توکچھہ عیب نہیں
آئینے سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

نہ مرتا میں اگر صدقے ترے جانے کے کام آتا
گرسنہ ناز کا تھا' گالیاں کھانے کے کام آتا
بتاں خوں کرکے میرا سب لگے آپس میں یہ کہنے
یہ کافر جیوتا رھتا تو بت خانے کے کام آتا
اُڑادی اس ھوانے مشت خاک میکشاں ناحق
غبار اُن کا اگر رھتا تو پیمانے کے کام آتا

یہ کوہ طور سرمہ ہوگیا سارا ہی، کیا کہئے
کوئی پتھر بھی بچ رہتا، تو دیوانے کے کام آتا

لیا گھیر ان 'یقین' نے عشق کا آتش کدہ سارا
کوئی شعلہ جو بچ رہتا تو پروانے کے کام آتا

ہمیشہ کھینچتا ہوں اشک خونی دار مژگاں پر
اگر رونے کو میرے دیکھتا منصور رو دیتا

مجھے گر حق تعالیٰ کارفرمائے جہاں کرتا
بتوں کو میں بزور ان بے کسوں پر مہرباں کرتا

اگر مرکر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

خدا دیتا مجھے گر مہر سامانی خدائی کی
تو میں ان بلبلوں کو گلشنوں کا باغباں کرتا

نہیں معلوم اب کے سال میخانے پہ کیا گذرا
ہمارے توبہ کرنے سیتی پیمانے پہ کیا گذرا

برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے
خدا جانے تری صورت سے بت خانے پہ کیا گذرا

حیا لڑکوں کی برجا، پر غضب ہے اتنی ہشیاری
نہ پوچھا یہ کبھو تو نے کہ دیوانے پہ کیا گذرا

ہیں زخم مرے کاری، اس سینے سے کیا ہوگا
اب مرنا ہی بہتر ہے، اس جینے سے کیا ہوگا

کہتے ہیں کہ تسخیریں آئینے کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام، آئینے سے کیا ہوگا

طلا اُس حسن کے شعلے کے آگے آب ہو جاتا
تجھے گر دیکھتا روپا پگھل سیماب ہوجاتا

کسی کی خنجر قاتل نے اس کی پیاس کے حق میں
کئی زخم اور اگر لگتے تو دل سیراب ہوجاتا

اثر خوبان قندق زیب کی گلیوں میں یہ دیکھا
کہ جو گرتا تھا اشک خوں سو وھاں عناب ہو جاتا

اگر تجکو زلیخا دیکھتی سب کچھہ بسر جاتی
تماشا ماہ کنعانی کا اس کو خواب ہوجاتا

'یقین'! سوز و گداز اپنے کو گر اظہار کرتا میں
خدا شاهد کہ آتش کا بھی زھرہ آب ہوجاتا

سریر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

ہموں نے ہجر سے کچھہ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
ہمارے حق میں اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

نہ ہو جو سر سے میرے دور ظل عاطفت غم کا
نہ پڑیو داغ پر میرے الٰہی سایہ مرہم کا

شکوہ حسن سے آنسو ہمارے سوکھہ جاتے ہیں
'یقیں' سورج کے آگے کب اثر رہتا ہے شبنم کا

تجھہ آنکھوں سے اُتر کر دل نہ کرتا شور کیا کرتا
یہ شیشہ طاق سے گر کر نہ ہوتا چور، کیا کرتا

نہیں اُتر سکتی کسو افسوں سے کالے کی لہر
کیونکہ نکلے سر سے اُس زلف پریشاں کی ہوا

نہ آب تیشہ فرہاد اپنے خوں میں گر ملا سکتا
اس آب و رنگ سے کب نقش شیریں کو بنا سکتا
اجل نے کوہ کن کی، خوب رکھ لی شرم خسرو کی
وگرنہ اُس کے سنگ زور کو یہ کب اُٹھا سکتا

یہ دل ایسا خراب کوچۂ و بازار کیوں ہوتا
اگر ملتا نہ اتنا گل رخاں سے خوار کیوں ہوتا
تری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
یہ ایسا کار آساں اس قدر دشوار کیوں ہوتا
کسو کا تو کبھو رکھا کرو دل، تم کو لازم ہے
وگرنہ دلرباؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

گرا میں آنکھ سے تیری، جہاں کے ہات کیا آیا
مجھے پٹکا زمیں پر، آسماں کے ہات کیا آیا
مرے اِن آنسوؤں نے کھودیا نور بصر میرا
یہ یوسف بھیج کر، اس کارواں کے ہات کیا آیا
نہ کہتی راز دل تو اتنی رسوائی بلا سہتے
فضیحت کرکے مجکو اُس زباں کے ہات کیا آیا

دلبروں کے نقش پا میں ہے صدف کا سا اثر
جو مرا آنسو گرا اُس میں سو گوہر ہوگیا
آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ 'یقین'
گھر سے باہر جو گیا لڑکا سو ابتر ہوگیا

لگے گا ہات پتھر اس طرح کی سعی ناحق سے
پرائے دلبروں پر سر نہ چیرا ے کوہ کن اپنا
' یقیں ' اُس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھوئے آب گوہر سے دہن اپنا

یہ قمریاں جو سرو کی عاشق ہوئیں' مگر
دنیا میں اور کوئی سجیلا جواں نہ تھا

اس قدر غرق لہو میں یہ دل زار نہ تھا
جب حنا کو ترے پانووں سے سرو کار نہ تھا
حسن کا عشق زلیخاستی کچھہ چل نہ سکا
ورنہ وہ پاک گہر قابل بازار نہ تھا
دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

اب جہوں سرشک خاک سے سکتا نہیں ہوں اٹھہ
آگے میں دل کی آنکھہ سے اتنا گرا نہ تھا
جو کچھہ کہیں ہے تجکو ' یقیں ' ہے سزا تری
بندہ جو تو بتاں کا ہوا ' کیا خدا نہ تھا

کہوں میں کیونکہ نہ صبح بہار تجکو کہ آج
چمن میں تو جو نہ تھا گل کے منہ پہ نور نہ تھا
خفیف مجھہ سے اُلجھہ کر عبث ہوا واعظ
کہ میں تو مست تھا اس کو بھی کیا شعور نہ تھا

نوک بعضے سرو کی ہوتی ہے جو خم اس سے بوجھہ
عالم بالا سے آتا ہے چلا گویا ادب

دشت اُٹھتا ہے تواضع کو، نہیں یہ گرد باد
دیکھ دیوانے کو کرتا ہے، یقیں، صحرا ادب

کیا گرا دی ایک تیشے سے بنا فرہاد کی
کردیا کس گھر بسے نے خانۂ شیریں خراب
صبر کیجے کب تلک ناصح، کہ کر دیتا ہے عشق
حوصلے کا شہر غارت، خانۂ تمکیں خراب
پانوں کو اپنے، یقیں، کی چشم گریاں پر نہ رکھا
مت کر اے گُل آب جو میں دامن رنگیں خراب

تری آنکھوں کی کیفیت کو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کی گردشوں کو دور پیمانے سے کیا نسبت
یہ وہ موتی ہے جس کی سیپیاں آنکھیں ہیں عاشق کی
مرے آنسو کو مروارید کے دانے سے کیا نسبت
یہ بت جن نے تراشے ہیں اسے بوجھا بغیر اس کے
کبھوں یے صورتیں کوئی بنا سکتا ہے کیا قدرت

تصور کرکے لیتا ہوں مزا میں اس کے باتوں کا
مرے اس چپ کے رہنے کا ہے وو شیریں سخن باعث

حق کو کب پہنچے نہ باندھے جب تک ان زلفوں سے دل
کیو نکہ ہو زنجیر بن ایسے دوانے کا علاج

جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یاد
وو قسم کھا کر اُسی ساعت مکر جانے کی طرح
خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح
رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پا بے طرح

رنگ سے مہندی کے ہوجاتے ہیں آنسو لعل تر
رکھہ کے ان پانووں پہ سر کوئی اتھا وے کس طرح

مرے نہ چاک گریباں سے ہے رفو گستاخ
نہ میرے زخم سے مرہم کی آرزو گستاخ

کون دیکھے قامت رعنا پہ تیری جز 'یقین'
غیر شاعر کون دے اس مصرع موزوں کی داد

بوجھتا ہے خوب کیفیت نظارے کی 'یقین'
اس نگاہ مست سے لیتا ہے میخانے کا حظ

رشک تیری دل ربائی کا زبس کھاتی ہے شمع
دیکھہ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہے شمع

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھہ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ناصح سے مجکو غم نے کیا شرمسار حیف!
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

عرق کرتا ہے اپنے حسن کے شعلے کی گرمی سے
بڑا ہے گل سے بھی یہ دلبر خورشید رو نازک

رشک سے لاگی ہے پروانے کے جیسی تن کو آگ
لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ
فصل گل آتی ہے بلبل! آشیاں کا کر علاج
لگ اُٹھے گی اب کوئی دن بیچ اس گُلشن کو آگ
چل 'یقیں' بہتر نہیں ہے ایسی جل مرنے کی طرح
کیا ہی پھولی ہے پلاس اور لگ رہی ہے بن کو آگ

قد ترا از بسکہ رکھتا ہے لٹک جیوں شاخ گل
باد کے صدمے سے جاتا ہے لہک جیوں شاخ گل
ہار مت پہنا کر اے پیارے کہ نازک قد ترا
بوجھہ سے پھولوں کے کھاتا ہے لچک جیوں شاخ گل
مرچکا ہوں تس پہ جی میں مجھہ دوانے کے 'یقین'!
وے حنائی ہات جاتے ہیں کھٹک جیوں شاخ گل

پڑ گئی دل میں ' ترے تشریف فرمانے میں دھوم
باغ میں مچتی ہے جیسی فصل گل آنے میں دھوم
تیری آنکھوں کے نشے نے اس طرح مارا ہے جوش
ڈالتے ہیں جس طرح بد مست میخانے میں دھوم
ابر جیسے مست کو شورش میں لاوے پل کے بیچ
مچ گئی یک بار اُن بالوں کے کھل جانے میں دھوم

چاک کر ڈالا ہے اپنا تونے سینا بھی ' یقین '
پھاڑتا ہے اس طرح کوئی گریباں العیاذ

اب جو اُڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

شاخ گل کو سرخ جوں شمشیر کرتی ہے بہار
قتل میں بلبل کے کب تقصیر کرتی ہے بہار

یہ زمیں سیلاب سے ہوتی نہیں ہے چاک چاک
دشت کی چھاتی پھٹتی ہے سن کے دیوانے کا شور

دل ہمیں کہہ کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر نہ دی ہم کو کسو نے اُس دوانے کی خبر

بلبلیں پیہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھہ تو اُڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

توقع دیکھہ مت کہہ نا اُمیدی کے سخن، بس کر
جواب تلخ مت دے مجھہ کو اے شیریں دھن، بس کر
پھڑک کر جی نکل جاوے گا بلبل کی طرح میرا
کھلا بند گریباں کو نہ رکھہ اے گل بدن، بس کر

کیا مری مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اُمڈے ہیں یے برسیں گے زور
خال گورے منہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگرمیں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

فقیر هم درین زمین ریختۂ پنج بیت می دارد و از تضمین مصرع یقین افتخار خود می پندارد، اگرچه این قابلیت و لیاقت کو که در جرگۂ سخن سنجان بزانوے آن معنی پژوه بنشیند لیکن بتوقع اینکه هر که پئے نیکان گرفت و راه است ایشان گزید، یقین است که رفته رفته بیمن انفاس متبرکۂ شان ازان ها خواهد بود - ریخته این است، ریخته :—

اب ہنسی نے اُس کی مسّی سات کیا ڈالا ہے شور
ہے اندھاری رات اور بجلی بھی چمکی ہے گی زور

بس تم اب زلفیں لپیٹو، منہ کے اُوپر سے شتاب
اس طرح کے سانپ بھی ظالم کوئی دیتا ہے چھوڑ
عاشقی نے کردیا دونوں جہاں میں نامور
مر گئے ہیں ورنہ مجنوں سے یہاں لاکھوں کروڑ

چور اپنے پہ سبھی تصدیع رکھتے ہیں روا
وارتا ہوں جی میں اس پر جو ہے میرے دل کا چور

اب 'یقین' کی یاد میں 'صاحب' مگر روتا ہے ابر
کوکتی ہیں کویلیں اور شور تو کرتے ہیں مور

گریباں پھاڑتے ہیں دیکھ خوبان چمن کیونکر
نہ کیجے چاک ناصح اس ہوا میں پیرہن کیونکر (یقین)

دردمندوں کے تو لیتا ہے عبث خوں کا وبال
مر رہے ہیں آپ ہی اِن ناتوانوں کو نہ چھیڑ

خوش نہیں آتا ہے بن مجنوں ہمیں صحرا ہنوز
ان غزالوں سے ہمارا جی نہیں لگتا ہنوز

آگے لبوں کے ہو نہ سکا خط یار سبز
ہوتا ہے کب شراب کے آگے خمار سبز

بعد مرنے کے بھی ہوں گور میں غمناک ہنوز
گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز

آپ سے ہم نے مقرر کی ہے اپنی جا قفس
ورنہ تک پھڑکیں تو ہوجاوے تہ و بالا قفس

تو نہ تھا حیف 'یقیں'! ورنہ دوانہ ہوتا
آج اس طرح کا دیکھا ہے پریزاد کہ بس

نزع میں دیکھ مجھے یار جھجک کر بولا
کیا بری طرح سے مرتا ہے یہ بیمار کہ بس

جس طرح سے ڈھونڈتے ہیں لوگ خاطر ہائے شاد
اس طرح رہتا ہے مجکو جانِ محزوں کا تلاش

ترے ستم سے مرا جی یہ کچھ دھڑکتا نہیں
خوشی سے قتل کی کرتا ہے جانِ محزوں رقص

فصل جاتی ہے 'یقین' اور باغباں سے ایک بار
کوئی کرتا نہیں ہمارے باغ میں جانے کی عرض

مت خدا کے واسطے کر دلبراں سے اختلاط
کفر ہے حق میں مسلماں کے بتاں سے اختلاط

کعبے بھی ہم گئے، نہ گیا پر بتاں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

قیدی اس سلسلۂ عشق کے اب کم ہیں 'یقیں'!
دل آزاد بہت، جان گرفتار کہاں

وو کون دل ہے جہاں جلوہ گر وو نور نہیں
اُس آفتاب کا کس ذرے میں ظہور نہیں
کوئی شتاب خبر لو کہ بے نمک ہے بہار
چمن کے بیچ دوانوں کا اب کے شور نہیں

مجکو اب سیر و تماشے سے شناسائی نہیں
تجھ بن اے نورِ بصر! کچھ مجھ کو بھائی نہیں
بن 'یقین' کے باغ میں جاکر بتاں کہتے ہیں سب
سیرِ گل میں جی نہیں لگتا وو سودائی نہیں

گالی بھی پی گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اُٹھائیاں ہیں

شکوہ جفا سے یار کی کرنا، وفا نہیں
بندوں کا اعتراض خدا پر روا نہیں

جور و جفا کی ان سے تعجب نہ کر 'یقین'!
یہ سنگدل بتاں ہیں نہ، آخر خدا نہیں

قامت رعنا سے تیرے بسکہ شرماتا ہے سرو
دیکھہ کر تجکو زمیں کے بیچ گڑجاتا ہے سرو

اسیران قفس کی نا امیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

کیا سجدہ 'یقیں' نے دیکھہ اس محراب ابرو کو
برہمن تو رہا مسجد میں بتخانے سے کہہ دیجو

گرہ کھولو نہ زلف یار کی، شانے کو مت چھیڑو
چھیومت دل کی زنجیر، ایسے دیوانے کو مت چھیڑو

کوئی مجھہ سے نہ بولو، مستعد مرنے کا بیٹھا ہوں
خلافت خود کشی کی دے گیا ہے کوہ کن مجکو

کھڑا ہے سرو نہت بن بنا کے رعنا ہو
جو یار پردے سے نکلے تو کیا تماشا ہو

خدا کرے کہ کہوں حق شتاب ثابت ہو
مت امتحان وفا میں 'یقیں' کے دیر کرو

عشق میں داد نہ چاہو کہ سنا ہم نے نہیں
عدل و انصاف کا اس ملک میں دستور کبھو

اُس رخ صاف کے آگے نہ رکھو آئینہ
میں مکدر ہوں مجھے اور مکدر نہ کرو

لے کے دل کرتے ہو ثابت دکھہ کے ماروں کا گناہ
جان و دل دینے میں کیا ہے ان بچاروں کا گناہ

کروں میں کیونکہ قید زلف سے چھوٹنے * کی تدبیریں
پڑی ہیں مری ہر انگشت میں جیوں شانہ زنجیریں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجکو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

اُتھہ گیا کہتے ہیں دیوانا ' یقین ' عالم سے ہاے
اُن نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

ہاے میرا ہات مت پکڑو کہ جیب گل کی طرح
چاک ہی کرنے میں ہے میرے گریبان کی پھبن

کرتا ہے کوئی یارو ! اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ ' اب کھول دو زنجیریں

عمر اخر ہے جنوں کرلوں ' بہاراں پھر کہاں
ہات مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں

یار کے قد کو نہ دے سرو سے تشبیہہ ' یقین ' !
سرکشی میں تو مسلم ہے یہ طنّاز نہیں

' یقین ' مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع
شہادت اِس کو کہتے ہیں ' سعادت اِس کو کہتے ہیں

---

* چھٹنے —

کیا فرہاد نے جو کچھہ، محبت اِس کو کہتے ہیں
دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اِس کو کہتے ہیں

یہ سینہ عشق سے محرومِ درد و داغ نہیں
ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں
بلاے عشق سے کچھہ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر میکدہ یار و کہیں پناہ نہیں

عاشقوں پر جبر کرتے ہیں 'یقین' ! یہ خوبرو
کچھہ نہیں واللہ ان بے اختیاروں کا گناہ

بہار آئی ہے ہمیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیاں سچ کہہ

کچھہ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آ جا
ڈرتا ہوں چھلک جاوے، لبریز ہے پیمانہ

عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھہ لی
بوالہوس جیویں مریں ہم اے محبت واہ واہ

جب ہوا معشوق عاشق، دلربائی کیا کرے
بندگی سے جنّے * خو کی، وہ خدائی کیا کرے

عشق میں ملتی نہیں راحت مگر جیوں کوہکن
جان شیریں دیجئے، تب خواب شیریں کیجئے ہے
جفاے دلبراں پر صبر کرنا ہی مناسب ہے
'یقین' ! دعوی وفا کا کر کے اب فریاد کیا کیجئے

---

* جن نے —

کیا دل ہے اگر جلوہ گہ یار نہ ہووے
ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہووے

اگر پاوے گلی تیری، تو بلبل گلستاں بھولے
ترا نقش قدم دیکھے، تو اپنا آشیاں بھولے

چھٹتے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے، ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

بہار آئی، بجاو عندلیبو! ساز عشرت کے
گئیں حسرت کی وے راتیں گئے وے دن مصیبت کے
پریشاں خاک سے اُگتا ہے سنبل اس سے ظاہر ہے
کھلے ہیں موے لیلی اب تلک ماتم میں مجنوں کے
بتاں کی بادشاہی کے سپہ سالار عاشق ہیں
بٹھائے کوہ کن نے بے ستون میں نقش شیریں کے

نہ بجھنے دیجیو اُس کو، گرم رکھیو آہ و نالے سے
یہ دل ہے مشت خاکستر کا تیرے اخگر اے قمری

'یقیں' کے واقعہ کی سن خبر وہ بد گماں بولا
یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کہئے

عبث پالی تھی سینے بیچ آہ بے اثر ہم نے
یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخل بے ثمر ہم نے

یہ پوچھو تو کہ کیا یہ سر زمیں مجنوں کا مدفن ہے
چلی آتی ہیں شور انگیز بادیں اس بیاباں سے

یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے
کون اس کوچے میں جز تیر گذر کرتا ہے

درختوں سے نہ دے تشبیہ اُس قد کو 'یقیں' ہرگز
وو اٹکھیلی سے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

اگر زنجیر میرے پانوں میں ڈالی تو کیا ہوگا
بہار آنے دو، میرا ہات ہے اور یہ گریباں ہے

گئی یہ کہہ کر آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر اِن آنکھوں سے کیونکر دیکھہ سکئے گا چمن خالی

دعا مستوں کی کہتے ہیں 'یقیں'! تاثیر رکھتی ہے
الٰہی سبزہ جتنا ہے جہاں میں تاک ہوجاے

اس طرح رونے میں آنکھوں کا خدا حافظ 'یقیں'!
دیکھئے یہ خانماں اس روئے' ڈوبے یا ترے

یہ کون ڈھب ہے سجن! خاک میں ملانے کا
کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

اگر برباد جاوے خاک میری، کیا تعجب ہے
فلک جب چرخ میں آتا ہے تھرے دور داماں سے

نہیں ہے جام مے بن کچھہ ہمارا خوں بہا ساقی
اس آب زندگی سے اپنے ماروں کو جلا ساقی

جو سر پانوں پہ رکھہ دیجئے تو خوش ہوویں بتاں ہم سے
ولیکن ہاے ہوسکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم سے

'یقیں' زنجیر میں ہے' تب تو عالم میں نہیں چھلیں
ٹک ایک چھوٹے' یہ دیوانہ ابھی دھومیں مچا دیوے

نہ دے بر باد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہوں میں ہیں آخر گلستاں کے

مرے آنسو بھی مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا ہے عشق! مجکو ہائے ایسا ناتواں تو نے

نظر آتا نہیں ثابت گریباں ایک غنچے کا
چمن پر یہ ستم کرتا ہے اے باد صبا کوئی!

شب ہجراں کی وحشت کو' تو اے بیدرد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں راتوں کو مجھے' تیری بلا جانے

گریباں چاک کرنے سے کسو کے تجکو کیا ناصح
ہمارے ہات جانیں اور ہمارا پیرہن جانے

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چاہے
تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے

نہیں کوئی کہ اخبار اس کے ہم تک' یا دعا لاوے
گیا ہے دل اب اس کو دیکھئے 'ب تک خدا لاوے

'یقیں' بے جا بھی میں کرتا ہوں بے صبری کہ ڈرتا ہوں
محبت بیچ لگ جاوے' کہوں ننگ شکیبائی

بہار آئی ہے کیسا چاک جیب پیرہن کرتے
جو اب ہم جیوتے ہوتے تو کیا دیوانہ پن کرتے

مقابلے میں وفا کے جو یہ جفا ہووے
کہو کسو سے کوئی دیوں کر آشنا ہووے

مؤا جاتا ہوں مت اتنا بھی کس کر گوندھ بالوں کو
تک ایک ڈھیلی تو کردے جان زنجیر اس دوانے کی

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے

مرزا، رفیع السودا، و عبدالحی، تاباں، مصرع آخر این بیت را کہ گذشت، مخمس بطور ترجیع بند کردہ و خوب گفتہ. چنانچہ از بدو شعور فقیر در شہر اشتہار میدارد، حاجت اظہار نیست —

دکھہ تو دیتا ہے کروں تجکو بھی حیراں تو سہی
باغباں اب کے اجاڑے لوں گلستاں تو سہی
اپنے بندوں کو جلاکر داغ کرتے ہیں "یقین"!
ان بتاں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

موے ہم فصل گل آنے سے آگے ہی، خدا جانے
کہ کیا کیا شوخیاں ہم سات یہ ظالم ہوا کرتی

دل روشن کے تئیں لگتی ہے کب ظلمت نظارے کی
صفا میں آئینے کی کب خلل آتا ہے صورت سے

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر لے کے چھوڑے گی یہ بیماری مجھے

ان پریزاد جوانوں نے کیا پھر مجھے

کردیا ضعف سے جوں سایہ زمیں گیر مجھے

ناصح اس کے سوزن مژگاں سے کھینچوں کیونکہ ہات

زخم کو ٹانکے نہ دے اپنے تو گھایل کیا کرے

محبت کے مزوں کو کب ہر ایک پیر و جواں سمجھے

جو ابراہیم ہو، آتش کدے کو گلستاں سمجھے

کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے

اس پیچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے

اجل نہ چھوڑے گی آخر 'یقیں' کو لازم ہے

کہ اپنے سر کو ترے پاؤں پر نثار کرے

'یقین'! جاتا رہا گر بلبلوں کے سات جانے دے

کوئی اس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے

حیا و شرم سے کیوں کر کوئی حذر نہ کرے

ادب سے تجھ پہ کوئی کب تلک نظر نہ کرے

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے

میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے

ترا خورشید سا منہہ دیکھکر پھولوں کی جاں لرزے

ترا قد چھوکے باد آوے تو سرو گلستاں لرزے

وو بلبل کیونکہ ہووے خار و خس سے مختلط، جس کا

نسیم گل سے ہارے نازکی کے آشیاں لرزے

زباں فولاد کی ہو، تب جواب کوہ کن دیوے

ستم کرتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

نہ دینا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا، بجائے شیر، جوے خوں رواں کرتا

ناچار یہ دل اپنا گیا گور میں ' یقین '
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدر داں نہ تھا

عاشق اور معشوق عالم کی سند کرتے ہیں سب
تجھ سے خونخواری کی طرز اور مجھ سے غم کھانے کی طرح

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھ سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجکو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

خوباں ' یقیں ' کو معذور اب تو رکھو کہ اس کی
لو ہو نہیں جگر میں' آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اُٹھنا بے دماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گذرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں باولے پن میں
گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جاتے جلتے کی خبر کیا بوجھ کر لوگے
پڑا ہوگا دوانہ سوختہ * سا کنج گلخن† میں

وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنما تر ہے
کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہوے

* (ن) باولا — † (ن) گلشن —

خواب میں کس طرح دیکھوں تجکو بیخوابی کے ساتھہ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کے ساتھہ
صفت نہیں لیئے وفا کو شہر خوباں میں ' یقین '
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھہ

اگر چہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
فرا برا نہیں یہ شغل ' کچھہ بھلا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں تھہرتا ہاے آنسو کی طرح
اس دل بیتاب کو کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے ' یقین '
دیکھئے مجھہ سات خوباں کی جدائی کیا کرے

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کی تضمین کیجئے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور امت میں محبت کی

نہ نکلا کام کچھہ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دوانہ ہوں میں جی دیلے میں* مجنوں کے سلیقے کا
مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا اور عقبیٰ سے گذر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

---

* (ن) اپنے جیو سے —

مجھے خوش آئی ہے یہ بات ایک مجنون عریاں سے
کیا کیجیے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

تک ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

مصطفیٰ خان " یکرنگ "

تخلص - از معا صران میان ' آبرو ' است - شعرش خوش قماش بیکران می دارد ' و طبعش عالی تلاشی فراوان می نماید - گویند که ذهن رسا داشت ' و باهر کسے طریق حسن سلوک مرعی می گذاشت - یکرنگی اخلاصش از تخلص او پیدا ' و خلق محمدی از نامش هویدا است - این چند گل از گلستان هر دو تذکرہ چیدہ گلدستہ می بندد:—

لب شیریں سے بے زبانوں کے بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہات اٹھا جور اور جفا سے توں یہی گویا سلام ہے تیرا

جب ستی گلرخاں سے یار ہوا خلق کی تیں نظر میں خوار ہوا
خلق 'یکرنگ' کی ہوئی دشمن جب ستی تیرا دوستدار ہوا

ترک عاشق نے ننگ و نام کیا کام اپنا جو تھا تمام کیا

اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا
گلزار کی نمط ہیں بیابان کربلا

کھانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہات
دھو ہات زندگی ستی مہمان کربلا
اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہات
ہے سر بریدہ شمع شبستان کربلا

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن
تجھکو ترا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

ایتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے بیان کرنے ستی لغرش سخن میرا

نکر گوہر ستی ہرگز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھہ پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جاں کا

اگر آوے مرے گھر وو پیارا کروں اُس ماہ کو پتلی کا تارا
مرا دشمن ہوا یکرنگ وو شوخ کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

کم نہیں کچھہ بوے گل سیتی فغان عندلیب
برگ گل سے ہیگی نازک تر زبان عندلیب

زبان شکوہ ہے مہندی کا ہر پات کہ خوبوں نے لگاے ہیں مجھے ہات
مسخر چشم کے شاہ و گدا ہیں رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرا مات
خیال چشم و ابرو کر کے تیرا کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

یاد آتی ہے تازگی بہار دیکھہ ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جاے راستی ہیگی دار کی صورت

میر تقی 'میر' نوشتہ کہ با عتقاد فقیر بجاے 'سچ'

درت 'حق' اولی است 'صاحب' میگوید که این جا اصلاح 'میر' احسن است 'قبل ازین دو سال این بیت را بچنین تغیر شنیده ام' خدا داند که از کیست :—

" جو کوئی حق کہے سومارا جاے صورت دار راستی ہوگی "

پھر گیا ہم سے ہاے وہ مہرو سرد مہری ستی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحت جان' مہرباں حیف
مری محنت گئی سب رائیگاں حیف،

بنا بر مصلحت ہے یہ جوتم سے رہا ہے روٹھہ دن دوچار' یکرنگ'

محبت کا عجب یک رنگ ہے رنگ کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگ شمع دائم تجھہ لگن میں سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

اُس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح
مصطفیٰ خان عاشق * ' یکرنگ' ہے

میر محمد تقی 'میر' نوشتہ کہ اگر شعر من می بود' پیش مصرع این قسم موزون می کردم :—

ع مت تلون اُس میں سمجھو † آپ سا —

لہذا از خاطر فاتر فقیر ہم دو مصرع چنین سر زد :—

ع :- کئی طرح اُس کو سجن سمجھو ولے
ع:- کچھہ کہو نزدیک اپنے اُس کے تئیں

* (ن) آشنا -- † (ن) سمجھوں —

از 'یکرنگ' است :—

تا گلے تیرے لگوں اے یار میں روتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سیں کم نہیں
کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن
گر غیر سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
'یکرنگ' کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن! اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو ایک جاگہ آگ و پانی کیونکہ ہو

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

برگ حنا اُپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھو تو جا لگے اُس دلربا کے ہات

اگرچہ این بیت کہ گذشت میر محمد تقی 'میر' بنام 'یک‌رنگ' نوشتہ است، اما بنام میرزا 'مظہر' شہرۂ عوام دارد، واللہ اعلم —

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل دل بلبل شکستہ کرتا ہے

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی هے تو لے صیاد　　هاتهه سے یه * شکار جاتا هے

لگے هے خوب کانوں میں بتوں کے
سخن 'یکرنگ' کا گویا گُهر هے

کیا جانئے وصال ترا هوے کسے † نصیب
هم تو فراق میں ترے اے یار مرگئے

نه تو ملنے کے اب قابل رها هے　　نه مجهه کوں وو دماغ و دل رها هے

اب تو تمهیں نباهے هی هم سے سجن سری ‡
هم سب طرف سیں هار تمهارے گلے پڑے

'یکرنگ' پاس کیا هے سجن اور کچهه بساط
رکهتا هے دو نین جو کهو تو نظر کرے

جس کے درد دل میں کچهه تاثیر هے
گر جواں هے وو تو $ میرا پیر هے

چشم پیارے کی دیکهه مژگاں میں
گویا سبزے کے بیچ آهو هے

عبدالوهاب 'یکرو'

شاعر خوش گو و شاگرد میاں نجم الدین 'آبرو' است - اشعار دل آویز و سخن هاے سوز انگیز بسیار می دارد - انهوزج مزاج عالیش اینست :—

گرم هے اب نالهٔ زاروں میں دل
آب هوا مدّا هے مے خواروں میں دل

* پهر　　† که وصل ترا کس کے هو
‡ پڑی　　$ بهی هے تو

جب سے کافر سج ترا دیکھا صنم
تب سے نہیں لگتا ہے دلداروں میں دل
لے گئے بے رحم، بے کس کر گئے
ایک تھا عاشق کے غم خواروں میں دل
سب طرف سے ہے بتوں کی مار مار
گوت ہے چوپڑ کی ان ساروں میں دل
اب تو 'یکرو' جیونا رہنا نہیں
جا پڑا ہے شوخ خونخواروں میں دل

این بیت را میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان در ترجمۂ 'یکرو' نوشته اند :—

دل پر ہیں مرے داغ تیرے عشق کے کئی
گننے میں جن کے عمر مری سب گذر گئی

میر عزت الله 'یکدل'

شاعر عہد محمد شاہ بادشاہ بود - احوال و اشعارش بفقیر نرسیده، این ابیات از 'نکات الشعرا' گرفته ثبت می نماید :—

نو گل باغ انّما کی قسم — سرو گلزار ہل آتیٰ کی قسم
مہر میدان لا فتیٰ کی قسم — میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں — والہٌ و مست ہوں ولا کی قسم

حکیم ''یونس''

بر احوالش اطلاع نیست، و از سید عبدالولی صاحب هم اتفاق استفسار در حیدرآباد دست نداد - این ابیات ازانست :—

صبح جب گلشن سے وو گل رو گیا — باغ سے باہر نکل گل رو گیا

ھے معطر آج تک صحرا تمام — اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا

سو گیا جب سے جگایا تھا مجھے — بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

موسم ھولی میں ھوتے ھیں شہید — آج وو قاتل بسنتی پوش ھے

بلبل کی سن کے تند فغاں چیں جبیں پہ لا

گل نے کہا کہ کان میں میرے ترک اُتھی

کیا گل کے نام میں بھی ھے اعجاز عیسوی

بلبل موئی پڑی تھی سو سنتے بھڑک اُتھی

باغ میں کہتی تھی بلبل ھاے رے اب تک مری

دل جلا میرا تب اس گل کے تئیں تھنڈک پڑی



نواب منورالدوله "یار" تخلص

نواب منورالدوله احمد یار خان بہادر ممتاز جنگ 'یار' تخلص سلمه الله تعالیٰ' خلف الصدق نواب شجاع الدوله بہادر دل‌خان بہادر ناظم حیدرآباد. ذهن و قاد و طبع نقاد دارد- او فراوان حسن خلق و تواضع بمردم خرج می کند- خصوصاً بر حال فقیر کمال شفقت می فرماید' چنانچه جائے می گوئم :

اگرچه حسب ظاهر میں جدا هیں
ولے معنی میں هیں یک یار و صاحب

حق سبحانه تعالیٰ سلامت دارد و بمدارج عالی رساند- ایں دو سه ابیات زادۂ طبع والاے اوست :

بہار گلشن خوبی چمن میں آیا ہے
کہاں ہے جام' کہاں ہے شراب کا شیشه

همارے دل کو ناحق خوبرو هر دم جلاتے هیں
کہیں بت بتکدے کے بھی برهمن کو ستاتے هیں
چمن میں رنگ اڑجاتا ہے پھولوں کا خجالت سے
رنگیلے هونٹ تیرے جب هنسی سے کھلکھلاتے هیں
نتیجه ان کی الفت کا همیں آخر کو کیا هوگا
عبث سنگیں دلوں سے اپنے دل کو هم لگاتے هیں
خواهشیں دل کی سکیچ کر ووهیں رہ جاتی هیں 'یار'
سامنے هوتا ہے جب اس کے تجمل کا خیال
گریباں چاک و مطعون جہاں' بد نام عالم هوں
پڑے خاک اس طرح کے هاے رسوائی کے جینے میں

مجھه سے پوچھا که کہو تم میں وفا ہے که نہیں
میں کہا تم تو کہو تم میں جفا ہے که نہیں
'یار' سے ترش هو اور اُن سے یه میٹھی باتیں
گر هو آزرده تمہارے سے بجا ہے که نہیں

قطعہ بند

کہا میں اُس شعلہ خو کو اک دن کہ جل گیا جی تری جفا سے
غضب سے تیوری چڑھا کے مجھکو کہا میں پھر کیا کروں بلا سے
زبان جرأت کو تب تو میں نے دراز کر کر کہا کہ سن تو
یہ کون ڈھب ہے جواب دینے کا ٹک تو وسواس کر خدا سے
یہ بات سنتے ہی کر تبسم کہا خدا سے تو تو ڈرا کر
جفا کے شکوے کو ہم سے کرنا بعید تھا یہ تیری وفا سے
خوشی میں پایا جب اس کو میں نے کہا کہ صاحب بھلا سنو تو
جو درد دل کو نہ کہئے تم سے تو کب تلک بیٹھئے حیا سے
صنم نے میرے سخن کو سن سن کہا کہ اتنا نہ مضطرب ہو
جو ابتدا کو نہیں سمجھتا تو کیا خبر ہوگی انتہا سے
یہ راہیں مشکل ہیں ایسی راہوں میں کیوں قدم کو اٹھاے تیں نے
اگر تو واقف نہیں ہے جا پوچھ 'یار' جیسے تو مبتلا سے
یہ عشق کا پنتھ سب سے نیارا ہے اس میں آنے کا فائدہ کیا
خوشی میں بیٹھا رہو تو اپنی تجھے غرض کیا وفا جفا سے

موسم ہولی میں ہوتے ہیں شہید
آج وو قاتل بسنتی پوش ہیں

بلبل کی سن کے تند فغاں چیں جبیں پہ لا
گل نے کہا کہ کان میں میرے تڑک اُٹھی
کیا گل کے نام میں بھی ہے اعجاز عیسوی
بلبل موے پڑی تھی سو سنتے پھڑک اُٹھی

باغ میں کہتی تھی بلبل ہاے رے اب تک پڑی
دل جلا میرا تب اس گل کے تئیں ٹھنڈک پڑی

—— : * : ——

باب الکاف

میاں کمترین ''کمترین''

طالب معنی رنگین و خیالات متین است - گوہر سخنش آبداری فراوان میدارد، و سحاب طبعش گوہر باری مضامین می نماید - این چند ابیات ایہام ازانست :-

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین تمہارے
کے بیڑ دوگے ہم کو نازک بدن ہمارے

نو خصم گن کر مشلچن نے کیے تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیے

پلا اُس مست نصرانی کو تاڑی اگاڑی اسطبل کی جا پچھاڑی

یہ مقصدی نہیں ملتے، اگر بہاتوں سے ذاتوں* میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں
دیکھو پکوان والی کی مزاخین خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

محمد حسین ''کلیم''

کلیم طور سخندانی، و بلبل ہزار داستان چمنستان معانی است - عصاے کلکش سحر شکنی می نماید، و طبع بلندش در چشم ورق چنین سرمہ می آراید :-

---

* (ن) رانوں —

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے حق کو تلف نکر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پاے آبلہ دار کا

چھپا ہے آ مرے چشم پر آب میں دریا
کنھیں نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

وو نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ، کیا جانے کہاں ہوگا

توں نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جیوں زلف کج برہم ہوا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے 'کلیم'
آپ کو جیوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کہ شام لگ
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جن نے سر کھینچا

تا صبح تجھہ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

سر بھی ہے، تیغ بھی ہے، لگانا ہے تو لگا
کہیو نہ جان ! پھر کے کہ یہ جی چھپا گیا

وہی اک ہے جو ان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈتے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد یہ بت خانہ ہوا تو کیا

قبر میں بھی لئے همراہ گیا اپنے 'گلفام '
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا

کیا هوا زلف سے گرہ کھولی میرے سرکا تو یہ گرہ نہ گیا

لگا جب غیر سینتی هم طبق هونے وو مہماں کش
وو اپنے هات دھوتا تھا ' میں اپنے هات ملتا تھا

نقاب اپنے رخ کا جو توں باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

وفا کا هوں پر بستہ ' نہیں توڑ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

نشان مجھہ دل کا مت پوچھو ' یہ مجنوں
کہیں اُس طرف ویرانے کے هوگا

نہ کچھہ برا هوا پرویز کا ' نہ شیریں کا
ترے هی سر پر اے فرهاد جو هوا سو هوا

کیا رقیب پردہ در کے آج میں ماری هے میخ
حلقۂ در کی نمط گھر سے اسے بھروں کیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ترنے کا رقیب
گر دل میں هے تو مجکو بھی للکار دیکھتا

هر تار پیچ زلف کے عالم کی جان هے
گویا یہ اژدھا تھا کہ سب کو نگل گیا

قربان اُس اکڑ کے عجب یہ مروڑ هے
آشفتہ هو گئیں' یہ نہ زلفوں سیں بل گیا

ہو چکا حشر ، گئی دوزخ و جنت میں خلق
دیکھنا ہوں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

درازی شب ہجران زلف یار ، کلیم ،
مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے ، کلیم ، جو یہ شیشہ سنگ تھا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس ، کلیم ،
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضاے عندلیب

دنیا ! نکر جوانوں سے یہ بوڑھا چو چلا
مدت سے ہم تو چھوڑے پڑے ہیں تجھے نپٹ

ہمیں تو پاؤں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملے ہم خاک میں ، اور یے ترا دامان یاقسمت

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ، ہے راہ مار پیچ

برق نظارہ سے از بسکہ جلا ہوں ، نکلے
نگہ گرم جو کوئی ڈھونڈے مرا خاکستر

لالۂ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اُپر لاے ہے ایک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا ، جنوں سے شب کو
صبح بیدار ہوا ، پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا اے مری جان اس قدر
تسپر رہے ہو ہم سے برا مان اس قدر

سو زخم کھا چکا ہے دل اس پر جگر جلا
کہتا ہے مجھکو زخم ہے ایک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

ہم گم ہوے ہیں ضعف سے جوں بو میان باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

جیوں کعبتین گھر میں مرے گل ہی ہے بساط
ایک مشت استخوان ہوں اور شش جہت سے داغ

پوچھہ مت غم کی داستان اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسمان اے دل

جو دیتا تھا مانگے بغیر از' دیا ہے
کٹے وو زبان جو کہ اس پر ہو سائل

ہم سے پو چھو ہو پیو تے ہو' شراب
ایسے کیا شیخ پارسا ہیں ہم

تم جام دو پیارے' کیونکر کہیں نہیں ہم
خون جگر تھا تو بھی پی ہی گئے ووہیں ہم

تو یار ملکے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو
کس کو بعید جانیں' کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں' ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں' یا ہینگے سب ہمیں ہم

طریق عشق میں مجنون و کوهکن کو نہ کہہ
هزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکار باغ ہوں نہ سزاوار باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ ستی ہم پوچھا
تب ہم سے لگا کہنے قصّہ و حکایاتیں

رنگ اُڑ مرجھا گیا اور جھڑ پڑا شرمندہ ہو
تجھ ستی گُل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رند مست
کچھ نظر میں تری بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں
یہ سخن ہے کہ نہ پی مے، سو وہاں پیوے گا
یہاں تو پی لیجئے کیا جانئے وہاں ہے کہ نہیں

نے و طنبور میں ہے شور تو معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردے میں آ، نالاں

کسی سے بھی نہ ملیئے ایک گوشے میں پڑے رہئے
یہ فرصت یہاں تو نہیں ملتی ہے مرجانے میں ہوے تو ہو

تیر ہے، یا سناں ہے، تیری ہو گئی پار مجھ جگر کے آہ

تری جناب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ
یہی کہ بخشدے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا میں عاشق نہیں، یہ داغ مجھے بس ہیں
جاتا ہوں میں گلشن سے، بلبل نہ ہو آزردہ

غرور حسن ممکن نہیں ہماری داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال' ہم فریاد کو پہنچے

اب دم شمردگی سے مجھے کار و بار ھے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ھے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ھے
پر اتنا جانوں ہوں سب تو ھی ھے جہاں تو ھے

توں اے باران رحمت اوج میں آ' موج سیں اپنے
کہ ایک قطرہ میں میری کشت کا بھی کام ہوجاے

اُس کی ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاھئے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاھئے

دل تو بھرا ھے آبلۂ پا کے جیوں کلیم
جز خار دشت کے مرا غم خوار کون ھے

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ھے
نپٹ دیر کی توں دماغ اب کہاں ھے

(رباعی)

ھر چند لگاتے ھیں بتاں گل مہندی
تیرے ھی قدم تلے گئی رُل مہندی
ھیہات ھیہات کیسا ھووے گا وو ھات
جس ھات ستی داغ ھوئی گل مہندی

(رباعی)

گل رو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا
یہ دل بھی کلی سے' بے کلی سے نہ گیا

جو کوئی که گیا، چھوڑ گیا دل کو یہاں
کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

میرزا 'گرامی'

گرامی تخلص - خلف و شاگرد میرزا عبدالغنی کشمیری 'قبول' تخلص - از شعراے نامی فرس است، در سخن تلاش معنی تازہ می نماید، و بناخن فکر رسا گرہ خیال نازک می کشاید - در شاہجہان آباد بسر می برد - اشعار فارسی او عالم گیر است - در سنۃ ست و خمسین و مائۃ و الف خرقۂ ہستی بگذاشت، مورخے تاریخ رحلتش این مصراع یافت - ع:

رندے عجبے ازین جہان رفت

اشعار ریختۂ او بسمع نرسید، میر تقی 'میر' می نویسد که "چون 'گرامی' دید که ہنگامۂ ریختہ شدہ، خودش نیز ریختہ گفت - بطورے که داشتہ و آن اینست" :—

حاضری بن محل، نہیں کھاتا　　بیگمی ہے پنـہـر مـنعـم کا

میر علی نقی 'کافر'

از بس که آخر سخنہاے نو آئین است، کافر تخلص می گزیند و اگرچہ مربع نشین چار بالش سیادت است، اما از فروتنی در صف آخر می نشیند - از نکات الشعراء معلوم شد که "در شعرے که تخلص می آرد، کافر تپکه، می نامد" این دو شعر ازانست:—

حسرت سے ان بتوں کے دل پر کدورتیں ہیں
مٹی کی مورتیں ہیں 'کافر' یہ صورتیں ہیں

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے
'کافر' ان انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھمکڑے

میر 'گھاسی'

از معمورۂ شاہ جہان‌آباد است - اشعار او بجز این یک بیت که در تذکرتین تحریر است بفقیر نرسید :—

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرتا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہو نہ مرتا بلبل

میر اولاد محمد 'کامیاب'

تخلص - برادر زادۂ حقیقی حضرت میر صاحب و قبلہ میر غلام علی 'آزاد' مد ظلہ‌العالی' نکتہ یاب است' و معنی یاب شاعریست عالی جناب - بسملۂ صفحۂ نازک خیالی' گل سرسبد شیرین مقالی - شمس فلک مضامین رنگین' دیباجۂ کتاب معانی شیرین - ستون عمارت وداد' پشتے دیوار اتحاد - سراج وھاج محفل روشن بیانی' مبادر دلاور میدان سخندانی - بدقت سخن خوب می رسد' و بہ تنقیح الفاظ و آراستگی زبان بسیار می کوشد - آبے است که در ہر رنگ می آمیزد' و جنسے است که در ہر دل جا می دارد - و فقیر را صرف بخدمت ایشان رسوخیت * اخلاص است و ایشان باین فقیر محض شفقت دلی - (فقیر چنین) شخصے رنگین مزاج و سخن فہم ندیدہ' حق سبحانہ تعالی آن عزیز دلہا را تا یوم القیام خرم و سلامت دارد

---

* صحیح لفظ رسوخ ہے

و از مکروهات زمانۂ فتنه ساز بر کران داشته، بمراتب اعلیٰ برساند، اگر طوامیرے* در وصف ایشان شرح دهم قطرہ از دریاے توصیف اوست، اگر دفتری تحریر نمایم نقطۂ از کتاب تعریف او - هرچه گویم در مقام کوتاهی، و هرچه نویسم عین نارسائی سمند قلم را در وصف او جولان دادن مهتاب مکر(؟) پیمودن و طوطی زبان را در تعریف او گویا کردن گره برباد زدن است. مشق ریخته به تفنن می کرده، معنی نازک بناخن فکر وسا می کشاید - الحال فکر سخن فارسي میکند، و ازین غزالان شنگول زا رام می آرد - اکنون تخلص 'کامیاب' را که در اکثر بخور نمی گنجد، تغیر کرده، 'ذکا' قرار داد این نتائج طبع والاے اوست: —

جہاں کے میکدے میں رات دن ہم بزم ساقی ہو
زباں پر اس کے نکلیں آبلے جس نے کہ مے پی ہو

ترے یاقوت لب سے ہر گھڑی موج تبسم میں
نمایاں بسملوں کا خون ہے یا رنگ پاں سچ کہہ

کہیو آہستہ صبا جاکے تو اب کان کے بیچ
بسمل ناز گذرتا ہے کوئی آن کے بیچ

نہ کچھ بے طاقتی پر دل کے ظالم صبح و شام آیا
خدا جانے اُسے منظور کیا تھا جو مدام آیا

فغاں سے ایک دم تو باغ میں خاموش رہ بلبل
نہیں سنتی کہا، کہا دور آیا ہے خرابی کا

* جمع طومار

محبت پر نہ جا دل ہر کسو کے کہ ہیں یہ آشنا تک روبرو کے

رہا برنگ نگیں قید نام میں پابند
جہاں میں کیا ہوا عنقا اگر نشاں سے گیا

غم اب مختار ہے دل چھوڑ دیوے خواہ لے جاوے
پر اتنا جانتا ہوں پھر نہ اپنے منہ کو دکھلاوے
ضرر پہنچے گا اس کو بے طرح کا آہ بلبل سے
کہو جا گل کو اب اپنے کئے سے باز آجاوے

نام ہوجاوے گا آخر ابرووں کی پیچ و تاب
قہر کی آتش سے ہر دم ان کمانوں کو نہ چھیڑ
کام آویں گے کسی دن صدقے جانے کے ترے
خانۂ دولت سے اپنے نیم جانوں کو نہ چھیڑ

"کمال"

شاعریست ادا بند، و موجد خیالات دل پسند - دیوان اشعارش بمطالعہ در آمد، لیکن فرصت انتخاب دست نداد - اقسام اقسام سخن میدارد، و در زمینہاے عجیب طرح ریختہ می نماید - اگرچہ شاہد احوال او بے حجاب پردہ از رخ نکشود، و عروس شیرین مقال ماہیتش بجلوہ گاہ شہود رو نہ نمود، لیکن مرتبۂ 'کمال' از اقوال او ہویدا است - و رتبۂ کلام متینش از سخن او پیدا :-

کاں تاک کاکل کی تیری ہے سیاہی اے سجن!
کم ہوا ظلمت میں جس کے دل شب دیجور کا

کیوں نہ ہووے گا ہم سے تو سرکش وقت ہے عالم جوانی کا

دل دکھاکر یہ بد دعا لینا ایسی باتوں سے کیا بھلا ہووے گا

مرے گھر یار گر یک شب بسا ہوتا تو کیا ہوتا
دو باتیں ہم سے کر شیریں ہنسا ہوتا تو کیا ہوتا

'کمال' اب بے قراری ہے دکھا اے یار منہ اپنا
کہو کیا گرہ کا جاتا ہے میرے پاس آنے سے

پھرتا ہے جال لے کر صیاد گلشنوں میں
شاید کہ آن پہنچا قید قفس کا وعدا

عاشقاں بن چمن میں رونق نہیں باغباں بلبلوں کو آنے دو
می کشی ہے 'کمال' میرا کام میکدے میں ذرا تو جانے دو

ابھی سے پاؤں رکھا سرکشی میں دلبر نے
نہ جانوں آگے محبت نبھاے گا کیوں کر
صبا نے غنچۂ سر بستہ کو نہ کھولی ہے
کوئی تو باغ میں دھومیں مچاے گا کیوں کر

میرزا مغل "کمتر"

تخلص - اشعار رنگین بسیار دارد' و خود را یکے از تلامذۂ شاہ سراج الدین می شمارد - شعرش رنگین و سخنش شیرین است - این چند ابیات بوقت تحریر این مزخرفات فراہم رسیدہ تسطیر یافت :-

نہ بھولیجو کبھی ساقی یہ عالم بے حجابی کا
جو کالا (...) منہ پیالے کا کلی پر گلابی کا

یہی سامان ہے ساقی مری خانہ خرابی کا
چھڈا لیڈا پیالے کا پتک دیڈا گلابی کا
گلابی پاوں پڑتی تھی ہر یک دم جام کے جھک جھک
تو کیا بھولا ہے ساقی وہ ستانا بے حجابی کا
مجھے اس بات پر 'کمتر' تعجب سخت آتا ہے
مرے رونے پہ ہنسنا قہقہا کر کر گلابی کا

میر بدر الدین "گہن"

خلف شاہ عبدالہادی رحمۃ اللہ تعالی و برادر حقیقی میر ہاشم 'فقیر' تخلص- مشق شعر ریختہ(...)می کند و یاقوت گراں بہاے سخن از کان طبع رسا می بر آورد و اصلاح سخن از شاہ 'سامی' می گیرد و بجہۃ اضداد قمر و مہتاب تخلص 'گہن' اختیار نمود، کبت خوب می گوید' عزیز کسے ست حق تعالی سلامت دارد - ازوست :—

ارے اب باغباں بلبل کے جی لینے سے مت(...) رکھہ
کہ وو خود عشق گل میں خون دل سے ہات دھوتا ہے
بجا ہے سبز بختو سرخ رو ہوے جو گل مہندی
نہال اُس کا صنم کے پاؤں پر سر دھر کے سوتا ہے
کہوں گر جوہری میں اپنے دل کو تو عجب نہیں ہے
پلک کے تار میں آنسو کے موتی کو پروتا ہے
جہاں فانی ہے یاد حق ستی ہشیار رہ دائم
'گہن' توں عمر کو اپنی عبث غفلت میں کھوتا ہے

میر "کلان"

در سلک شاگردان حاجی میر اکبر رمال منسلک است '

مشق ریختہ نو می نماید - عزیز کسے ست ، خوش خلق و خوش مذاق ، و از تناسب صوری و وجاہت معنوی بہرۂ وافی می دارد ، و گاہ گاہ بغریب خانہ تشریف می آرد ، این اشعار از طبع زاد اوست :—

ابتدا کیسی محبت تھی تمھاری ہم ستی
ہو گئے ہو آج برہم کس خطا کے واسطے
ظلم اور سختی روا کیوں ہے 'کلاں' پر اے سجن
کیا کیا حق نے تمھیں پیدا جفا کے واسطے

———

باب اللام

میر کلیم الله "لسان"

جوانے بود نیکو منظر شیرین گفتار - چندے بافتح علی خان صاحب تذکرۂ ریختہ گویان سر بر آوردہ و ریختہ بہ نہایت عذوبت می گفت، و گوہر سخن را چنین بسلک نظم می سفت :—

اپنا چاک پیرہن بھاتا ھے دیوانے کے تئیں
آگ میں جلنا بھلا لگتا ھے پروانے کے تئیں

جدا ہو مجھسے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسو کے تئیں یار سے جدا نہ کرے
تو جب تلک کرے انکار وعدہ مجھسے سجن!
غضب ھے عمر اگر تب تلک وفا نہ کرے
سجن! جو تجھسے ہوا آشنا سو جی سے گیا
خدا کسو کے تئیں تجھے آشنا نہ کرے
گناہ مرنے میں 'لسان' کے چارہ گر کا نہیں
طبیب کیا کرے، تاثیر جو دوا نہ کرے

"لطفی"

بر احوالش اطلاع نیست، لیکن کلامش لطفے دارد، اینو ... است

تجھہ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جیو
دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ھے

میں عشق کی گلی میں گھایل پڑا تھا تسپر
جو بن کا ما تا آکر مجھکو کھندل گیا ھے

لالہ سرونجی راے "لالہ"

تخلص - طبع موزون میدارد، و در غزل گفتن اوقات میگذازد - فکر ریختہ هم بہ تفنن می کند، از چندے با فقیر طرح دوستی پیدا کردہ است، این دو گل از لالہ زار او داغے بنظار گیان میدهد :-

'لالہ' کے داغ دل کی سیاھی کو جوش دے
تھوا پیو پیا کہ نین میں خمار ھے

اگر ٹک ناز سے ابرو چڑھا چلے پر چیں کھینچے
مہ تو جیوں کمان گوشے میں جاکر خطکیں کھینچے

در خاطر فاتر پیش مصراع چنین میگذرد :-

(ع) مہ تو تیغ مغرب ساں دم اپنا واپسیں کھینچے -

باب المیم

محمد شاہ بادشاہ

خیلے رنگین مزاج و لطیفہ سنج بود، حسب و نسب او مشہور از آفتاب است، احوال او مفصلاً اگر بقلم آیہ، تواریخ ضخیم پیدا شود - مخفی نماند کہ 'بادشاہ' بتاریخ یاز دھم ذي قعدہ سنة تسع و عشرین ومأة و الف بر تخت شاھی جلوس فرمودہ، و بتاریخ بست و ھشتم شہر ربیع الآخر شب جمعہ سنہ یک ھزار و یکصد و شصت ویک این جہان فانی را وداع نمودہ، پائین مرقد حضرت سلطان المشایخ نظام الدین دھلوی قدس الله العزیز درون حریم مبارک مدفون گردید - چون محمد شاہ بادشاہ و وزیر او نواب آصف جاہ در ھمان سنہ رخت بجہان باقی کشیدند حضرت مبارک و قبلہ مدظلہ العالی شاھد تاریخ را چنین بر کرسی بیان بحسن نغمہ بنشاندند- 'تاریخ'

گشت تاریخ چوں کشیدم آہ موت شاہ و وزیر آصف جاہ

این ابیات بنام او بسمع رسید لہذا تحریر یافت :—

خوف سے مار کے یاراں اُسے لرزاں نہ کرو
زلف کا نام نہ لیو دل کو پریشاں نہ کرو
سرخ چیرا نہیں ھے خون کسی کا یارو
باندنو باندا کے اس (...) تھان نہ کرو

اچھی پہنچی ھے نیکی دور کرنے کی طرح تم کو

جہاں میں ہوا دانا ....

نیں میں دل کی چکری جڑ کے بھیجا ھوں تری خاطر

اگر پہنچے تمہارے ھات لکھہ بھیجو کہ پہنچی ھے

اُکھڑی ھے چوٹ غم کی موسر سے تا کف پا

تم کو نہ چھاجتا ھے ھم سے بھٹک کے چلنا

ملاحت ھے تمہارے حسن میں جاوید روز افزوں

اگر شوخی کی خو جاوے ہووے ھر روز عاشق کا

دھوبن کی چھوکری نے کیا ھے قران آج

کپڑوں میں لے گئی ھے مرے تن تھان آج

کھول کر بند قبا دل کے تئیں غارت کیا

کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں لیا

میرزا جان جان ''مظہر''

سلمہ اللہ تعالی بادہ نوش خمخانۂ معانی، و جرعہ چش ساغر سخندانی است - فقیر ترجمۂ احوال آن علامۂ سخن پرداز مفصلاً از تذکرۂ قبلۂ برحق حضرت غلام علی 'آزاد' مدظلہ العالی می طرازد، و این گلدستۂ رنگین را حسن افتخار خود بشناخته زیب انجمن بسازد که "میرزا مظہر جان جان سلمہ اللہ تعالی مظہر فیض الہی است، و مشرق صبح آگاهی، شاہ مسند فقر و فنا، مقیم آستان توکل و استغنا - نام والد ماجد او میرزا جان است، ازین جا وجہ تسمیۂ او توان دریافت - اما نام وتخلص او گویا عنایت ترجمان اسرار قیومی مولانای رومی است کہ

پانصد سال پیش ازین در دفتر ششم مثنوی ارشاد فرموده و کرامتے نمایان بحضار انجمن استقبال وا نموده، یعنی :-

جانِ اول «مظهر» درگاه شد — جان جان خود مظهر الله شد

لیکن نام او بر السنه میرزا جانجانان جاری شده این اسم هم معنی بلند دارد - فقیر را با میرزا ملاقات صوری صورت نه بسته، اما غائبانه اخلاص کامل است و همیشه به آمد و رفت مراسلات خط هم کلامی حاصل - میرزا جامع فقر و فضیلت و سخن گستری است، و در قبضهٔ اسم خود روح الروح معنی پروری نو عروس مقال را بنشاطگی ذهنش طرز تازه، و تصویر خیال را بتردستی فکرش حسن بے اندازه - شعلهٔ آوازش آتش زن خرمنها، و شوخی اندازش شور افگن انجمنها، فقیر در اثنائے تحریر این کتاب تکلیف ترجمه کرد، میرزا ترجمهٔ خود و اشعار آبدار به تحریر در آورده و متاع نفیسے از انفاس مضامین هدیهٔ دوستان ساخت - نسخهٔ بر جسته این است - «فقیر جانجان متخلص بمظهر، پسر مرزا جانجانی تخلص- علوی نسب، هندی مولد، حنفی مذهب، نقشبندی مشرب است - و در عشرهٔ اولی مأته ثانیه بعد الف ولادتش اتفاق افتاد - نشو و نمائے ظاهری در بلدهٔ اکبرآباد یافته - تربیت باطنیش در محروسهٔ شاهجهان آباد، از جناب حضرت سید محمد بداؤنی نقشبندی مجددی واقع شد - سلسلهٔ نسبش به بیست و هشت واسطه بتوسط محمد بن حنیفه به شیر بیشهٔ کبریا علی مرتضی کرم الله وجهه منتهی می‌شود - جد اعلائے او امیر کمال الدین در اوائل مأته تا سعه از خطهٔ طائف به جذب قسمت بهدود

ترکستان رخت اقامت انداخت، و بفرمان روائی بعضے ازان ممالک عمر گزرانیده، اولاد کثیره بهم رسانید - ازانها امیر مجنون و امیر بابا در حین فتح هندوستان که بر دست همایون پادشاه اتفاق افتاد، درین مملکت وارد شدند- ازان باز خدمت و رفاقت سلاطین گورگانیه شعار مردم این خاندان بود- میرزا جان مذکور که در ششم مرتبه از امیر بابا و در درجهٔ دوازدهم از امیر کمال الدین مسطور واقع است، بعهد عالمگیر پادشاه علیه الرحمة بعالی منصب ترک دنیا سرفراز گردید - و این خاکسار از بدو طفلی هوائے مال و جاهش زر در سر نه پیچید - بعد تحصیل ضروریات این مشت غبار خود را بدامن دولت از خود رفتگان بسته بامید آنکه چشمی در عالم دیگر باز کند- چون نقش قدم بر در ایشان نشسته است- از بس دماغش ضعف قوی دارد و تاب تدبیر اسباب نمی آرد - و تجرید و تفریدے اختیار کرده، نان برخوان دونان نخورد- و چون گل عمر خود را بیک خرقه بسر برده به تحریک شور عشقی که نمک خمیر اوست گاه لبی بفریاد وا می کند- و چون نالهٔ اش موزون واقع می شود، احباب از راه جوهر شناسی به میزان اشعارش می سنجند- وگرنه او را از غایت انصاف نظر به بے سرمایگی خود دکانے بر سخن- نچیده - زیاده برین نیست که نظر بزرگان یافته حسن قبولے بهم رسانیده است - او سبحانه حسن خاتمه هم نصیب کند،، —

راقم سطور یعنی صاحب می گوید که ذات میرزا مغتنم است - حق جل جلاله دیر گاه سلامت دارد - همائے توصیفش نه مرغے است که بچنگ شاهین تقریر آید، و صحرائے تعریفش

نه خطه ایست که خنگ تیز گام تحریر طے نماید - کمال فضل او از کلام 'یقین' که یکے از تلامذۂ چون شهنشاه جهان معانی است' پیدا می شود - والا رتبۂ اقتدارش از حدیث 'درد منه' که جا مگی خوار مائدۂ آن ماه آسمان سخندانی است' هویدا می گردد - لآلیء منظومات فارسیش از لآلیء (به نهایت) غلطانی و ثواقب طبع زاد اشعارش در غایت درخشانی است - این چند ابیات نتائج طبع عالیش تیمناً به تحریر رسید :-

کبھی اس دل نے آزادی نه جانی یه بلبل تھا قفس کا آشیانی

کیوں (...) زاهد سجده کا تو کام لے
وه صنم کب رام هوتا هے خدا کا نام لے

پھولے هیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھه
لاله بھال هے داغ ترے مکھه کا خال دیکھه
بلبل فدا هوئی هے ترے رخ پر اے صنم
سنبل هے پیچ پیچ تري زلف و بال دیکھه

گذر گئے دین اور دنیا سے تس پر ترا گھر اور کئی منزل رها هے
غنیمت جان قاتل! 'جان مظهر' یه مقتولوں میں ٹک بسمل رها هے

اُس گل کو بھیجنا هے مجھے خط صبا کے هات
اِس واسطے لگا هوں چمن کی هوا کے هات
آزاد هو رها هوں دو عالم کی قید سیں
بیدا لگا هے جب ستی مجھه بے نوا کے هات

ترکستان رخت اقامت انداخت، و بفرمان روائی بعضے ازان ممالک عمر گزرانیده، اولاد کثیرہ بہم رسانید - ازانها امیر مجنون و امیر بابا در حین فتح هندوستان که بر دست همایون پادشاه اتفاق افتاد، درین مملکت وارد شدند- ازان باز خدمت و رفاقت سلاطین گورگانیه شعار مردم این خاندان بود- میرزا جان مذکور که در ششم مرتبه از امیر بابا و در درجهٔ دوازدهم از امیر کمال الدین مسطور واقع است، بعهد عالمگیر پادشاه علیه الرحمة بعالی منصب ترک دنیا سرفراز گردید - و این خاکسار از بدو طفلی هوای مال و جاهش زر در سر نه پیچید - بعد تحصیل ضروریات این مشت غبار خود را بدامن دولت از خود رفتگان بسته بامید آنکه چشمی در عالم دیگر باز کند- چون نقش قدم بر در ایشان نشسته است- از بس دماغش ضعف قوی دارد و تاب تدبیر اسباب نمی آرد - و تجرید و تفریدے اختیار کرده، نان برخوان دو نان نخورد- و چون گل عمر خود را بیک خرقه بسر برده به تحریک شور عشقی که نمک خمیر اوست گاه لبی بفریاد وا می کند- و چون نالهٔ اش موزون واقع می شود، احباب از راه جوهر شناسی به میزان اشعارش می سنجند- وگرنه او را از غایت انصاف نظر به بے سرمایگی خود دکانے بر سخن- نچیده - زیاده برین نیست که نظر بزرگان یافته حسن قبولے بهم رسانیده است - او سبحانه حسن خاتمه هم نصیب کند'' —

راقم سطور یعنی صاحب می گوید که ذات میرزا مغتنم است - حق جل جلاله دیر گاه سلامت دارد - همای توصیفش نه مرغے است که بچنگ شاهین تقریر آید، و صحرای تعریفش

نه خطه ایست که خنگ تیز گام تحریر طے نماید - کمال فضل او از کلام 'یقین' که یکے از تلامذۂ چون شهنشاه جهان معانی است' پیدا می شود - والا رتبۂ اقتدارش از حدیث 'درد مند' که جا مگی خوار مائدۂ آن ماه آسمان سخندانی است' هویدا می گردد - لآلیء منظومات فارسیش از لآلیء (به نهایت) غلطانی و ثواقب طبع زاد اشعارش در غایت درخشانی است - این چند ابیات نتائج طبع عالیش تیمناً به تحریر رسید :-

کبھی اس دل نے آزادی نه جانی یه بلبل تھا قفس کا آشیانی

کیوں (...) زاهد سجده کا تو کام لے
وه صنم کب رام هوتا هے خدا کا نام لے

پھولے هیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھه
لاله بحال هے داغ ترے مکھه کا خال دیکھه
بلبل فدا هوئی هے ترے رخ پر اے صنم
سنبل هے پیچ پیچ تری زلف و بال دیکھه

گذر گئے دین اور دنیا سے تس پر ترا گھر اور کئی منزل رها هے
غنیمت جان قاتل! 'جان مظهر' یه مقتولوں میں تک بسمل رها هے

اُس گل کو بھیجنا هے مجھے خط صبا کے هات
اِس واسطے لگا هوں چمن کی هوا کے هات
آزاد هو رها هوں دو عالم کی قید سیں
ٹپدا لگا هے جب ستی مجھه بے نوا کے هات

'مظہر' چھپا کے رکھہ دل نازک کے تئیں مرے
یہ شیشہ بیچنا ھے کسی میرزا کے هات*

این چند اشعار آبدار، فتح علی خان و میر تقی 'میر' می نویسند:—

بہار آنے سے بلبل نے بگاڑا ھے مزاج اپنا
سماتی نہیں ھے پھولوں میں مگرپائی ھے راج اپنا

بہار آئی' کھلے باغ' بلبل پھول کر بیٹھی
دوانوں کو کہو اس وقت کرلیویں علاج اپنا

گلوں کے فرش پر مت بیٹھہ چونتے کو پھلا بلبل
خزاں کے آؤنے کی ھے خبر، رکھہ سر سے تاج اپنا

——

گئی آخر جلا کر گل کے ھاتھوں آشیاں اپنا
نہ چھوڑا ھاے بلبل نے چمن میں کچھہ نشان اپنا

ھمارے سات سے یہ دل بھی بھاگا لیکے جان اپنا
ھم اُس کو جانتے تھے دوست اپنا مہربان اپنا

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کر تے
اگر ھو تا چمن اپنا' گل* اپنا' با غبان اپنا

مرا جلتا ھے دل اُس بلبل بےکس کی غربت پر
کہ گل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

---

* برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھی تو جا کے لگے دلربا کے هات
(تحفۃ الشعراء)

• گل اپنا گلبن —

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کو اے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا ' مظہر اپنا 'جان جان اپنا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہاے کچھ چلتا نہیں' کیا مفت جاتی ہے بہار
لالۂ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیا مت ہے مڑوں کو بھی ستاتی ہے بہار
نرگس وگل کی دکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب
پھر ان خوابیدہ فتنے * کو جگاتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک
جی نکل جا تا ہے جب سنتے ہیں اتی ہے بہار
شاخ گل ہلتی نہیں ' یہ بلبلوں کو باغ میں
ہات اپنے کي اشارت سے بلا تی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت هوویں اے صیاد هم
مدتوں اس باغ کے سایے میں تھے آباد هم

الہی مت کسو کے پیش رنج انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں تک دم لیا تو پھر کیا

نہیں کچھ غم کہ کیوں ملتا نہیں پیماں گسل میرا
میں روتا ہوں گا دل کی، بیکسی پر، ہاے دل میرا

---

* (ن) مستوں —

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے　　کہاں ہم کو دماغ دل رہا ہے

نہیں آتا کسی تکیے اُپر خواب　　یہ سر پانووں سے تیرے ہل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو　　یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

———

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں

بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

———

تجلی گر تری پست و بلند ان کو نہ دکھلاتی

فلک یوں چرخ کیوں کھاتا، زمیں کیوں فرش ہو جاتی

حنا تیرے کف پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی

یہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انھوں کی نیند کیوں جاتی

اگر یہ سرد مہری تجھ کو آسایش نہ سکھلاتی

تو کیوں کر آفتاب حسن کی گرمی میں نیند آتی

الٰہی درد و غم کی سر زمیں کا حال کیا ہوتا

محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

———

توفیق دے کہ شور سے ایک دم تو چپ رہے

آخر مرا یہ دل ہے، الٰہی جرس نہیں

———

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا 'مظہر'

بھلا تھا، یا برا تھا، زور کچھ تھا، خوب کام آیا

———

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر

سورج کے ہات چونری و پنکھا صبا کے ہات

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منڈہ لگایا ھے سجن نے بیڑۂ پان کو

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختے کو دل کہا کرو

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل یہیں تک تھی ہماری زندگانی *

شیخ شرف الدین "مضمون"

شاعریست زود رس، و سخن پر وریست معنی رس - مضمون

---

* جنوں سوں اس قدر روئیں کہ رسوا ہوگئیں آخر
ڈبایا ھائے ان آنکھوں نیں آخر خانمان اپنا
قفس کے بیچ کیا حسرت ستی بلبل یہ کہتی تھی
کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہویگا بوستان اپنا
اری شیریں خدا سوں ڈر، خبر لے عاشق اپنے کی
کیا فرہاد نے تیشے سوں سر لوھو لہان اپنا
یہ بلبل بے اجازت باغبان کی گل سے ملتی ھے
مجھے معلوم ہوتا ھے کہ جی دیگی ندھان اپنا
کہیں دینے سیں جی کے، وصل ہونا ہات لگتا ھے
دیا برباد پروانے نے ناحق دو دمان اپنا
یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوی بلبل کہ یا قسمت
لکھایوں تھا کہ چھوڑے فصل گل میں آشیان اپنا

خداوندا اُٹھا لے ھجر کے درمیاں سوں پردے
ھمیں صیاد کے اب دام میں ڈالا ھمیں پردے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

شیرینش شرف بر نبات می دارد؛ و کلام شکرینش مذاق جان را لذت خاص می بخشد - اصلاح سخن از میرزا 'مظہر' وسراج الدین علی خان 'آرزو' می گرفت، و گاهے بتفنن گوہر سخن بسلک نظم می سفت - چنانچہ دلیل کم گوئی خود می گوید :—

درد دل سے جس طرح بیمار اُٹھتا ہے کراہ
اِس طرح ایک شعر 'مضمون' بھی کہے ہے گاہ گاہ

فتح علی خان در ترجمہ او می طرازد کہ " با وصف برودت پیری و فرط ضعف و ناتوانی ہا، مردے بودہ بغایت گرم جوش وچسپاں اختلاط - ہر گاہ دندانش از نزلہ ریختند، خان 'آرزو' از مزاح " شاعر بیدانہ " می گفت " انتہی - دیوانش بجمیع

(بقیۂ حاشیۂ صفحہ ۲۵۳)

رات کو یوں گھر بسا مجھہ بر مذیں وو گلبدن
ماہ جس کے باغ میں یک چاندنی کا پھول ہے

چمکتے دانت دیکھے یار کے مسّی لگانے میں
جڑی ہیں قطبیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

دھرے سیپارۂ گل آج اگے عندلیبوں کے
چمن کے بیچ گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

علی کے نانو کی تسبیح ورد کر منگا هزار شکر کہ دانا امام پایا ہے

علی کے نام اوپر وار جانا اسی بارہ پلی سیں پار جانا

(تحفۃ الشعراء)

اصناف، قریب سه صد بیت بملاحظه در آمد، از سخن معلوم میشودکه از اولاد حضرت شیخ فرید گنج شکر قدس سره است، چنانچه خود می گوید :—

لب شیریں سے دے 'مضموں' کو میٹھا
کہ ہے فرزند وہ گنج شکر کا

ونیز در جائے می نویسد :—

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ بابا ہمارا ہے دادا فرید

این چند ابیات از دیوان 'مضمون' بر آورده، بساحل قرطاس می نگارد :—

بہت گل رخاں کا ہوا رنگ زرد — سجن! جب سے تم لال چیرا سجا

اُس گلبدن کو جب سے ہم سوں کیا (...)
(...) ہوا میرا تب سے رقیب سالا

خوبوں کو جانتا تھا گرمی کریں گے مجھ سے
دل سرد ہوگیا ہے جب سے پڑا ہے پالا

آیا نہ ہو وہ غیر کے گھر سے بسا ہوا
تو لاکھہ .... تھا جامہ جسا ہوا

ہوا مطلوب مجھ معلوم اس کا — کہ وو کاہل بہت ہے دل سوں جی کا
دراز اس زلف کی ہوئے عمر یارب — کدھی ہووے نہ اُس کا بال بھکا
پڑا ہے جب سے اُس کے لوں کا شور — ہوا ہے رنگ یوسف تب سوں پھیکا
کہا طفلاں کی خاطر ریختہ کو — وگرنہ شعر کہتا فارسی کا

صفا کر دل کے تئیں اپنے تو'مضموں' — کہ ہے معشوق عاشق ....

بکے ہے اس قدر واعظ شب و روز لگا ہے بھوت گویا اُس کو بڑ کا

کرو، یا مت کرو اب باغباں! گلزار کا در وا
پھنسے ہم دام میں صیاد کے رکھتے نہیں پروا

نہیں چلا افسوں کسی کا جن اُپر ریختہ اُس کو ہوا جادو :مرا

کیا جو مجھ ستی بیگانہ اُس کو رقیبوں کا مگر لگتا ہے ....

نہ دیتا غیر کو نزدیک آنے اگر ہوتا وو لڑکا دور اندیش

یہ دوانہ دل نہ سمجھا جو سزا چاہو سو دیو
اے پری رویاں نہیں میں ہرگز اب اُس کا کفیل

کیفی ہوکر جو مجھ سے رہا ہے وو شوخ روٹھ
جب پوچھتا ہوں بات تو کہتا ہے چل نکل

(...) جلس سے 'مضموں' کا ہے بازار گرم
جو کوئی شاعر کہاتا ہے سو اب کھولے دوکان

وو ہے سونا جو ہو وے خوب کس میں
وو ہے دلبر جو ہووے اپنے بس میں

کوئی اس جنس کا دہلی میں خریدار نہیں
دل تو حاضر ہے ولیکن کہیں دلدار نہیں
وہی دلدار خوش آیا ہے جو ہووے بانکا
ضرب لگتی نہیں وو تیغ جو خمدار نہیں

بچا زاہد تو اِن سیں دین و ایمان
نہ رہنے دیں گے یہ لڑکے ہیں شیطان

نہ دانا ہے نہ پانی وہاں بجز اشک

عجب دیکھا ہوں میں نے شہر رمضاں

اس گدا کا دل لیا دلی میں چھین کوئی کہے جاکر* محمد شاہ سوں

شرم سے سب پانی ہو جاویں رقیب گر مرا یوسف ملے آ چاہ سوں

کہتا ہوں ریختہ میں مانند شمع، لیکن

لغزش زباں کرے ہے صاحب سخن کے آگو

اس دہاں بیچ سخن رکھتا ہوں جب کہ اس بات کو اثبات کرو

چلا کشتی میں آگے سے جو وو محبوب جاتا ہے

کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں، کبھی جی ڈوب جاتا ہے

یہ میرا اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا

کسی بیتاب کا گویا لئے مکتوب جاتا ہے

سجن یہ خوبرو تجھ سیں چرا ویں کیوں نہ پھر آنکھیں

جو کوئی خورشید کو دیکھے سو ہو محجوب جاتا ہے

کہو کیوں کر زلیخا کی نہ ہوے آنکھوں کا گھر روشن

جہاں یوسف سا نور دیدۂ یعقوب جاتا ہے

گدا ہو کر کیا مت کر اتنی تعریف لڑکوں کی

کہ ان باتوں ستی 'مضمون' ترا اسلوب جاتا ہے

---

* جا کہو کوئی

این ریختہ بجنسہ در دیوان 'یقین' بنظر در آمد ' اما مقطع چنین بود :-

'یقین' ہوکر کیا مت کراتی تعریف لڑکوں کی
کہ ان باتوں ستی مضمون سا محبوب جاتا ہے

این ریختہ از روز مرۂ 'یقین' ندید؛ بنا بران در اشعار 'مضمون' تحریر گردید - و نیز میر محمد تقی 'میر' ہم ہمین ریختہ را بنام 'مضمون' می نویسد ' خالی از تصرف کاتب نیست :-

جس دن سے تو چمن پر آ ہنس گیا ہے لڑکے
اس دن سے دل کلی کا ... تڑکے
دل کے دھوئیں سے میرے انکھیاں تمھاری چونکیں
اس سوختے کی بو سے جیسے غزال بھڑکے
رسوائی ہووے' جاویں ہوش و حواس اس کے
زاہد آکر جو بیٹھے یک پہر پاس اُس کے

وہ شوخ طفل دل کو جو کر گیا ہے لٹو
شاید کدھی پھر آوے رکھتا ہوں آس اس کی

تجھے خورشید رو کرتے ہیں سجدہ
اگر ثانی ہے یوسف کا تو توں ہے
نہ جا موزی رقیبوں کے تو گھر شب
کہتے ہیں ماہ عقرب میں زبوں ہے
نہیں ہے چین تجھ بن دل کو میرے
تمھاری جان کی ہم کو قسم ہے

نہ کر طفلاں سے الفت اے نمازی کہ یہ دیں گے تجھے شیطان بازی

جب سے چاہا ھے ترا چاہ ذقن آب چشموں سے مرے جاری ھے
سبز جامے سے مرے من کو ہرا دل کی ہرنی کا وو شکاری ھے
یار کے قول کو نہیں ھے قرار اس ستی دل کو بے قراری ھے

این چند ابیات میرتقی 'میر' و فتح‌علی‌خان بقلم می‌آرند:-

ایک تو تھا ھی وہ مہ رو خود پسند
ہوگیا دیکھہ آرسی کے تئیں دو چند

ہنسی تیری پیارے پھلجھری ھے
یہی غنچوں کے دل میں گلجھری ھے

گرفتاری سے اس سرکش کو آزادی نہیں ہرگز
موے سے بھی نہ نکلے گا یہ طوق گردن اے قمری

کہا ھے یاد مجھ کو بعد مدت مگر اُن طفل نے اب سدھ سنبھالی
نظر آتا نہیں وو ماہ رو کیوں گذرتا ھے مجھے یہ چاند خالی

کرے ھے دارھی کامل کو سرتاج ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

گر حرف حق زباں سے ہماری کبھو سنے
احوال اپنا دیکھہ کے حلاج سر دھنے
سبزی یہ خط کی دیکھہ کے پیارے عجب نہیں
ہوکر کے مست بھنگ بھی تنکے اگر چنے

مہ رونے بوجھ پکرا مشکل ہوا ھے جینا
یارو خدا کرے خیر بھاری ھے یہ مہینا

جو دو پیالے سحر کو پھر کے اور دو شام کو لے گا
وہ بخت اپنے میں جیوں خورشید چاروں جام کو لے گا

میرا پیغام وصل اے قاصد کہو سب سے اسے جدا کر کے

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

خط آ گیا ہے اس کے، مری ہوئی سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام و صبح

کیا سمجھ باندھا ہے بلبل نے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بے وفا ہے تس پہ جور باغباں

میکدے میں گر سراسر فعل نا معقول ہے
مدرسہ دیکھو تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کب کرے ہے
دیتا ہے ٹانگ اس کو جو فعل بد کرے ہے

چھوتے سینوں سے یوں ہوا معلوم
تیری آنکھوں کے نگ دو پتلی ہیں

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا اکے لبریز

مضمون شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے بہوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

میر محمد تقی "میر" می‌نویسد که "شاعر مذکور* بجاے" اسم "نام" موزوں کردہ بود، اسم اصلاح خان صاحب است، وچه اصلاح - زیرا که اهل دعوت اسم می خوانند نه نام - فافهم - راقم سطور گوید که هر کسے استاد بجهت اصلاح دادن و نقص گرفتن مقرر می کند؛ و این خود معلوم که سخن صاف و شسته بے اصلاح استاد از زبان سرزند، پس درین صورت تحریر این امر خالی از خوردہ چینی نیست - چنانچه حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ درباب هشتم گلستان می‌فرماید "متکلم را تا کسے عیب نگیرد سخنش اصلاح نه پذیرد —

بلبلو شور چمن میں نه کرو کون سنتا هے تمهاری فریاد

میر محمد تقی "میر"

اکبر آبادی، میر میدان سخنوري، و شهنشاه اقلیم معنی پروری است - اشعۀ آفتاب کمالش در مناهج الفاظ بےنهایت درخشانی پیدا، و لمعۀ ماهتاب معنیش بشب عبارت بکمال تابانی هویدا - شهپر کلکش به تسخیر ... می پردازد و، وشهباز طبعش بچنگ فکر رسا به نخچیر (...) مضامین رنگین می‌سازد - هزاران معنی بیگانه غلام جنابش (...) پر فرحت میدهد کمیابش نقطۀ طبع زادش چون در رخ عزیز و محترم، و حرف رقم زد قلمش مثال زرسفید رائج عالم- حقاکه (...) و نازک خیالی

---

* (ن) مسطور —

سر تاج شاعران این عصر و گل سرسبد ... حرت گیران می نهد ، و برین کمال غریب او تذکرهٔ نکات الشعراء من تصنیف میر گواهي می دهد - تار پود اشعار آبدارش چنین قماش دارد :—

کب تلک داغ دکھاے گی اسیری مجکو
مرگئے سات کے میرے تو گرفتار کئی
وهی چالاکیاں هاتوں کی هیں جو اول تهیں
اور گریباں میں مرے رہ گئی هیں تار کئی
اضطراب و قلق و ضعف سے میں کیوں کہ جیوں
جان واحد هے مری اور هیں آزار کئی
کیوں نہ هوں خستہ جگر میں کہ نگاهوں سے تری
تیر هیں پار کئی وار هیں سوفار کئی

صحرا میں سیل اشک مرا جابجا پھرا
مجنوں بھی اس کی موج میں مدت بہا پھرا
طالع سعید دیکھہ کے دولت هوئی نصیب
سر پر مرے کروڑ برس تک هما پھرا
آنکھیاں برنگ نقش قدم هوگئیں سفید
نامے کے انتظار میں قاصد بھلا پھرا

فتح علي خان این یک بیت میر می نویسد :—

بھلا تم نقد دل لے کر همیں دشمن گنواتے هو
کبھو کچھہ هم بھی کرلیں گے حساب دوستاں در دل

این قدر اشعار خود میر محمد تقی 'میر' در اختتام تذکرهٔ 'نکات الشعراء' (من تصنیف خود) می نویسد، اگرچه دل نخواست که این همه را بقید قلم آرد، و این قدر درد سر بیجا

بنظارگیان دهد، لیکن چون التزام نموده که اشعار تذکرتین هم بر طرازم مانع آمد، لاچار آن کل را نقل برداشته می شود - بعضے اشعار خوب دارد ازوست :—

صید کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جو ترے کوچے میں آیا پھر یہیں گاڑھا اُسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامن گیر کا

کس طرح سے مانئے یاران! کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو 'میر' کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی، یا روز جنگ تھا

مت کر عجب جو 'میر' ترے غم میں مر گیا
جینے کا اُس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے 'میر' روتا رہے گا ٭ تو ہم سایہ کوئی کیونکہ سوتا رہے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلا ٭ ہو چکی عید، تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جیو مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہشیار، زینہار، خبردار دیکھنا!

تجھ سے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجیے غرض اب وہ زمانا ہی گیا

هم اسیروں کو بھلا کیا، جو بہار آئی نسیم !
عمر گذری کہ وہ گلعذار کا جانا هی گیا

جی گیا 'میر' کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظالم هی تجھ سے، نہ بہانا هی گیا

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں 'میر' ایسی تو
کہ کہتے هی سجن کے روبرو قاصد کا منہ آیا

کف جاناں سے ممکن نہیں رهائی 'میر' کوئی هووے
اچنبھا هے جو اُس کے هات سے رنگ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا هے تشنہ لب
مدت تلک جو 'میر' کا لوهو پیا کیا

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا

تک دیکھہ آنکھیں کھول کے اُس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے 'میر' بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو، جب چلا هوں میں، تب اُس کا دم نکلتا تھا

نہ گئی تسبیح اُس کی نزع میں بھی 'میر' سے هرگز
اُسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا یہ ڈھلتا تھا

اب تو جاتا هی هے کعبے کو تو بتخانے سے
جلد پھریو، تجھے اے 'میر' خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سودا هوا تھا پر اتنا میں ظالم نہ رسوا هوا تھا
خزاں! الفت اس پہ نہ کرنی بجا تھی یہ غنچہ چمن میں ابھی وا هوا تھا

کہاں آتے میسر مجھہ کو، تجھہ سے خود نما اتنے
یہ حسن اتفاق، آئینہ تیرے روبرو توٹا

طراوت تھی چمن میں سرو کو یہ اشک قمری سے
ایدھر آنکھیں مندیں اُس کی کہ اودھر آب جو کھوٹا(؟)

شب زخم سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کو
ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں مری کھلیں جب جیو 'میر' کا گیا تب
دیکھے سے تجکو ورنہ میرا بھی جیو چلا تھا

ہم تو کہا تھا تیرے تئیں آؤ سمجھہ نہ ظلم کر
آخر کار بے وفا جیو گیا نہ 'میر' کا

قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا
دوش ہوا پہ رنگ گل یاسمن گیا

برگشتہ بخت دیکھہ کہ قاصد، سفر میں سے
بھیجا تھا اس کے پاس سو میرے وطن گیا

مرگیا تسپہ سنگسار کیا نخل ماتم مرا یہ پھل لایا

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھہ سکوں میں 'میر'
ایدھر تو مجھہ سے بت پھرے اودھر خدا پھرا

جب کہ تابوت مرا لاے شہادت سے اتھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اتھا

عمر گذری مجھے بیمار ہی رہتے، ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اُتھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
اے یار مرے سلمہ اللہ تعالی
جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
وہاں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا
کچھہ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھہ لگا تھا یہ رسالا

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
افسوس میرے مردے پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاؤنا عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا
ایک چشمک پیالہ ہے ساقی! بہار عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا
ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسماں
دے جام خوں کا 'میر' کو گر منہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں یک نالہ پریشاں یک جا
دل کے سو ٹکڑے مرے اور سبھی نالاں یک جا
سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے، یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یک جا

گذرا بناے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

آنکھوں میں جی مرا ہے اِدھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہاے رے صرفہ نگاہ کا
یک قطرہ خون ہوکے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا
ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سنبھل کے پھن
ہوگا کمیں میں ہاتھہ کسی داد خواہ کا

کیا طرح ہے آشنا گاہے، گہے نا آشنا
یا تو بیگانہ ہی رہئے، ہوجیے یا آشنا
پاے مال صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا
بلبلیں رو رو کے یوں کہتی تھیں ہوتا کاشکے
یک مژہ رنگ قراری اس چمن کا آشنا
گو گل و لالہ، کہاں سنبل، سمن، اور نسترن
خاک سے یکساں ہوے ہیں ہاے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا
رو آشیان طائر رنگ پریدہ تھا
قاصد جو وہاں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا
حاصل نہ پوچھہ باغ شہادت کا بوالہوس
یہاں پھل ہر ایک درخت کا حلق بریدہ تھا
مت پوچھہ کس طرح سے کٹتی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواہ مجھہ سے لڑ گیا اب خواہ اُس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہمنشیں میں تجسے، حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا کھپ گئی جیو میں تیری بانکی ادا
خاک میں مل کے 'میر' اب سمجھے بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سنو ہو! جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا
چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا
اے کہ آزاد ہے تک چکھہ نمک مرغ کباب
تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب
مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھہ خورشید تجھہ کو اے محبوب! عرق شرم میں گیا ہے ڈوب
'میر' شاعر بھی زور کوئی تھا دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

این بیت کہ بالا مذکور شد گویا از زبان ما است :—
دست صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری نے لیا مجکو تہ دام بہت

سہل سوجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق ایک جان کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق
رنگ کچھ اور ہی ہو جاے ہر ایک آن کے بیچ
تاک کے چھاؤں میں جیوں مست پڑے سوتے ہیں
ایندتی ہیں نگہیں سایۂ مژگان کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
اُبھریں گے دل سے عشق! ترے راز میرے بعد
بن گل ہواے آہ میں تو جا کے لوٹیو
صحن چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرہاد رکھہ کے تیشہ کہے ہے "یا استاد"

اودھر فلک ہے عرش کے مشکل سے تک گذر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر
ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن! تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار
ہات سے جاے گا سر رشتۂ کار آخر کار

نہ ہو ہر زہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہل دل، ضبط نفس بہتر
نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھہ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آپی نہ آوے گا، برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھکو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا مری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم تک، کب لگ ستم مجھہ پر جفا کار اس قدر
ایک سینہ، خنجر سیکڑوں، ایک جان وآزار اس قدر
بھاگے مری صورت سے وہ، میں عاشق اُس کی شکل پر
میں اُس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھہ سے بیزار اس قدر

دل دماغ اور جگر یہ سب ایکبار کام آئے فراق میں اے یار
ق
کیوں نہ ہو قتح ضعف اعضا پر مر گئے اس قشون کے سردار

مجھہ کو پوچھا بھی نہ، یہ کون ہے غم ناک ہنوز
ہو چکی حشر، میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز
اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر
دامن دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں، یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز
بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ
تو نہیں چھوڑتا اس چال کی رفتار ہنوز
منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں، اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس

حرماں تو دیکھہ، پھول بکھیرے تھی کل صبا
ایک برگ گل گرا نہ، جہاں تھا مرا قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس   آہ افسوس صد ہزار افسوس
یوں گنواتا ہے دل کوئی، مجھکو   یہی آتا ہے بار بار افسوس

آج کل کیا ہم کو * بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ سب وعدے تمھارے ہیں خلاف
پاؤں پر سے اپنے میرا سر اُٹھانے مت جھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر سے خوش غلاف

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھہ بھبوکے سے کو بیٹھا دیکھہ بجھہ جاتی ہے شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاوں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک
اتنا دن اور دل سے تپش، کرلے کاوشیں
یہ مجہلہ تمام ہی ہے آج شب تلک
نقاش! کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہ یار
کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اُس کا میں اب تلک

فصل خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جائے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل
ارہ تھی † عندلیب کی آواز دل خراش
جو ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل

گل کی جفا بھی دیکھی، دیکھی وفائے بلبل
یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

---

* (ن) کام کو   † (ن) انہہ ری

کیا بلبل اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم
گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم
جیتے ہیں تو دکھاویں گے دعوائے عندلیب
گل بن خزاں میں ابکی وہ رہتی ہے مر کہ ہم

گرچہ آوارہ جیوں صبا ہیں ہم لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم
آستاں پر ترے گزر گئی عمر اسی دروازے کے گدا ہیں ہم
تیرے کوچے میں تا بمرگ رکھا - کشتۂ منت وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلہ پا کا مرا اشک از بسکہ تری راہ کو آنکھوں سے چلا ہوں
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سر راہ' کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں' کڑھنے کو بلا ہوں

گر تنک ہو درد آئینے کو چرخ زشت میں
اِن صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں

تو گلی میں اُس کی جا آ' ولے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوے پھر اکھڑیں دل چاک درد منداں
ترے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوے ہیں ظالم
مگر آہنی توے ہیں جگر نیاز منداں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غم کدے میں آہ دل خوش کہیں نہیں
آگو تو لعل نو خط خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سن گوش دل سے اب تو سمجھہ بے خبر کہیں
مذکور ہو چکا ہے مرا حال ہر کہیں
کیا فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں!
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں

کیا میں نے رو کر فشار گریباں　　رگ ابر تھا تار تار گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
تک سن کے سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں　　قیامت کو مگر عرصے میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں
کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تری زلف سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں
اندھیری رات ہے، برسات ہے، جگنو چمکتے ہیں

عام حکم شراب کرتا ہوں　　محتسب کو کباب کرتا ہوں
تک تو رہ اے بنائے ہستی تو　　تجکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھئے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھہ رہا نہیں
بوے گل اور رنگ گل، الدہ ہی الدہ ہے نسیم!
لیک بقدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتار چمن
کہ ہوے قید میں دیوار بدیوار چمن
سینے پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم!
یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوار چمن
خون ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر ایک کے ہنوز
کس ستم دیدہ کے مژگاں ہیں یہ خار چمن

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو 'میر' سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں
میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہوکر خاک سے سرزد

یکایک آگیا اس آسماں کی پائمالی میں
مرے اُستاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جا گہ
نہ سکھلایا بغیر از عشق مجکو خرد سالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں روز برسات کی ہوا ہے یہاں
جس جگہ ہو زمین تفتہ سمجھ کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اُترا کبھی قطرہ آب تجھ بن
یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھی سیر کرنے چل تو
کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھ بن
میں لہو پیوں ہوں غم میں عوض شراب ساقی!
شب تیغ ہوگئی ہے شب ماہتاب تجھ بن
کٹی عمر میری ساری' جیسے شمع باد کے بیچ
بھی رونا' جلنا' گھلنا' یہی اضطراب تجھ بن

نسیم مصر گر آئی سواد شہر کنعاں کو
کہ بھر جھولی یہاں سے لے گئی گلہاے حرماں کو

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

زبان نوحہ گر ہوں میں، قضا نے کیا ملایا تھا
مری طینت میں یارب سودۂ دلہاے نالاں کو

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضا، مت سرسری گذرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کریں بالملک فرش رہ اُس ساعت کے* محشر میں
لہو ڈوبا کفن لاویں شہید ناز خوباں کو

صداے آہ جیو کے پار ہوئی ہے تیر سے شاید
کسی بے درد نے کھینچا، کسی کے دل سے پیکاں کو

کیا سیر اس خرابے کی† بہت اب چل کے سو رہئے
کسی دیوار کے سایے میں منہ پر لے کے داماں کو

کیا ہے گر بد نامی و حالت تباہی بھی نہ ہو
عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو

جی‡ سے جہاں میں ہر$ سحر تیری کروں ہوں جستجو
خانہ بخانہ، در بدر، کوچہ بکوچہ، کو بکو

آنکھوں سے دل تلک ہیں چنے خوان آرزو
نومیدیاں ہیں کتنی ہی مہمان آرزو

---

* (ن) کہ　　† (ن) کا

‡ (ن) جب　　$ (ن) ہے

اس مجھلے کی سحر کروں کب تلک، کہ ہے
دست ہزار حسرت و دامان آرزو

دل پر خوں ہے یہاں تجھکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو، کہاں ہے شیشہ
شیشہ بازی تو تک ایک دیکھنے آ آنکھوں کی
ہر مژہ پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ؟
کہنے لاگے کہ کدھر بہکا پھرے ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے کہ یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کرکے گداز
شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ
زمین میکدہ یکدست ہیگی آب زدہ
بنے یہ کیونکہ ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں
ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ہیں اُڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ
کچھہ سنے * سو ختگان تم † خبر پروا نہ
سعی اتنی تو ضروری ہے اُٹھے بزم سلگ
اے جگر تفتگی بے اثر پروا نہ!

---

* (ن) سنی — † (ن) نے —

بزم دنیا کی تو دلسوزی سنی ہوگی 'میر!'
کس طرح شام یہاں ہو سحر پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے
حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دل بروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کا نپوں ہوں کہ ہے آہ نپٹ سرد
یہ باؤ کلیجے کے کبھی پار نہ ہووے

کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی روؤنگا
چمکتی زور ہے بجلی، مقرر آج باراں ہے
چمن پر نوحۂ و زاری سے ہے کس گل کا یہ ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی
چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہے نہ پروانہ، نہ تھامے ہے زباں شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے
لیتا ہی نکلتا ہے مرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے
اے 'میر' جگر ٹکڑے ہوا دل کی تپش سے
شاید کہ مرے جیو پہ اب آن بنی ہے

گرم ھیں شور سے تجھہ حسن کے بازار کئی
رشک سے جلتے ھیں یوسف کے خریدار کئی
اپنے کوچے میں نکلیو تو سنبھالے دامن
یادگار مژۂ ' میر ' ھیں وھاں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ھے تیرا بیمار آج تو خوش ھے
'مہر' پھر کہیو سرگذشت اپنی بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ھے

مرھی جاویں گے' بہت ھجر میں نا شاد رھے
بھول تو گئے ھو ھمیں پر یہ تمھیں یاد رھے
ھم سے دیوانے پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے ' کوہ میں فرھاد رھے

مرے درد دل کا تو یہ جوش ھے
کہ عالم جوان سیہ پوش ھے
کیا * رو برو اُس کے کیوں آئینہ
کہ بیہوش † اُس کا دم اور ھوش ھے

اچنبا ھے اگر چپکا رھوں مجھہ پر عتاب آوے
و گر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اُس کو خواب آوے
لپیٹا ھے دل سوزاں کو اپنے ' مہر ' نے خط میں
الٰھی نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

اس دشت میں اے سیل سنبھل ھی کے قدم رکھہ
ھر سمت کوں یہاں دفن مری تشنہ لبی ھے

---

* (ن) گیا — † (ن) بیہوشی —

بتاں تو چھوڑ دیتے کر کے خاک راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا، اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریے سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بھی بھی

ملوں کیونکہ ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم!
ترا رنگ شعلہ، مرا رنگ کاہی

اب خدا مغفرت کرے اُس کو صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لئے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچے کو اور مجھ سے چھپاتا ہے

ہو گئی شہر شہر رسوائی اے مری موت تو نہیں * آئی
'میر' جب سے گیا ہے دل تب سے میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

بارے نسیم! ضعف سے کل ہم اسیر تھے
سناتے میں جیو † کے گلستاں تلک گئے
صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہے نکیلی نپٹ اُس جواں کی طرح ہے
اڑے خاک گاہے، رہے گاہ ویراں خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے
تعلق کرو 'میر' اُس پر جو چاہو مری جان! یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے بس اے تپ فراق کہ گرمی سے مر گئے

---

* (ن) بھولی † (ن) جئوں

ناصح نہ روئیں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم
اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ہنگامہ میری نعش پہ، تیری گلی میں ہے
لے جائیں گے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے
کاتب! کہاں دماغ جواب شکوہ تانئے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانئے
شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ
جب سوئیے تو چادر مہتاب تانئے

کب فلک جیو رکے خفا ہووے — آہ کرئیے کہ تک ہوا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم — دیکھئے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں، منڈی ہے دیوانوں کی
یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد تک اے خانہ خراب!
یہی ایک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی
کیونکہ کہئے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا
گرد نم ناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میری تغییر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بجوانی
اے عمر گذشتہ میں تری قدر نہ جانی
مدت سے ہیں یک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے
رہ گئی ہے کسی موے پریشاں کی نشانی
بھاتی ہے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن
لکنت سے اُلجھہ جا کے تجھے بات نہ آنی

بسکہ ہے گردوں دوں پرورد نی ہوے پیوند زمیں یہ کشتنی *
بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح!
شمع کے منہ پر تو پھر گئی مردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے
آب ہو جاے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے

دھر بھی ' میر ' طرفہ مقتل ہے جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں لیکن اب تک تو روز اول ہے
ق
ھجر باعث ہے بدگمانی کا غیرت عشق ہے تو کب کل ہے
مر گیا کوہکن اسی غم سے آنکھہ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

خنجر بکف وو جب سے سفاک ہو گیا ہے
ملک اِن ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے
دیوار کہنہ ہے یہ ' مت بیٹھہ اِس کے سائے
اُٹھہ چل کہ آسماں سب کاواک ہو گیا ہے
زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو ' میر '
کس کس طرح کا عالم یہاں خاک ہو گیا ہے

ساقی گھر چارون اور آیا ہے دے بھی مے ابر زور آیا ہے

---

* (ن) رفتنی

ذوق تیرے وصال کا میرے   ننگے سر تا بہ گور آیا ہے

کل اُس سے ہم سے بارے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی
کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر
سو زلفیں ہی بناتے اُسے رات ہو گئی
گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا
مسجد تو شیخ جیو کی خرابات ہو گئی
کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یہاں
نومیدی اور امید مساوات ہو گئی
اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اُس کے روبرو
رنجش کی وجہ 'میر' وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے   اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرتے ہی سر کٹتے ہیں جہاں   سو ترا آستان ہے پیارے
'میر'! عمداً بھی کوئی مرتا ہے   جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعیات

تجھ رہ سے محال ہے اُٹھانا مجکو   خبطی کہے کوئی یا سہانا مجکو
سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے   سجدے کو خدا کے بھی بجانا مجکو
مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
مے خانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا

ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا تو محلۂ خموشاں دیکھا

کاہیکو کوئی خراب خواری ہوتا کاہیکو کسی پہ جان بھاری ہوتا
دل خواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے اے کاشکے عشق اختیاری ہوتا

جگ میں جھوں شمع پاؤں جل کر رکھنا یا بن کے بگولا ہات مل کر رکھنا
آیا ہے قمار خانۂ عشق میں تو سربازی ہے یہاں قدم سمبھل کر رکھنا

کیا کرئے بیان مصیبت اپنی پیارے دن عمر کے موری، غم میں گذرے سارے
رنج وضعف وبلا، مصیبت، محنت پنہاں ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

پیغمبر حق نے حق دکھایا اُس کا معراج ہے کمترین پایا اُس کا
سایہ جو نہ تھا اُسے، یہ باعث ہیگا کل حشر کو ہوگا سب پہ سایا اُس کا

دل تجھہ پہ جلے نہ کیونکہ میرا بیتاب
یہاں مجکو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
وہاں اُن نے شراب پی کے مستی میں 'میر'
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

محمد میر ''میر''

تخلص۔ از قافیہ سنجان شیرین گفتار است، سخن را عذوبت می گوید، این شعر در ہر دو تذکرہ مسطور است :—

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے چہرے سے جگھڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

میرزا معزالدین ''معز''

تخلص۔ مخاطب بموسوی خان، شاعر مضبوط فارسی است۔

فقیر ترجمه اش را از تذکرهٔ "سروآزاد" بجنس نقل می نماید
که" موسوی خان میرزا معزالدین محمدازاجلهٔ سادات قم ، و چراغ
دودمان امام هفتم است- وصبیه زادهٔ میر محمد زمان مشهدی
که سر آمد علماء مشهد مقدس بود - موسوی خان از عنفوان
شعور دامن سعی اکتساب علوم برزد ، و اوائل کتب در وطن
خود تحصیل کرد- ودر ریعان شباب باپدر خود میرزافخرا برهم
زاده بدارالسلطنهٔ ، صفاهان ، شتافت - و ده سال در حلقهٔ
درس آقا حسین خان ساری تلمذ نمود ، و جادهٔ عقلیات
و نقلیات نور دیده ، خود با قصی حدود کمال رسانید ، و در
سنةاثنتین و ثمانین و الف تشریف به هندوستان آورد ، و خلد
مکان بواسطهٔ جوهر ذاتی و نسبتی مورد الطاف ساخت وبتزویج
صبیهٔ شاه نواز خان صفوی و سلف ساختن باخود فرق عزتش
بر افراخت - اول بدیوانی صوبهٔ عظیم آباد پتنه مامور گردید -
اما صحبتش با بزرگ امید خان ناظم ثمه پس امیرالامرا شایسته
خان برنیامد - چه بزرگ امیدخان از جلالت خاندان خود دماغ
بر فلک داشت - و میرزا رشتهٔ سلفیت بادشاه ، و علاوهٔ فضل
و کمال سربه تبعیت ناظم فرود نمی آورد ، آخر ناچاقی صحبت
ایشان بسمع بادشاه رسید- میر حضور طلب شد ، و در سنةتسع
و تسعین و الف بخطاب "موسوی خان" ودیوانی تن سرفرازی
یافت - و بعد یک سال بدیوانی مجموع ممالک دکن کامیابی
اندوخت - سال تولد میر سنة خمسین و الف است وسال انتقال
که در ولایت دکن اتفاق افتاد ، سنة احدی ومائة والف" - انتهی-

راقم الحروف صاحب می گوید - (تاریخ)

موسوی خان یگانۂ عالم رخصت هستی بسوے عقبی برد
سال فوتش ز ها تف غیبی شد ندا "آن معز فطرت مرد"

اول ' فطرت ' تخلص می کرد - آخر ' موسوی ' قرار داد ' و خطاب 'خانی' هم برین تخلص گرفت. دیوان فارسیش متداول است - این بیت ریختہ میر محمد تقی ' میر ' بنام او نوشته' خالی از لطافت نیست :—

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ھے
در گلشن آئینه گھٹا جھوم پڑی ھے

راے انند رام ' مخلص''

تخلص - مخلص شاهدان سخن بود' و این غزالان سیه مست را بفصاحت کلام رام می نمود - مدتے بوکالت نواب اعتماد الدوله مرحوم امتیاز می داشت' و اصلاح سخن بخدمت میرزا ' بیدل' و خان 'آرزو' می گرفت. شعر فارسیش که خیلے عذوبت می دارد' بر السنۂ عوام و خواص جاری است - فقیر را هم چند اوراق اشعار فارسیش بهم رسیده بود' حقا که معنی تلاشی فراوان نمود' و لآلی گران بهاے الفاظ شسته بسلک نظم کشیده-

یوں پکارے ھے کھڑا گلشن میں سرو از بیکسی
پہنچیو قمری که کیا آزاد جاتی ھے بہار
پھول پر نرگس کے گویا دانۂ شبنم نہیں
عاشقوں کے حال پر انکھیاں پھراتی ھے بہار

فقیر ترجمه اش را از تذکرهٔ "سرو آزاد" بجنس نقل می نماید
که" موسوی خان میرزا معزالدین محمد از اجلهٔ سادات قم ، و چراغ
دودمان امام هفتم است۔ وصبیه زادهٔ میر محمد زمان مشهدی
که سر آمد علماء مشهد مقدس بود - موسوی خان از غنفوان
شعور دامن سعی اکتساب علوم برزد ، و اوائل کتب در وطن
خود تحصیل کرد - ودر ریعان شباب باپدر خود میرزا فخرا بوهم
زاده بدارالسلطنة ، صفاهان ، شتاف - و ده سال در حلقهٔ
درس آقا حسین خان ساری تلمذ نمود ، و جادهٔ عقلیات
و نقلیات نور دیده ، خود با قصی حدود کمال رسانید ، و در
سنة اثنتین و ثمانین و الف تشریف به هندوستان آورد ، و خلد
مکان بواسطهٔ جوهر ذاتی و نسبتی مورد الطاف ساخت وبتزویج
صبیهٔ شاه نواز خان صفوی و سلف ساختن باخود فرق عزتش
بر افراخت - اول بدیوانی صوبهٔ عظیم آباد پتنه مامور گردید۔
اما صحبتش با بزرگ امید خان ناظم تپه پس امیرالامرا شایسته
خان برنیامد - چه بزرگ امیدخان از جلالت خاندان خود دماغ
بر فلک داشت - و میرزا رشتهٔ سلفیت بادشاه ، و علاوهٔ فضل
و کمال سربه تبعیت ناظم فرود نمی آورد ، آخر ناچاقی صحبت
ایشان بسمع بادشاه رسید - میر حضور طلب شد ، و در سنة تسع
و تسعین و الف بخطاب " موسوی خان " ودیوانی تن سرفرازی
یافت - و بعد یک سال بدیوانی مجموع ممالک دکن کامیابی
اندوخت - سال تولد میر سنة خمسین و الف است وسال انتقال
که در ولایت دکن اتفاق افتاد ، سنة احدی ومائة والف ". انتهی۔

راقم الحروف صاحب می گوید - (تاریخ)

موسوی خان یگانۂ عالم　　رخصت هستی بسوے عقبیٰ برد
سال فوتش ز هاتف غیبی　　شد ندا "آن معز فطرت مرد"

اول 'فطرت' تخلص می کرد - آخر 'موسوی' قرار داد 'و خطاب 'خانی' هم برین تخلص گرفت. دیوان فارسیش متداول است - این بیت ریختہ میر محمد تقی 'میر' بنام او نوشته' خالی از لطافت نیست :—

از زلف سیاه تو بدل دهوم پڑی هے
در گلشن آئینه گهٹا جهوم پڑی هے

رائے انند رام 'مخلص"

تخلص - مخلص شاهدان سخن بود' و این غزالان سیه مست را بفصاحت کلام رام می نمود - مدتے بوکالت نواب اعتمادالدوله مرحوم امتیاز می داشت' و اصلاح سخن بخدمت میرزا 'بیدل' و خان 'آرزو' می گرفت. شعر فارسیش که خیلے عذوبت می‌دارد' بر السنۂ عوام و خواص جاری است - فقیر را هم چند اوراق اشعار فارسیش بهم رسیده بود' حقا که معنی تلاشی فراوان نمود' و آلی گراں بهاے الفاظ شسته بسلک نظم کشیده—

یوں پکارے هے کهڑا گلشن میں سرو از بیکسی
پهنچیو قمری که کیا آزاد جاتی هے بهار
پهول پر نرگس کے گویا دانۂ شبنم نہیں
عاشقوں کے حال پر انکهیاں پهراتی هے بهار

میر محمد تقی 'میر' این بیت او می نویسد :-

دھوم آونے کی کس کے گلزار میں پڑی ھے
ھار ارگجے کا یا کہ نرگس لیے کھڑی ھے

میر محمد محسن* 'محسن'

تخلص - برادر زادۂ میر محمد تقی میر و ذله بر فضل آن معنی پژوہ بے نظیر است - ابیات او از ھر دو تذکرہ می طرازد :-

مرا رنگ رو اس قدر زرد ھے | کہ یہاں زعفراں زار بھی گرد ھے
طپش! تشنہ لب تڑپے ھے غالباً | دھڑاکے کا دل میں مرے درد ھے
اگر شیخ دوزخ میں گرمی ھے زور | مرے پاس بھی یک دم سرد ھے

یوسف مصر! بیچتا ھے کوئی | تجھہ سے دلبر عزیز دولھا کو
حرف تیرے عزیز لب کا شوخ | زندہ کرتا ھے نام عیسیٰ کو

دورے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے
مھرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور ھے
'محسن' تمام عمر مری روتے ھی کٹی
اس غمکدے میں آہ کہیں بھی سرور ھے

اس کے کوچے میں ھے کچھہ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبع نازک کو مرے ھات میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دھقانی و مزدور نہیں

(*) حسن

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہوگیا ھے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ھے
تک راہ پر تو آؤ اب سیر کو 'محسن'
مانند نقش پا کے پامال ہوگیا ھے

تعزیت دار حسرت دل ھے یہ جو گریے کا جامہ آبی ھے
دل پر آبلہ مرا 'محسن' رشک آئینۂ حبابی ھے

تنگ ابرو ھلے، عاشق اُلٹ گئے تجھے تلوار سے اے شوخ جس ھے

کیا جانئے وو شوخ کدھر ھے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں
اُس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ھے، ملک کا گزر نہیں
دل دینے پر ھو جیو، تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ھے شیخ جی خالا کا گھر نہیں

مرگیا پوچھی نہ پر تم نے مری رخصت دل
جیو کی جیو میں ھی رھی ھاے مری حسرت دل
مجھہ تہی دست کنے کیا تھا کوئی دن آگے
داغ پیسے سے جو ھاتوں پہ ھیں سب دولت دل
کیا حساب اپنے جفاؤں کا جو میں کھینچوں ھوں
میں گرفتار بلا میں جو ھوا بابت دل

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ھے
ھے تو دیوانہ، پہ اپنے کام میں ھشیار ھے

اور یہ عاجز تمھارا کچھہ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر هے گر درکار هے

اے دیدہ! خاندان تو اپنا ڈبو چکا
اب روتا تو هے کیا، جو کچھہ هونا تھا هو چکا
'محسن' نہ رووں میں' توبھلا کہہ' کہ کیا کروں
ایک دل بساط میں تھا سو اس کو بھی کھوچکا

تک آکے دیکھہ'نہیں کچھہ بھی حال آنکھوں میں
پھرے هے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھہ دختر رز کی تو مجھسے کیفیت
لئے هی جاتی هے دل یہ چھنال آنکھوں میں

جاں بہ‌لب هوں میں' نکل جاے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت هی رهی جاتی هے آجان کہیں!
کب تلک نزع کی حالت میں رهوں میں تجھہ بن
هو بھی اے مردن دشوار! اب آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا
هر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
بت خانے کی شکست و درستی کعبہ‌هاے!
یہ سب کیا، پہ شیخ نے دل میں نہ گھر کیا

(رباعی)

جب تخم محبت هم نیں دل میں بویا
دین و دنیا سے هات اپنا دهویا
اس عشق کا هووے خانہ ویراں یارب!
دونوں عالم سے اِن نے هم کو کھویا

میر " میران "

تخلص- خلف الصدق ' نواب علی مردان ' است- خطاب سید نوازش خان می داشت ' و اکثر گاه طبع معنی رس خود را بتسخیر مضامین می گماشت - میر محمد تقی ' میر ' می نویسد که ' بهید' تخلص اوست- و فتح علی خان او را بتخلص 'میران ' درحرف میم تحریر نموده' ظاهرا میرزا فرموده- سیدعبدالولی صاحب سلمه الله تعالی با میر نوازش خان ' بهید ' تخلص که تاحین تحریر این مزخرفات در اورنگ آباد قیام می دارد و احوالش بحرف البا گذشت ' ظن افتاد باین هم همین تخلص قرار داده باشد - والله اعلم - احوالش کما ینبغی بسمع فقیر نرسیده' و این اشعار طبع زادش از تذکرهٔ ' میر ' وفتح علی خان تحریر می گردید :—

آه اگر باغ میں وه سرو خراماں گذرے
اشک قمری کا گلستان میں طوفاں گذرے
بسکه هے آتش غم تیز' و رونے میں مرے
ناوک ناز ترا دل ستی * سوزاں گذرے

نواب * ذوالفقارالد وله خواجم قلی خان " موزن "
طبع موزون داشت' وچندے به نظامت برهانپور می پرداخت-

---

* (ن) سے نم

† خواجم قلی خان بهادر قائم جنگ ' موزون ' تخلص- پسر نذر بین ترکمان دیوان بیگی سبحان قلی خان بهادر بتقریب ایلچی گری سبحان قلی خان به هندوستان آمده' بنوازشات

(بقیه حاشیه بر صفحهٔ ۲۹۰)

شعر فارسی خوب می گفت - غزلیاتش که در جواب غزلیات نظام الدوله ' شهید ' طرح نموده بنظر در آمد ' خوش محاوره است - و اشعار او از قبیل ریختہ بسمع فقیر بجز این بیت نه رسید :—

آیا ہے رشک حور نہ جانوں کریگا کیا
برپا کیا فتور نہ جانوں کریگا کیا

این یک بیت صاحبان هر دو تذکره نوشته اند :—

موزوں' نے کہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نہ جانوں کریگا کیا

(بقیه حاشیه بر صفحهٔ گذشته)

باد شاهی خوش دل شت یوسف نیک پسر خود را که بخطاب مبارز خان سر افراز گردید ' در حضور گذاشته بولایت توران مراجعت کرد و از پیشتر بیشتر دخیل کار هاے سلطنت گشت - امرایان از راه حسد و عداوت متفق شده اورا بقتل آوردند - دران هنگام یکساله عمر داشت' والده اش در هندوستان آورد- چون به سن تمیز رسید' در زمان بادشاه محمد فرخ سیر بمنصب سر بلندي یافته با برادر بیگی بشیربیگ خان خود که قلعه دار قلعه ' دهار ' شده بود آمد - بعد از چند سال که برادرش از قلعه داري تغیر شد' برفاقت رکن السلطنت آصف جاه بدکن رسید - درین جا بعارضهٔ جلو نے در گذشت - بعد فوتش رکن السلطنت آصف جاه از روی قدردانی بمنصب بلند و خدمات عمده سر افراز فرمود- بصفت شجاعت موصوف است دماغ عالی دارد - از طبع رسا فکر شعر می نماید و دیوانے ترتیب داده- این غزلیات از وست (هندی اشعار درج نهیں هیں؛ تحفة الشعراء) —

میر رحم علی "موزون"

از شعرای هند است، در فن ریختہ خوش بیان —

زرد ہوتے بن نہ دیکھا ہم سنی کچھہ روے تھے
پھل یہی پایا جہاں میں تجھہ زنخ کو سیو کر

اگرچہ خوش کمر 'موزوں' بہت ہیں فدا ہے جیو میرا اُس میاں پر

رام نراین "موزون"

تخلص - از شاہ جہان آباد است، احوال و اشعارش بفقیر نرسیدہ، مگر این یک بیت بزبانی سید عبدالولی صاحب سلمہ اللہ تعالی در حیدرآباد شنیدہ، بخزانۂ حافظہ موجود بود، نوشتہ شد :—

کچھہ گرانی نہیں مجھہ کو وو ستم گار کے سات
دل پگھل جو ہے بہا اشک سبکبار کے سات

محمد مزمل "مزمل"

تخلص - شاعریست ممتاز، وعیسی نفسی است سحر پرداز - فتح علی خان در احوالش می طرازد کہ "معاصر میان 'آبرو' بود، در سخن تلاش معنی تازہ می نمود" - گویند در اواخر عمر جنون بر مزاجش طاری شد، واختلالے در حواسش ساری - آخر باستغناے نوکری و ترک ملازمت ارباب دول پرداختہ در شاہ جہان آباد زاویۂ خمول ساخت؛ بعد چندے نواے "ارجعی" شنید، ورخت بسراے خاموشان کشید - انتہی - این اشعار آبدار از 'مزمل' است :—

چاں انکھیاں سے نکل کر وو گئی جاگتی تھی سات جن کے سو گئی

قرض حسنہ لے کے شبنم سے انجھو پھول کلیاں جھاڑ پر رو دھو گئی

من ھرن میرا 'مزمل' رم کیا دشمنوں کے من کی جیسی ھوگئی

آنکھہ لاگی سو گیا سونا نہ تھا ھوگیا وہ کام جو ھونا نہ تھا

این ریختہ شہرۂ عوام میدارد، اما نکتہ چیندان خوردہ بین حرف بر بیت اول کہ مذکور شد می نہند —

بول میٹھے اس شکر لب کے تمام زھر تھا پر صرف متلہنا نہ تھا

کیوں کماں ابرو سے مل رسوا ھوا چلہ‌اکش کو کیا مگر کونا نہ تھا

میں کہا تھا قر 'مزمل' دل نہ دے نقد یہ دل را یگان کھونا نہ تھا

طبیب عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا

کہا بہتر ھے تم پر سورۂ یوسف کا دم کرنا

نظر میں ھیں تمھاری داؤ گھاتوں من ھرن میرے

شکار اوروں سے جا جا کھیلنا اور ھم سے رم کرنا

نہیں اشراف زادوں کا طریقہ اِن جویاروں میں

لٹا کر مال، پڑہ کر فاتحہ، اخلاص کم کرنا

فتح علی خان در تذکرۂ خود این بیت بنام او می نویسد: —

راز دل آنکھوں نے سب ظاہر کیا ھاے کسیا رودیا رونا نہ تھا

میر مرتضی "مہدی"

از شاگردان سید عبدالولی صاحب سلمہ‌الله تعالی بود، و تلاش مضامین تازہ می نمود - برای میر دولت بفوج پیوست کہ در سنۃ اربع و سبعین و مأیۃ والف در جنگ مرھٹہ شربت شہادت چشید - محرر الحروف "محمد مہدی شہید شد." (۱۱۷۴) تاریخ یافت - این قدر شاھدان اشعارش بدستخط او پردہ از رخ می‌کشا یند: —

جب سے تیرے حسن نے گلشن میں بیدادی کیا
گل نے اپنا اب تلک چاک گریباں نہیں سیا

چار داغوں سے جلا ہے لالہ ایسا آگ میں
ہیں ہزاروں داغ مجھ دل پر، سرا ہیں یہ ہیا

تجھ رنگیلے لب کے یک بوسے کی خواہش بیچ دل
رات دن جلتا ہی رہتا، لعل کا جیسا دیا

نان داغ دل ہمارا، آب آنکھوں کا سرشک
عشق کی دولت سے ہم نے خوب کچھ کھایا پیا

بوجھتے ہیں چشم گر فرش تجمل خاکسار
نقش قالی سے نہیں کمتر ہے موج بوریا

چار دن بچھڑا سجن، ہم پر قیامت آگئی
'مہندی' حیرت ہے کہ تنہا خضر ا بتک کیوں جیا

ہر کسی مکھ کا تاب دیدہ ہوا یوں جو آئینہ آب دیدہ ہوا

گرم جوشی ستی خورشید لقا گھر سے نکل
ہوگئی صبح دم سرد کے بھرتے بھرتے

کرے ہے آج چشم عندلیباں روشن آئینہ
ہوا ہے اس کے عکس روسے رنگ گلشن آئینہ

گذر جاوے گا وہ تیر نگہ شیشہ ستی اس کے
پھر آیا ہے! گرچہ جوہروں سے جوشن آئینہ

ان گلرخوں سے یارو ہم نبہ کیوں نبھائیں
بانکی بھواں چھرا گر، برچھی کریں نگاہیں

میر مہدی "متین"

تخلص - مولدش برہان پور است ' و والدش میر محمد 'امین' مقرب دربار شاہی است - صاحب سخن و شاگرد میرزا 'بیدل' بود۔'متین' ہم طالب علم جید و خلیق و کم سخن وخوش فکر و متلاشی مضامین رنگین است' اصلاح سخن از شاہ 'سراج' می کرد۔این چند ابیات از طبع زاد اوست:—

روز اول سے مجھے ورد زباں ہے شیشہ
بات شیشہ ہے ' سخن شیشہ ' فغاں ہے شیشہ

اس بسنتی پوش قاتل پر چھڑک لو ہو کا رنگ
عاشقو لازم ہے اب بھکوے کا سر وا کیجئے
عرس کو مجنوں کے ہرنوں نے کیا ہے اتفاق
وحشیو لازم ہے تم بھی اپنے ساماں سے چلو
جان جاتا ہے مرا افسوس کوئی کہتا نہیں
آنسوو بیٹھے ہو کیا ' آنکھوں کے ایواں سے چلو

گل شاخ پر صبا سے ہلتے نہیں چمن میں
گلرو کے نیم بسمل سب تلملا رہے ہیں

میر منو "مراد"

تخلص - برہان‌پوری است - والدش محمد فخرالدین قاضی نصیرآباد بود - از چندے برحمت‌حق پیوست - ' مراد ' مذکور الحال برفاقت نجف علی‌خان بسر می‌برد - اگرچہ درکتب فارسی دستگاہے نیست ' امافکر صاف می دارد - ازوست :—

اپنا دامن اشک پر خوں سیتی افشاں کیجئے
بیٹھی صحرا میں اور سیر گلستاں کیجئے
خوب نہیں دیوانگی میں شہریت کا بود وباش
مصلحت یوں ہے کہ اب مسکن بیاباں کیجئے
کیجئے پیدا اگر رتبہ نسیم صبح کا
بے تکلف سیر باغ کوے جاناں کیجئے
آخرش ملک عدم کو یہاں سے جانا ہے ضرور
بے فکر کیا بیٹھی، چلنے کا ساماں کیجئے

میر عبد القادر " مہربان "

تخلص - صیاد غزالان سخن و جامع غرائب هر فن است - رنگین خیالے، فصیح زبانے، حاوی کمالات، در صغرسن همتاے این معنی رس بچشم نرسیده، و شیرین مقالے عذب البیان باین جودت ذهن از بدو شعور فقیر بعالم شهود سر نکشیده - این نا آشنا مزاج طرح ارتباط بخدمت او گرم می دارد، و آن شهنشاه اقلیم نازک خیالی اکثر گاه به غریب خانهٔ نظر به تخلص خود کرده و رعایت هم مکتبی منظور داشته، تشریف شریف می آرد - درین‌ولا تذکرهٔ شعراے کبیشران با ستصواب فقیر می طرازد، و بجهة تنقیح احوال انیها یکدمی پردازد نسبتش به هشت و دو واسطه به حضرت امام علی موسیٰ رضا علیه‌التحیة والثنا می‌رسد - اصلش از نیشاپور و بعدازان اجدادش در کنتور که قصبه ایست از مضافات صوبهٔ اوده

توطن گزیدند - قاضی محمود کنتوری از اجلهٔ سادات آن دیار و اعاظم خلفاے حضرت شاہ بدیع‌الدین مدار بود ، و احوالش در ' اخبار الاخیار ' و لطائف اشرفی وغیرہ کتب معتبرہ مندرج از اجداد اوست - والد ' مہربان ' سید شریف‌الدین خان بدامادی حضرت شاہ نظام‌الدین نگرامی قدس سرہ کہ از مشاهیر مشایخ دکن بود و عروس جمعیت در آغوش کشید - قبل ازین گاہ گاهے بمقتضاے موزونیت طبع یک دو بیت در سلک نظم می کشید ، و ' شرافت ' تخلص دارد - و احوالش انشاالله تعالیٰ می آید - ولادت ' مہربان ' در سنه خمسین و مایة و الف در اورنگ‌آباد واقع شده ، کتب درسیه را قریب تحصیل نمود کلام‌الله را در اندک ، مدت یاد گرفت ، و فن شعر و انشا از جناب آفتاب روشن کلامی میر غلام علی ' آزاد ' بلگرامی اقتباس می نماید - و بتلمذ میر صاحب ' آزاد ' سر افتخار باوج می نشاند - چنانچه در مطلع غزلے که مطلع دیوان اوست می گوید :—

سایه گستر باد یارب بر دل ناشاد ما
قبلهٔ ما ، پدر ما ، استاد ما ، آزاد ما

در اکثر علوم غریبه چنانچه نجوم ، و جفر ، و تکسیر وغیرہ مناسبتے دارد - از مریدان حضرت سید الکاملین میر فخرالدین است ، و از جناب مبارک ایشان بهرها اندوخت - دریں ولا بفضاء روضهٔ شاہ غریب برهان‌الدین مقلد است و سوال تعلقه مذکورہ ، ازین دفتر صدارت که بنام والد فقیر مقرر است دستخط شده - اگرچه شعر ریخته بسیار کم گفته ،

اما زبان فارسی و کبت بیشتر ورزیده ومشق سخن درین السنهٔ ثلاثه خوب رسانیده - بزبان ترکی هم آشنا است ' و درین زمین هم گاهے موزون می کند - اوّل تخلص خود ,رنگین' می نمود . روزے در مجلس غزلے خواند که مطلعش اینست :—

خمارم بر نتابد منت صهبا کشیدن ها
ز فیض چشم یارم سرخوش بے خود طپیدن ها

بعضے یاران که غزل مذکور را از زبان میر ضیاءالدین حسین خان که او هم 'رنگین' تخلص می کرد' و احوالش انشاء الله تعالیٰ می آید' شنیده بود' اثبات سرقه بر 'مهربان' گردند - 'مهربان' با آن مجمع یاران بخانهٔ خان 'رنگین' رفتد برائے دفع سرقه مباحثه پیش آمد' خان 'رنگین' گفت که من این غزل بنام خود نخواندم' منشاء این همه شبه اشتراک تخلص است - بعد از انقضائے این مجلس خان 'رنگین' رقعهٔ نوشته درخواست ترک تخلص 'رنگین' نمودند آن رقعه اینست (رقعهٔ منظوم)

برادرا ز تو چشم عنایتے دارم زبارگاه تو امید رأفتے دارم

که یک تخلص رنگین من بمن بگذار
ز اشتراک تخلص دل من است فگار
ترا که قدرت چندین هزار مضمون است
ز آب و تاب کلام تو جمله مشحون است
اگر تو خواسته باشی تخلصت بسیار
که لفظها بجناب تو می دوند هزار

شنیده ام که در ایام سابق استادان
نموده اند عنایت تمامی دیوان
عجب نیست ز اشفاق عام آن مخدوم
که از تخلص من بر کشی تو دست کرم
همین بس است مرا از تو رحمت و الطاف
دل مرا کن ازین دغدغه سراپا صاف

ازان روز تخلص خود ایثار گزید ، و در تحریف و تبدیل مقاطع غزلها که دران 'رنگین' تخلص داشت، تعب فراوان کشید. بعد ازان میر صاحب 'آزاد' از راه مهربانیها 'مهربان' تخلص عنایت کرده که بالفعل مروج است. ودر بعض بحور که تخلص 'مهربان' نمی گنجد، تخلص 'ایثار' بحال داشته. کلیاتش در نظم و نثر قریب سی هزار بیت بدین تفصیل :- دیوان غزل قریب پنج هزار بیت، وقائع کربلا که درو 'غمگین' تخلص می کند، قریب ده هزار بیت. قصائد قریب دو هزار بیت. مناقب مرتضوی مسمی به "خلاصة المناقب" قریب سیزده هزار بیت. در کبت تخلص 'سیامی' می کند ، و اکثر کتب کبت از اساتذه خوانده است ، و رنگ سخن چنین می نماید :—

دل خوں بن کوئی سنگیں دلوں کے پاس آتا ہے
کوئی کافر بجز سیندور بت خانے میں جاتا ہے

شعلہ رویوں کی بھویں ہر وقت رہتی ہیں سجی
کیا کمانیں ہیں کہ آتش میں بھی نہیں چھوڑی کجی

جان کندن سے نہ ہووے کیوں کر اُسے حاصل نجات
جس کے حق میں 'مہرباں' فرماوے وو قاتل نجی

خدا محشر میں لیوے داد قاتل سے میرے لیکن
سبب جس دل کے میں مارا گیا اُس سے خدا سمجھے
اشارت تو کہاں مستوں کے فہم (صرف ؟) میں آوے
کہاں فریاد خاموشاں وو چشم سرمہ سا سمجھے

موے پر بال و پر بھی باغ میں رہنے نہیں دیتا
خدا جانے عداوت کیا ہے تجھہ کو باغباں ہم سے

ترش رو کو نہیں ہے زیر خاک بھی جائے ثبات
تخم انبلی (املی) کا نکلتا ہے زمیں سے جہاز سات

آہ کیوں کر کریں شکستہ دلاں   ٹوٹی اُنگلی بھی کہیں چٹکتی ہے

محمد ماہ "محرم"

تخلص - المخاطب بمحمد معظم خان، خلف الصدق نواب شجاعت خان بہادر شہید، نبیرہ حضرت شاہ نظام الدین نگرامی قدس سرہ کہ از مشاہیر مشائخ دکن بودند - والدش در عہد نواب آصف جاہ بمنصب پنج ہزاری و خطاب شجاعت خان بہادر و صوبہ داری ژاژ (؟) علم امتیاز افراشت، و بکمال تہور و شجاعت و عزت منزلت بنظامت آن دیار تا مدت بسیار پرداخت - آخر در جنگ "راکھو" کہ غنیم صوبۂ مرقومہ بود، بدرجۂ شہادت رسیدہ، فوز در دو جہانے حاصل ساخت - الحال برادر کلان خان محرم بخطاب پدری مخاطب

شدہ بعز و امتیاز و سر انجام خدمات حضور می گذارند -
خان محرم جوانیست بسلامت سلیقه و ذکاء ذهن موصوف،
و بتمکین و متانت و فراست و درایت معروف - در اندک
مدت مشق شعر بجائے رسانیدہ، اگرچه کم گفته، اما هرچه گفته
خوب گفته - مشق شعر ریخته بسیار کم می کند، اکثر متوجه
شعر فارسی است - این قدر احوال بموجب گفتهٔ میر "مهربان"
بقلم آمد، این چند بیت طبع زاد اوست :-

شاخ کی مینا کو کس شوخی سے لاتی ہے بہار
گل پہ شبنم، نہیں ہے اس کو مے پلاتی ہے بہار

نزاکت بسکه رکھتا ہے وہ دلدار جہاں آرا
صفائے آئینه ہے باز اس کے عکس عالی کا
بجا ہے گا جو کوئی فرش راہ گلرخاں ہووے
ملے جیوں خار اس کو ہر گل نازک نہالی کا

بہار آوے تو بلبل کو قفس میں قید مت کرنا
تو ایسا ظلم اس بیکس پہ اے صیاد مت کیجو

شیخ احمد "مضطر"

تخلص - شاعریست رنگین بیان، و سخنوریست شیرین
زبان- در همین زمین خجسته آئین نشو و نما کردہ، به تجارت
مشغول است - و به عبور کتب فارسیه و تحصیل استعداد و
مشق شعر مصروف - این دو سه بیت ازانست :-

عبث ہم کو سجن وعدہ قیامت کا بتاتا ہے
اسی دنیا میں ہر کوئی کسی کے کام آتا ہے

جو عرض حال کرتا ہوں، جواب تلخ ھے جب تب
تمھیں یارو کہیں اُس بات کا کچھہ انت پاتا ھے

محمد جان "مقدس"

ساکن روضۂ مقدسۂ حضرت شاہ برہان الدین غریب، و صاحب تلاشہاے عجیب است - سابق مشق سخن ریختہ و فارسی باصلاح میر 'مہربان' .... وحدت طبع گوے سبقت از ہم وطنان می ربود، خداے تعالیٰ او را توفیق مشق نصیب سازد، ازوست :-

دل موں، عزلت میں می وحدت کو پیدا کیجئے
خم میں رکھہ یہ دانۂ انگور صہبا کیجئے
تجھہ قدم کی خاک ہو دل میں یہی ھے آرزو
دیدۂ عالم موں سبزے کی طرح جا کیجئے

میرزا محمد بیگ "میرزا"

تخلص ۔ سحر پردازیست معنی یاب، و سخن طرازیست نزاکت مآب ۔ تا حالت تحریر بہ ھمین گل زمین خجستہ آئین تشریف می دارد، و گل دستۂ سخنہاے رنگین نزد اصحاب بلاغت باین رنگ می آرد :-

مرا غم نامہ اے قاصد سجن کے ھات رو دیجو
یہی مضمون ھے اس کا کہ انجواں سوں لکھو دیجو
میں نقد دل کو اپنے سر بسہر داغ دیتا ھوں
توں اتنا کرکے لے جا یار کے کوچے موں کھو دیجو
'مرزا' کو آج حاجت قاصد نہیں رھی
پیغام بھیجتا ھے نگاہ رسا کے ھات

نیر ہو دل میں مرے بوند لگی ساون کی
سانس ھی ایک لگی آس پیا آون کی
جان جاتا ھے چلا' جان دکھانا دیدار
کوئی اس وقت خبر دو مرے من بھاون کی

مہر علی "مہر"

تخلص - شاعریست رنگین خیال و خوش فکریست شیرین مقال - از صغر سن مشق شعر می کند و اصلاح سخن از میرزا محمدی بیگ 'میرزا' تخلص می گیرد - روزے اتفاقیه بفقیر خانه تشریف آورد' و اشعار خود بسیار خواند و دو سه بیت طبع زاد خود از دست خود به بیاض تحریر نمود - معلوم شد که سودائے سرشار دارد و عندلیب کلکش چنین ترانه سر می کند :-

خسروی میں عشق کی بے داد ھے جان شیریں جو دیا فرھاد ھے
قید میں کیا کم ھے پابند چمن سرو کو کیونکر کہوں آزاد ھے
حشر تک ھرگز نہ بھولینگے کبھو ظلم تیرا ھم کو ظالم یاد ھے

خاک ھونا کیمیائے عشق کی تدبیر ھے
پارۂ بے تابی دل مارنا اکسیر ھے
آبرو پائی شجاعت میں عطائے فقر سے
موج نقش بوریائے جوھر شمشیر ھے
(...................) کہ تجھہ بن باغ میں
ھے گریباں چاک گل' غنچہ نپٹ دل گیر ھے

و الفاظ نو آئین پیراستگی گزیدہ - درین ولا با مصور راے 'تصویر' بواسطۂ غلام محمد خان 'انور' رابطۂ اخلاص پیدا کردہ' گاہ گاھے بغریب خانہ قدم رنجہ می فرماید' عزیز کسے است' حق تعالے سلامت دارد - ازوست:—

دن بدن کیوں زرد رو اور نا تواں ہوتی ہے یہ
کچھہ دوا کر باغباں اس نرگس بیمار کی

لت پتا جاتی ہے اس کے وصف میں میری زبان
شوخ جب آتا ہے سرپر سج کے چیرہ لت پتا

ظاہر میں عشق و حسن میں اتنا ہی فرق ہے
تم نے جفا و جور کئے' میں دعا دیا

نہیں آرام تم بن ہم سری کے دل شکستوں کو
کبھو تو یاد کرنا شوخ اپنے خوار و خستوں کو

گہ ناز' گہ عتاب' گہے جنگ' گہ غضب
دلبر ہے ان دنوں میں دل آزار بے طرح

دل کو خوش آئیں یہ دلبر کی ادائیں بھولیاں
غیر کو دشنام دے' کہتا ہے ہم پر بولیاں

غنچہ و گل خوں میں آغشتہ ہوے گلشن میں صبح
فندقیں مہندی کی انگشتوں سے جب تم کھولیاں

داغ دل دے کر یہ بلبل کی نہ عرضیں مانیاں
شوخ لالہ کن سے سیکھے ہو یہ نا فرمانیاں

کوئی اگر پر درد تیرے پاس آ زاری کرے
تجھسے غم خواری نہ ہوے پن اور آزاری کرے

دیکھہ چشم مہر سے اے باغباں وقت خزاں
عندلیباں پھر کہاں اور یہ بہاراں پھر کہاں

سوز دل سے آہ کی بھڑکی اُٹھاؤں تو سہی
خرقۂ پشمینۂ زاہد جلاؤں تو سہی

ریش قاضی افسر، مینا ہے جیوں بال ھما
ریش زاہد تخت طاوسی بناؤں تو سہی
ترش روی سے ہوی زاہد کو کہا نسی آ خوش
اس بہا نے اس کو میں دارو پلاؤں تو سہی

پڑہ نماز بار‌یا، ہروقت رندوں کو نہ چھیڑ
تجکو اے زاہد پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ
میکدے کی راہ اے زاہد نہ جا، جائیے خضاب
رند داڑھی کو ترے دیویں گے لائی مے لتھیڑ

یہ دل دیوانہ آھوں کے تراقے جب جڑے
ہوے زمیں کا شق جگر اور آسماں آڑا پڑے
قید میں جو کوئی سو ھیں آزاد اور آزاد قید
قمریاں پرواز میں اور سرو کیچڑ میں گڑے

الف خاں ”مبتلا“

جوا نے است صالح، سپاہی وضع، فصیح زبان، بلند کوشی می‌کند و تخمیر معانی رابناوک فکر رسا می‌نہند۔ آثار سعادت از جبینش ہویدا، و نور نجابت از امعان انوار او پیدا است۔ گویا رسام قدر نقش ہستیش را از آب و رنگ غربت و انکسار آراستگی بخشیدہ، و شاہد زیبا‌ے سخنش از زیور معانی تازہ

پارۂ دل کر گزک' پیتے ہیں ہم خون جگر

مجھہ بغیر از کون اس مستی سے می خواری کرے

میر منصور ''منصور''

تخلص - در آوان سبق بہ قلعہ داری اسیر مأمور بود - الحال لباس فقر اختیار کردہ در برہان پور بسر می برد - خسر افق می شود' این دو شعر از انست:—

هم نے جانے تھے کہ دلدار ہمارا ہوے گا

یہ نہ جانے تھے کہ وہ غیر کا پیارا ہوے گا

رمز کرتے ہیں رقیباں مجھے معلوم ہوا

ان کی قدرت نہیں دلبر کا اشارا ہوے گا

سید شاہ میر ''میر''

تخلص - باشندۂ دارالسرور برہان پور' در غزل و رباعی وقطعہ بند و مرثیہ و دو ہرہ وکبت و علم موسیقی مہارت تمام می دارد - بزبان سلطان الدین ' شوریدہ ' تخلص کہ احوالش هم انشاالله تعالی می آید ' معلوم شد کہ درین ولا '' برہ بچار '' نام کتابے تصنیف کردہ است و عالی تلاشی فراوان نمودہ' از وست:—

درخت انبہ پر کویل پکاری　　میں یوں جانا کہ پی نے بانگ ماری

شکل محراب ہیں بھواں پی کی　　سر نگوں ہو' اے دل دوگانہ کر

پنگھٹ پہ چل کے دیکھہ بہار ہجوم حسن

چنچل چلی ہے مکھہ کھولے ' سر پر گھڑا اُٹھا

لاله موهن لعل " مهتاب "

تخلص - فکر سخن خوب می کند، و اکثر گاه طبع را بد طرف ریخته مصروف می دارد، این افهوزج مزاج اوست:-

آب آنکهوں سے کم هوا رو رو چشمهٔ آفتاب کی سوگند
دل سے وسواس دور کر، آ مل تجکو تیرے جناب کی سوگند

فقیر هم درین زمین ریختهٔ یازده بیت می دارد، این دو سه ابیات از انست :—

تشنه لب هوں شراب کی سوگند جل گیا جی کباب کی سوگند
هر گهڑی تو قسم نه کها جهوٹی تجکو دل کی کتاب کی سوگند
کیا جهلک هے سجن کے چیرے پر 'زر اری' کے جناب (؟) کی سوگند
بے سخن هوں ترا دهن دیکهے یار حاضر جواب کی سوگند
دور کر اب حجاب کو اپنے چادر ماهتاب کی سوگند
دل 'صاحب' هے کیا پریشاں آج زلف کے پیچ وتاب کی سوگند

" مشهور "

از شعراے نا مشهور است، و گلدسته بند چنین گلهاے سرور :-

کرتے هیں هم اشک کے دریا کی سدا سیر
کیا کام مجھے موتی سے گوهر کی قسم هے
'مشهور' مجهے یاد سیں اس غنچه دهن کے
دل خون هوا لالهٔ احمر کی قسم هے

" مشتاق "

برا حوالش اطلاع دست نداد —

عجب دلبر چھبیلا ھے مرا وہ ھرایک رنگ میں رنگیلا ھے مرا وہ

دوجگ کے جملہ خوباں کا ھے سالار سبھوں میں وہ نکیلا ھے مرا وہ

محمد منعم " منعم "

تخلص - متوطن برھان پور، خوش نویس ھفت قلم است ، و در فارسی مہارت خوب دارد ، و اکثر اوقات بغریب خانہ تشریف می آرد - و این چند ابیات از و نوشتہ می شود:—

تجھہ حسن کے ھیں قرباں یوسف جمال والے

مہتاب گال والے، ابرو ھلال والے

گردش سے تجھہ نین کی، ساتوں فلک ھیں حیراں

خورشید ڈھال والے جاہ و جلال والے

" محمود "

نہ آج کل تھیں پرم پیا کا ھمارے من میں کہا ھے تہارا

سکھی ازل سیں رھے ھیں لکھا لو ھمیں پیا کے پیا ھمارا

لوگاں کہیں پتھر سے کچھہ سخت نہیں و لیکن

جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ھے پتھر سے

'محمود' تجھہ میں دستا پورا ھنر وفا کا

ھے کیا عجب جو بھاوے توں پیو کو اس مہر سے

" ملک "

تن میں فدا کروں اُس هشیار ساقی اوپر
یک قطرہ سے چکھا کر جن بے خبر ، کیا ھے

میر مقصود علی " مقصود "

تخلص ۔ مولودی ، با فقیر ربط تمام می دارد ، و اکثر اوقات
بغریب خانه می آید ۔ مشق شعر تازہ می کند ، از وست :۔

دیکھے سے چشم یار میں یوں کیف کی بہار
رھتا نہیں ھے ھوش کسی ھوشیار کا

باب النون

محمد شاکر ''ناجی''

تخلص - از شعراے شاہ جہان‌آباد است - شعرش آب و رنگ تازہ، و معنیش نزاکت بے اندازہ می دارد - صریر کلکش چنین است :-

لگا کر عطر شب کو چاندنی میں گر نکل بیٹھے
عجب نیں ماہ سے تادی تلک عالم سبھی مہکے

بدر نے پایا ہے تجھ مہ رو کی خوبی کا کمال
آسماں اوپر نہ لایا تاب آخر کہہ گیا
ملک، دل کی لوٹ میں سنتا نہیں ہے حرف غیر
شوخ تھا اپنی غرض کو سب کی باتیں سہہ گیا

کل کا پھیٹا بس نہ تھا جس پر ہوا تھا قتل عام
آج یہ خونخوار نے سج اور نکالی الحفیظ

این ابیاتش کہ بقلم می آیند از انتخاب میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان است :-

روا کب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
مری تقصیر بھی کچھ کی ہے ثابت، یہ ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
گئی یہ بھی گھڑی تجھہ عمر سے اور توں نہیں چیتا

نسکیں حسن دیکھہ کر پی کا　　رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھہ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھہ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہو چند ہے گوہر میں آب

گر سلیماں کا تخت دیں، مت لے　　کہ سب آخر کو جاے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے اے کمان ابرو
ہمارے سینے میں تودا ہوا ہے تیروں کا

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے　　کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھہ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو فام کو ہما ہے یہ کھاوے کیا اپے ہاڑ

ملنے کو نو خطاں کے واعظ برا کہے ہے
مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

عید ہوتی ہے جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتادیں طے کا روزہ دیکھہ کر مہمان کو

آج تو 'ناجی' سجن سے کر توں اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لےجاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ہوا جب آئینے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر مونہہ دیکھنا کیا ہے

موجی ہے اپنے دل کا مچھی ندے کھے سے
اور اب مخالفوں نے وہ بات ہی ڈبودی *

نہ جانا یہ کہ اُس پر کئی موے ہیں
عبث کرنے گیا میں گور پر گور (؟)

نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھے ہیں میں نیں آخر پیارے تمہاری آنکھیں

دیکھہ دلبر! تری کمرکی طرف پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
حشر میں پاکباز ہے 'ناجی' بد عمل جائیں گے سقر کی طرف

مجھہ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں مونہہ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف 'ناجی' کو نہ پوچھا کس لہر میں بہ گیا

اغنیا کے در پہ تو مقدور جب تک ہو نہ جا
سخت حاجت ہر تو جا ' لاچارگی ہے جا ضرور

---

* (ن) ہے ڈبوئی —

چاہئے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا

گو کہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

جہاں دل بند ہو 'ناجی' کا وہاں آوے خلل کرنے

رقیب لا ولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

ہر نگہ ظالم کی نہیں فتنے سے خالی الحفیظ

کیا قیامت ہے یہ تیغ پرتگالی الحفیظ

باغ میں غنچوں کے دل تڑپے ہیں اور جھڑتے ہیں گل

دیکھ تیری رنگ وبو کہتا ہے مالی الحفیظ

خون کا پیاسا تھا میرا جن کھلائے تجکو پان

کیا بلا لاویگی تیرے لب کی لالی الحفیظ

صبح دم جب جاچمن میں تم نے زلفیں کھولیاں

لے چلی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

جامہ زیبوں سے ڈرو صیاد ہیں اس دور کے

لے گئے دل گھیر نیچے دامن اونچی چولیاں

کیوں منڈاتا ہے زلف کو پیارے

دیکھ تجکو کہیں گے سب مورکھ

میر عبدالرسول " نثار "

تخلص - مطرح مضامین رنگین ' و موجد خیالات شیرین است - نخل ہستی او در چمنستان اکبرآباد زینت طراوت پذیرفتہ ' وشمع استعدادش فروغ از تجلی انوار تربیت میر محمد تقی ' میر ' گرفتہ —

جوھے یعقوب! یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

تک دیکھہ تو چمن کا کیسا ھے رنگ تجھہ بن
مونھہ سے اُڑا ھے گل کے گلشن میں رنگ تجھہ بن
ھر سمت صد تمنا تڑپھیں ھیں خاک و خون میں
ھے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھہ بن
یہاں گل رکھے پھرے ھے دستار پر تو اپنی
وھاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ھیں سنگ تجھہ بن

اکثر ھیں دل فگار ولیکن نہ اس قدر
کتنے ھیں بیقرار ولیکن نہ اس قدر
میں وو ھوں جس کے رشک سے گل نے کیا حذر
ٹکڑے جگر ھزار ولیکن نہ اس قدر

ھات سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ھم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلا ویں گے ھم

یہ عزم کس مریض پہ بیہ خشم کس پہ شوخ
ایک میں ھوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ھوں
قاصد تو مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے
مشتاق پر فشانی رنگ پریدہ ھوں
طوفان خلق ھووے گا اشک ستم زدہ
ایسا نہ ھووے یار کہ میں آبدیدہ ھوں

نواب نظام الدوله بهادر ناصر جنگ شهید "ناصر"

تخلص - طبع موزون می داشت ، دیوان اشعار فارسیش سیر ضخامت قریب شش هزار بیت از دستخط خاص بنظر رسید، معنی تلاشی عالی نموده است - می گویند که تصویر را خوب می کشید و کبت را بنهایت استواری می گفت ، و در علم موسیقی و سنگیت علم استادی می افراخت ، و زبان سنسکرت به نیکو وجه می شناخت - احوالش مستغنی از توصیف قلم قطع اللسان است و گاهے فکر ریختہ هم می کرد ، اما کمتر گفته -

شهادت نواب قریب قلعه چنچی بفاصلۂ بست کروه از پهلچری بتاریخ هفدهم محرم آخر شب سنه اربع و ستین ومایة و الف رو داد ، واقعۂ جان گسل او مشهور آفاق است . حضرت میر صاحب قبله مدظله العالی در "سرو آزاد" مفصلاً برنگاشته و تاریخ شهادت چنین یافته اند - (تاریخ)

نواب عدل گستر عالی جناب رفت
فرصت نداد تیغ حوادث شتاب رفت
در هفدهم ز ماه محرم شهید شد
تاریخ گفت - نوحه گری آفتاب رفت

نمونۂ مزاجش اینست :—

یار خورشید جہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
ذرے ذرے میں عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

مجھے بھاری گلے والا گویا خوش نہیں آتا
کھٹکتا ہے کلیجے میں وو ہی باریک سُر والا

این شعر بنام دیگرے هم شنیده شد والله اعلم —

گالی نہ کہو کوئی مرے دلبر کو حسد سے
مجھہ دل کی کلی بیچ دعا کی یہ سنی ہے

چشم بد دور خوش نین سارے
اپنے 'ناصر' کو پیار کرتے ہیں

میرزا محمد خان "نثار"

المخاطب توارث خان ' بن دیانت خان ' بن امامت خان مرحوم - سر پر آرائے قلمرو معانی و انجمن پیرائے محافل سخندانی است - نکتہ سنجے در امرائے زمان باین جودت ذهن و رسائے طبع بنظر امعان نرسید ' و معنی تلاشے ذی شان باین حسن خلق و دلجوئی مسموع نشد - ذاتش از ارکان عمدۂ ' اورنگ آباد ' است و مزاجش در سخن فہمی نسبت تامہ می دارد - بیشتر مجلس مراختہ در دولت خانۂ او تقرر یافتہ بود ' الحال از چندے برهم خورد - اصلاح سخن بخدمت شاہ ' سراج ' می کرد ' چنانچہ در مثنوی خود کہ جملہ سی صد و هفتاد بیت متضمن بر سوز و گداز خود خواهد بود ' اکثر جا دو سہ ابیات مثنوی بوستان خیال تصنیف شاہ ' سراج ' آوردہ است ' و صریح حرف استادیش بیان نمودہ ' جاے می گوید :—

مجھے بیت استاد کی یاد تھی — نہ یہ بیت تھی بلکہ فریاد تھی
مرے پر عجب طرح کے درد ہیں — کہ سب درد اسی درد کے گرد ہیں

فقیر را با خان موصوف یک ملاقات دست داد ' بتواضع تمام پیش آمد - غرض عزیز خوش محاورہ و خوش خلق است

حق سبحانہ سلامت دارد، این چند ابیات از بیاض مشارٌالیہ بقلم آمد:—

کیا آستیں چڑھا کر آتا ھے شوخ ھم پر
یہ بانکپن کی طرزیں کس نے سکھائیاں ھیں
یرقاں ھوا ھے پیدا نرگس کو ھر چمن میں
آنکھوں میں جب سیں تیری آنکھوں ملائیاں ھیں
جی کا نثار کرنا نہیں کام ھر کسی کا
یہ کوہ کن کی باتیں ھم نے نبھائیاں ھیں

ھے جی میں وصف اُس کا کس کس مزے سے کہئے
جس لب کا نام لیتے شیریں دھن ھوا ھے
ھاتوں اُپر کیا ھوں اُن کے 'نثار' جی کو
اس واسطے حنائی میرا کفن ھوا ھے

اگر شھرہ تمھارے حسن کا جا مصر میں پہنچے
زلیخا چاہ میں یوسف کی شاید باز آجاوے
شب تاریک میں گر عزم ھووے سیر کا تم کو
تعجب نیں ھے لے کر چاند مشعل ھات میں آوے

کیا ھے مجکو محبت نے دلربا کی اسیر
پڑی ھے دل کے گلے بیچ زلف کی زنجیر

اگر اول نہ آدم دانۂ گندم کے تئیں کھاتا
تو دل ان گندمی رنگت کی الفت میں نہ لے جاتا
نہ ھوتے شور و نالے میں مرے آنسو اگر جاری
نہ صحرا سبز ھو جاتا نہ دریا جوش میں آتا

مانند گل چمن میں گریباں دریدہ ہوں
جیوں عندلیب درد جدائی کشیدہ ہوں

دکھایا چشم ساقی نے کرشمہ جب ستی مجکو
نہیں ہوں معتقد ان زاہدوں کی میں کرامت کا

ترے زلفوں کے سائے نیں دوا نہ کردیا سب کو
گریباں چاک کرتا ہاتھہ میں ہر شانہ آتا ہے

ظلم ہے اس لالہ رو بن جنبش باد نسم
اس جلے دل کو مرے بھڑکے لگاتی ہے بہار

غم کی قمری سرو پر ہر آہ کی کرتی ہے شور
آبجو لوہو کی میری چشم سیں جاری ہے زور

رات کو دیکھا تھا میں نے خواب میں مار سیاہ
صبح تیری زلف دیکھا اس کی یہ تعبیر ہے

مصحف رخ پر نہیں ہے خط کی سبزی کا نمود
متن اوپر حسن کے یہ حاشیہ تفسیر ہے

مسکرا خنجر کو لے چھاتی چڑھا ہے پر جفا
عاشقوں کے ذبح کرنے کی یہی تکبیر ہے

بلبل دل سات میکش رات وو گلفام تھا
سرو مینا، باس مے، مجلس چمن، گل جام تھا
تم موے گلرو کے ہاتھوں، ہم موے گلشن کے ہات
روح بلبل سے ہماری روح کا پیغام تھا

رام نہیں ہوتا مرا آہو نین دن بدن افزود وو کرتا ہے رم

بغیر جام و ساقی اس ہوا میں کیا قیامت ہے
ترشح ابر کا ہوے، سبزہ ہوے، اور بجلیاں کڑکیں

جان جاناں آملا ہم سیں جدا ہو آن میں
جان آیا یہ ہمارے اس دل بے جان میں
اشک دریا سے ہمارے ناخدا ڈرتا رہے
ہے تباہی نوح کی کشتی کو اس طوفان میں
دل کہیں اور پھرتے ہیں دانۂ تسبیح کو
ہے خلل ان زاہدوں کے سر بسر ایمان میں
قوت جاں مے ہے، غذائے روح ہمکو راگ ہے
اے، نثار، اب آرزو ہے ہم رہیں ملتان میں

موسم ہجر میں یہ تازہ بہار آئی ہے
دل مرا داغ کے گلشن کا تماشائی ہے
بسکہ روتا ہوں ترے ہجر میں اے گوہر حسن
مردم چشم مرا مردم دریائی ہے

ہماری جان کا دفتر ہوا سابق سے ابتر تر
نہ کر نامے کو آنسو سے دوبارہ اے کبوتر تر
میں پوچھا شوخ کو کس قسم کا پتھر ہے دل تیرا
کہا اُس سنگدل نے سخت رو ہو کر مجھے مر مر

بہار آنے سے گلشن میں کیا مچی ہے دھوم
کیا ہے قمری و بلبل نے سرو وگل پہ ہجوم

گھٹا غم ہے، بجلی ہے ہر آہ میری برستا ہے آنکھوں ستی ابر نیساں

نہ خبر ہے دل کو جہان کی ، مئے بیخودی سیں وو مست ہے
کہ خیال چشم صنم اسے قدح شراب الست ہے

'نثار' آتش عشق سیں جو جلا ہے فرشتوں کو ہے الحذر اُس کے غم میں

کروں نالۂ درد جب میں زمیں پر تو ساتوں فلک سوز غم سے جلاؤں

قفس سے ہم اسیروں کو جدا صیاد مت کیجو
ہوے ہیں ان دنوں بے بال و پر آزاد مت کیجو
نہ بھولیجو تو احساں اس طرح کے خواب شیریں کا
گلہ محشر میں خسرو کا ارے فرہاد مت کیجو
خجالت مجکو ہووے گی نہ نکلا گر کبھی لو ہو
مجھے ہے ناتوانی ، ذبح اے جلّاد مت کیجو
جلا کر خانماں اپنا رہے ہیں آ کے گلشن میں
ہمارے حال پر اے باغباں بیداد مت کیجو
وصیت ہے گذر کیجو مزار جاں نثاراں پر
ارے قاتل ہماری روح کو ناشاد مت کیجو

دام میں کر ذبح جلدی تا نہ ہوئیں آزاد ہم
آرزو رکھتے ہیں گلشن میں مریں صیّاد ہم
ہم اگر ہوتے تو لے آنکھوں سیں آتے جوے شیر
اس طرح تیشہ نہ لیتے ہات میں فرہاد ہم

کیا سیہ بختوں کو نسبت سبز بختوں سیں نثار
ہم رہے محروم اور پاؤں تلک پہنچی حنا

حضرت مجنوں سے مت تمثیل دو فرہاد کو
قیس سا نہیں ، کوہکو پھرتے ہیں ایسے سر چڑے

ہنستے ہو طفل ! دیکھہ عبث مو سفید پر
گر پیر میں ہوا تو مرا عشق ہے جواں

غافل تو اس کی یاد سوں ایک پل نہوئیو
آنکھیں اگرچہ سوئیں، تو اے دل نہ سوئیو
محشر میں اس نشاں سیں پاویں گے ہم تمھیں
دامن سوں اپنے خون ہمارا نہ دھوئیو

نیاز مند خان " نیاز "

تخلص - ولد میر فقیراللہ خان است ، طبع موزون می‌دارد ، و دم از شاگردی مرزا محمدی بیگ "مرزا" تخلص می زند - این چند ابیات آبدار از طبع زاد اوست :-

سراپا جل گیا گلشن سوں نافرماں کی فرقت سیں
مرے سینے کے داغوں کو گل لالہ سے کیا نسبت

رنگ آنسو، خامہ مژگاں سیتی دل کے صفحہ پر
کھینچ کر تصویر تیری ہوگئے بہزاد ہم
یک نگہ بھی آسماں پر نا کیا اے سنگ دل
جوں بگولا اڑگئے تجھہ یاد میں برباد ہم

پھول کو مت توڑ گلچیں رحم کر بہر خدا
فرقت گل کا الم تو بلبل محزوں سے پوچھہ

مست چشم دلربا کس طرح آوے ہوش میں
کیا گذر ہے ناصحوں کو بزم نوشا نوش میں

غفلت دشمن سے ہرگز مت ہو غافل یک گھڑی
جس قدر ہے خواب، رم ہے اس قدر خرگوش میں

مرا دل ہجر سے صد چاک ہوکر
تمھاری زلف کا شانہ ہوا ہے

اگر وہ شوخ اپنے ہات کی مہندی نہ دکھلاتا
نہ گل کا رنگ خوں پاتا، نہ مرجاں سرخ ہوجاتا

باغ میں جب مست آوے خوشخرام اے عندلیب
گل پیالہ، بادہ شبنم، سرو مینا کیجئے
کیا ہوا گر مہر خاموشی کئے ہیں لب پہ ہم
گر فغاں کیجے تو یک دم حشر برپا کیجئے

فقیر ہم درین زمین ریختۂ نہ بیت می دارد، این دو سہ ابیات ازانست :-

اب چمن میں جاکے بلبل طور غوغا کیجئے
یاد کر قد گل بدن کا حشر برپا کیجئے
یاد آوےگا چھتی کا درد شیریں لب کو دیکھ
کوہ سا دل ہو تو فرہاد عشق پیدا کیجئے
اے دوانو! کیا نفع ہے تم کو ایسے حال میں
ہات لڑکوں کے بکا اپنے کو رسوا کیجئے

میر نجف علی ”ندرت“

تخلص - ولد میر جمال الدین علی بن فدویت خان بن امانت خان مرحوم - بجودت ذہن و رسائی طبع علم یکتائی می افرازد، و مشق سخن ریختہ بجناب عارف الدین خان ”عاجز“

تخلص می نماید. وزارت خان 'نثار' مصرع طبع زادش را تضمین می کند و می گوید :-

کئے هم گوهر غلطاں 'نثار' مصرع 'ندرت'
خجل هے ابر نیسانی همارے چشم گریاں سیں

این چند ابیات ازانست :-

جلایا برق کا سینه هماری آه سوزاں نے
خجل کی ابر نیسانی کو میری چشم گریاں نے

اشک کے پانی سے اپنے مونهد کے تئیں دهو کر اتهے
هم دکهاروں پاس جو بیتهے سو وه رو کر اتهے

"نصرتی"

شاعرے بود فصیح البیان، و از زمرهٔ دکن زایان شیرین زبان- با حاکم کرناتک قرابت قریبه داشت، و هر چه پیدا می کرد، نصف آن برای خرج فقرا می گماشت. اشعار او اکثر مضامین تازه دارد، و معانی بیگانه را بالفاظ آشنا می سازد. اگرچه الفاظش بطور دکهنیان بر زبانها گران می آید، اما خالی از لطفے و لذتے نیست. نقلیست که روزے شاه میر نام فقیرے نزد 'نصرتی' آمده سوال کرد، 'نصرتی' چیزے باو داد. فقیر پرسید که شعرے از اشعار خود 'بخوان' نصرتی' این بیت را که همان روز بفکر آورده بود، خواند :-

نه بولا هے نه بولے گا کدی کو زمیں کی زلف میں بولا ندی کو

فقیر بداهةً بجواب او خواند :-

نهیں ظاهر کئے چیتی موے کو زمین کی (...) بولا هوں کرے کو

' نصرتی ' بہم بر آمد و شاہ میر را تا سہ روز بہ چاہ آویخت - این چند بیت بوقت تحریر این مزخرفات بدست آمد ' نوشتہ شد :—

ناداں سیں نصیحت کے بچن بول نکو
پانی منے کھاری تو شکر گھول نکو

تجھہ عشق کے دریا منے جن تہر گیا ہے
وہ گوہر مقصود گماں کر' سو لیا ہے

میر محمد ماہ " ناطق "

تخلص - از اولاد حضرت غوث الصمدانی محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز - عندلیب رنگین گفتار ' و طوطی ' ناطق ' نذر یار است - اشعار نمکین و مضامین شیرین دارد ' این چند ابیات رقم زدۂ کلکش بدست افتاد ' درین جا التقاط یافت :—

آیا تھا مست رات کو وہ مے پیا ہوا
آنچل زری کا ناز سیں مکھہ پر لیا ہوا

رات ساری سخت درد و غم کا سب اسباب تھا
ہجر تھا ' میں تھا ' الم تھا ' اور دل بیتاب تھا
ناحق اس حسرت سے افلاطوں موا یوناں کے بیچ
قدر داں اہل ہنر کا دہر میں نایاب تھا

بس اے مشاطہ کہاں لگ سخن شرط و شروط
عیش و عشرت کی گھڑی قول و قسم میں گذری
کچھہ سر مو نہ ہوا بھید کمر کا معلوم
خوب تھا خوب کہ یہ بات بھرم میں گذری

نہ پوچھو حال کو کچھہ اور نزدیک اس زنخداں کے
یہ سلطان ' جس پیاسا ہو آیا چاہ زمزم پر
نجات حشر کی 'ناطق' جو ہم اُمید رکھتے ہیں
بھروسا سب طرح سے ہے جناب غوث اعظم پر

میرزا عتیق الله " نجات "

تخلص - سلسلۂ نسبش بسیدانی که از اکابر اولیاے سلف بود ' منتهي شود - والد ' نجات ' حاجی محمد ' سامی ' بعد فراغ از حج توطن روضۂ متبرکۂ حضرت شان برهان الدین غریب قدس سره گزیده چندے بصلوه حوالئی مقبرۂ خلدمکان و چندے بتو لیت درگاه شاه جلال الدین گنج روان قدس سره که واقع روضۂ متبرکۂ مرقومه است بسر برده' ' نجات' کمر سیاحت براے تحصیل علوم بر بسته ' چندے در بندر سورت و پارۂ در ' احمدآباد ' گجرات کسب علم نموده ' کتب درسی اکثرخوانده' چندے رفاقت خواجۂ نعمت الله خان و حیدرجنگ اوقات بسربرده ' آخردست بیعت بدامن حضرت شاه یسین نذریاري برده ' بلباس رنگین فقیرانه سرمایۂ دولت دو جهان اندوخت - غرۂ شوال سنه خمس و سبعین و مایة و الف بعالم بقا شتافت - دیوان فارسی جمع نموده' اما باغلاق بسیار و خود تراشی تمام گفته شعر ریخته فکر میکرد - تاریخ وفات اورا ' میر صاحب مخدوم میر اولاد محمد صاحب ' کامیاب ' سلمه الله تعالی که ذکر ایشان گذشت ' قطعۂ چنین موزون کردند : —

(تاریخ) فقیر و شاعر خوش میرزا عتیق الله
که بود مسکن او در دکن به خلد آباد
نمود رحلت جان کاہ از جہان فنا
به گلستان ارم چشم خویش را بکشاد
به حسن تعمیه مہر چنین سخن سنجے
که شد سیاہ ز فرط غمش جہان مداد
شکست کلک دل خویش وزد رقم تاریخ
نجات یافت زدام زمانۂ صیاد
(۱۱۷۵)

راقم الحروف گوید - تاریخ :—
قانون شناس شعر و سخن سنج بے بدل
از دار بے بقا شدہ در گلشن جنان
تاریخ فوت او به صد آہ و فغان دلم
گفتا نجات یافته زین بے وفا جہان

نقش سخن چنین می بندد:—
سب رزالے ہوے غنی تک لے — چرخ ایسوں کو مال دیتا ہے
پر پیکان تہر آہ کرے — دل بے تاب بسکہ آب ہوا
گھر بسے تیرے ہات سے میں گیا — خانۂ آئینه خراب ہوا
منعم آخر چکھا و یه دنیا پر — بے خرو مائل شراب ہوا

شیخ نورالدین "نادر"

تخلص - در علم بھاکا و محاورۂ فرس ممتاز' مان است' و باراقم سطور گرم جوشیہاے فراوان می دارد - از ان جا که طبع موزون افتادہ' فکر شعر هم می کند - امامزاجش بطرف

ریختہ کم می آید، از وست: —

ہوا اس شمع رو سے آشنا دل لگی آتش، اُٹھا شعلہ، جلا دل

محمد علی "نیاز"

تخلص - مردے است مہذب و صاف تقریر، اوقات را در 'حیدرآباد' بسر می برد، و با محرر حروف ارتباط خاص می داشت، و اکثر گاہ بغریب خانہ می آمد۔ازوست: —

عنقا بھی اُس نگاہ ہما گیر کا ہے صید

ہفت آسمان جس کی ہیں جالی شکار کی

باب السین

میرزا محمد رفیع ، " سودا "

تخلص - صیاد غزالان سخن ، و سرامد نکته سنجان این فن است - شاهین زبان ناقص بیان را که پارهٔ لحمے بیش نیست ، چه جرأت که بهوای توصیف آن همای اوج نازک خیالی ، چنانکه باید ، بال کشاید - و شبدیز قلم دوزبان را که بیش از گیاهے نئے ، چه قدرت که در میدان تعریف آن فارس مضمار خوش مقالی جولان نماید - خلعت رنگین سخن طرازی بقامتش دوخته اند ، و طوطیان هندستان شکر بیانی ازان آئینه دل آموخته - گویا نزاکت مضامین دلچسپ چون حسن بیوسف بذاتش حسن اختتام پزیرفته ، و این زبان کج مج ریخته در زمانش بیمن اقبال آن نکته پرداز درجهٔ علویت کرده (............) ازان ملک الملوک مملکت فن و شهنشاه قلمرو سخن ، امروز بکوس انا ولا غیری .... جویاے معنی بلند و غواص لالی دل پسند - الحال .... صوبهٔ دکن .... بانگ نغمات دهد ، بطورش خوش نما - کلیاتش متضمن بر قصائد و مثنوی و .... مخمس و ترجیع بند ، و قطعه ، و رباعی ، و مرثیه قریب دو هزار بیت بنظرامعان رسیده .... ازن دریافت

باید کرد که چه لآسه ای گران بها بسلک نظم کشیده .... که در همه اقسام سخن ممتاز اقران برآید و موزونے بسمع نرسید که در پلهٔ میزان اقتدار کامل بسیار نماید - اگر صریر کلکش را همدم اعجاز مسیحا انگارم بجا، که دل مردگان را حلول جان تازه ازان متصور - و اگر چشمهٔ خضر در ظلمات الفاظ نوایش پندارم روا، که حیات سخن فام صاحب ازو ممکن - حقا که هر نقطهٔ نقش پذیر قلمش مثال سیاهی مردم بر بیاض دیده جا دادنی است، و هر یک بیت طبع زادش چون مصرعین ابرو بر چشم نهادنی - قصیدهٔ او قریب شصت بیت در مدح نواب سیف الدوله بهادر و در تمهید هجو بعضے شعراے دهلی بنظر در آمد، تمهید خوبے دارد - و قصیدهٔ که در مدح بسنت جان خواجه سراے سرکار فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه غفرالله تعالیٰ گفته، این ست :-

(قصیده) کل حرص نام شخصے 'سودا' په مهرباں هو
بولا نصیب تیرے سب دولت جهاں هو
گر اشرفی روپے کی خواهش هو تیرے دل میں
ظاهر ترے په هر جا گنجینهٔ نهاں هو
لعل و گوهر کی هووے تجهکو اگر تمنا
مصرف کے بیچ تیرے اشیاے بحر و کاں هو
عمده تو اس قدر هو سرکار بیچ، تیرے
هوو و ... سے زیاده ... هو

جاہ و جلال یہاں تک دیوے تجھے زمانہ
جب ہو تری سواری صد فیل پر نشاں ہو
گر ملک چاہتا ہے تو تحت بیچ تیرے
ہندوستاں سے لے کر اور تا بہ اصفہاں ہو
آگے تو کیا کہوں میں دل چاہتا ہے، تیرا
قبضے میں لے زمیں سے اور تا بآسماں ہو
سن کر یہ حرف 'سودا' بولا کہ قدر و رتبہ
کب اشرفی روپے کی نزدیک عاقلاں ہو
یہ تو برے ہیں اتنے آفاق میں کہ جن کو
کیسے سے دور کیجے کام اپنا تب رواں ہو
لعل و گہر جو پوچھو پتھر ہیں اور پانی
رتبہ نہ ان کو پیش ارباب ہمتاں ہو
عمدہ تو وہ کوئی ہے نزدیک فہم جس کے
اہل کمال آگے دنیا میں عزوشاں ہو
نام نکو سے بہتر دنیا میں کیا نشاں ہے
وہ بھی نشاں ہے کوئی جو فیل پر رواں ہو
ملکوں کی سر زمیں سے حاصل یہی ہو آخر
دو مشت خاک جس میں اک مشت استخواں ہو
ارض و سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے
یہ دعوی خدائی کیونکر تجھے گماں ہو
جو کچھ کہا ہے تو نے یہ تجکو سب مبارک
میں اور میرے سر پر ظل بسنت جاں ہو
دیکھے سے جس کا جلوہ، پاکیزہ طینتوں کی
آنکھوں کو امن ہووے دل کے تئیں اماں ہو

جو مرتبہ جہاں میں ہے بے نیازیوں کا
سمجھے ہے وہ جو کوئی اس کا مزاج داں ہو
یہ وضع لا اُبالی رکھتا ہے وو کہ جس کا

(مطلع)

اشعار میں غزل کے ممکن نہیں بیاں ہو
بلبل کو گاہ سن کر انعام بوستاں ہو
پھولوں کی بو سے گاہے گلشن میں سرگراں ہو
لاکھوں دے جس جگہ میں وو گرگ کو خریدے
بکتا ہو یک نگہ کو یوسف تو وہاں گراں ہو
جس قدر مرتبہ میں ہو بے دماغی اُس کی
پرواز اعتنا کی قدرت کہاں کہ یہاں ہو
رخصت نہ دیوے خاطر یہاں گوشۂ نگہ کو
عالم کا گو کہ اس میں برباد خانماں ہو
گر معدلت پر آوے وو گلشن جہاں میں
آنکھوں میں باغباں کے بلبل کا آشیاں ہو
مشت حباب جو ہے مرغ ہوا نہ چھوٹے
شبنم کے دانوں میں سے دانے کا گر زیاں ہو
جب ناتواں کی اُس کو منظور پرورش ہو
مور اُس کے سایہ نیچے آوے تو پہلواں ہو
خورشید اُس کی خو کا ذرہ جو ہو معاتب
ہیبت سے دن بدن وو جوں بدر ناتواں ہو
میدان میں کھڑا ہو استاد میں وہ اپنے
حلقہ بگوش اس کے ہر چند وہاں کماں ہو

بندہ ہوں ایک اس کے میں تیر کی وفا کا
بیٹھے ہے خاک خوں میں اُس سے جدا جہاں ہو

جوہر تو کیا بتاؤں شمشیر کا میں اُس کی
جس کی برش سے اس سے دانا کو امتحاں ہو

کرتا ہوں ذکر اُس کا جس سے وو یوں کہے ہے
چپ رہ کسی کے جی کوں پڑھیں کہیں اماں ہو

سن کر وو شخص بولا ہم بھی ملیں گے اُس سے
یا سود دل ہو اس میں یا جان کا زیاں ہو

یہ حرف اُس کے منہ سے نکلا تو سن کے 'سودا'
کہنے لگا غلط ہے اے یار یہ کہاں ہو

گہ دل میں، گاہ جی میں، گہ چشم میں بسے ہے
ملنا ہو تب معین اُس کا اگر مکاں ہو

ہووے بھی گر معین اُس کا مکاں تو کس کے
وہاں چھوٹنے کا ناداں دل کے تئیں گماں ہو

مجلس کے داب سے وہاں یہ دور ہے کہ ' وارد
پروانہ بے اجازت نزدیک شمعداں ہو

ایسا ہوں ایک میں ہی جا کر حضور اُس کے
مطلع اگر پڑھوں یہ 'دل اُس کا شادماں ہو

(مطلع)

صحن چمن میں گلگوں گر تیرے زیرراں ہو
ہر گل پیادہ ہوکر وہاں " طرقّوا " کناں ہو

ٹک چھیڑیئے روش پر اُس کو تو آب جو تک
جس جس طرف وو پلٹے اُس اُس طرف رواں ہو
انداز چھیڑ نے کا یہ کچھہ ہے جو کہا میں
تک وہم دانتنے کا دل کے جو درمیاں ہو
اس سرعتوں سے تڑپے تنگی سے اُس کے اوپر
عرصہ یہ شش جہت کا دام کبوتراں ہو
کہتا ہے وو جو دیکھے اُس پر سوار تجکو
یا رب ہمیشہ جگ میں یہ اسپ ' یہ جواں ہو
شان و شکوہ تیرے ہاتھی کا کیا کہوں میں
چرخی ' بجا ہے اُس کی گر چرخ آسماں ہو
ہے سر بلند اتنا یہ بھی عجب نہیں ہے
آنکس پہ ماہ نو کے گر دست پیل باں ہو
مستک پہ رنگ اُس کے جس طرح جلوہ گر ہے
گو سانجھ لاکھہ پھولے یہ لطف پر کہاں ہو
دانتوں کے بیچ اُس کے ہے جس قدر بھسو ندا
وصف ضخامت اُس کا کیجے تو کیا بیاں ہو
اس دانت سے تو ہم اُس دانت تک جو گذرے
پہنچے نہ ایک دن میں تاشب نہ درمیاں ہو
ابر سیہ مٹکتا آوے ہے جس طرح سے
مستی میں حسن اُس کے چلنے کا یوں عیاں ہو
اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہے کہ اس کی
زنجیر پا بجا ہے گر زلف مہوشاں ہو

مائل نہ جھول سابر کیا کہا کہوں میں اُسکی
اصلا کہیں جو اس میں شوخی ہو یا تکاں ہو
گہہ باگ یک مہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہے
عاشق کہ وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو
ہاتھی میں یہ چھلاوا کب ہے سواے اُس کے
تشبیہ یاب جس سے رفتار خوش قداں ہو
رکھے خدا جہاں میں اس کو بہت و گر نہ
تشبیہ یہ مسلم کب نزد شاعراں ہو
جس وقت تھان پر سے کھولے اسے مہاوت
ہمت سے تیرے اُس کو خطرہ یہ ہر زماں ہو
دیویں گے بخش مجکو ناحق کہیں صلے میں
یا رب حضور جاوُں تو وہاں نہ مدح خواں ہو
اور دیکھئے تو سچ ہے خطرہ یہ اس کے جی کا
کس طرح سے کہو تو اُس کو نہ یہ گماں ہو
ادنی جو مرتبہ ہے ہمت تری کب اس کو
پہنچے یہ وہم حاتم جب تک نہ نردباں ہو
آب ہمم سے تیرے گر بخشش کہر پر
یک قطرہ جوش مارے تو بحر بیکراں ہو
خورشید دست سایل ہو جاوے آسماں پر
تیرا علوے ہمت جس وقت زرفشاں ہو
لیکن نہ سمجھیو یہ اس گفتگو سے ہر گز
منظور مجکو تیری ہمت کا امتحاں ہو

کس واسطے کہ مجکو اتنا هی چاهیے هے
جامہ هو ایک بر میں کھانے کو نیم ناں هو
سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم هے مجھہ پر
کفران نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں هو
اتنی هی آرزو هے کچھہ عمر هو جو باقی
مصرف جہاں میں اس کا تیرے قدم کی یہاں هو
کب جا سکے هے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو در پہ تہرے وہ سنگ آستاں هو
تا مہر و مہ فلک پر یارب رهے درخشاں
یہ آستان دولت مسجود دو جہاں هو

قصیدہ کہ در هجو اسپ گفتہ و مضامین عالی خرچ نمودہ ' اینست :—

قصیدہ

هے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں هے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات هے
هرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا هوں میں کہ زمانے کے هات سے
موچی سے کفش پا کو گتھاتے * هیں وے اودھار
تنہا وهی نہ دهر سے عالم خراب هے
خسّت سے اکثروں نے اٹھایا هے ننگ و عار
هینگے چنانچہ ایک همارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

* (ن) تکاتے

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سیں
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار و نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز قضا
ہر گز نہ اُٹھ سکے وو اگر بیٹھے ایک بار
اس مرتبے کو بھونک سے پہنچا ہے اُس کا حال
کوتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گذار
قصاب پونچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امید وار ہم بھی ہیں کہتے یہی * چمار
جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وو
گذرے ہے اس نمط اُسے ہر لیل و ہر نہار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو ٹپکے ہے بار بار
تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکے کو آنکھیں موند کے دیتا ہے وہ پسار
دیکھے ہے جب وہ توبرہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنی سُم سے کنویں تاپیں مار مار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پادے ہے بار بار

---

* (ن) ہیں یوں

نہ استخواں نہ گوشت، نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جیوں کھال کو لوہار
پیدا ہوئی ہے تس پہ اگن باؤ اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زینہار
گذرے وو جس طرف کو کبھو، اُس طرف نسیم
باد سموم ہووے، وہیں گر کرے گذار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وو ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار
یہ حال اُس کا دیکھہ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھوڑا اِس کو کردگار
لے جاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار
تنہا نہ اُس اِکے غم سے ہے دل تنگ زین کا
خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فگار
القصہ ایک دن مجھے کچھہ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھا گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنوں کنے وہ اسپ نابکار
خدمت میں اُن کے میں نے کیا جاکے التماس
گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار

فرمایا تب اُنھوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم اُپر نثار
لیکن کسو کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اِس کو نہ جانوگے انکسار
صورت کا جس کے دیکھنا ہیگا گدھے کو ننگ
سیرت سے جس کی نت ہے سگ خشمگیں کو عار
بد رنگ جیسے لید و بد بو ہے جیوں پشاب
بد یمن اس قدر کہ کرے اصطبل اُجاڑ
مانند میخچوں کے لگدزن ہے تھان پر
لاجنب وہ زمیں سے ہے جیوں میخ استوار
حشری ہے اِس قدر کہ قیامت کو اُس اُپر
دجال اپنے منہ کو سیاہ کر کے ہو سوار
اتنا وہ سر نگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اُس کی سن
پہلے وو لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روے تواریخ یاد ہے
شیطان اُسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اُس کے نعل کا
لوہا منگا کے تیغ بناوے کبھو لوہار
ہے دل کو یہ یقین کہ وو تیغ روز جنگ
رستم کے ہات سے نہ چلے وقت کارزار

مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
مٹّھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یار
دلی میں آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقت کار
مدت سے کوڑیوں کو اُڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اُس پہ زین
ہتیار باندہ کر میں ہوا اُس اُپر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھوں میں پکڑے تھا منہ میں باگ
تک تک سے پاشنے کے مرے پانوں تھے فگار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وو اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو براہ
ہلتا نہ تھا زمیں سے مانند کوہسار
اس مضحکے کو دیکھ ہوے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندہ پون کے دو اختیار

میں کیا کہوں غرض کہ ہر ایک اُسکی شکل دیکھہ
تیغ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار
کہتا تھا کوئی ھے بز کوھی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ھے گا ولایت کا یہ حمار
پونچھے تھا کوئی مجھہ سے ھوا تجھہ سے کیا گناہ
کُتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
ایک شخص نے جواب اس اجماع سے دیا*
مرکب† نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
سمجھوں ھوں میں تو یہ کہ سپاھی کے بھیس میں
ڈاین چلی ھے سیر کو ھو ترس‡ پر سوار
اس مخمصے میں تھا ھی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسماں نے کیا مجھہ سے پھر دو چار
دھوبی کُمھار کے گدھے اس دن ھووے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے وھاں گذار
ھر ایک نے اس کو اپنی گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمھار
دریاے کشمکش ھوا اس آن موجزن
تھا عنقریب ڈوبیے خفت سے ایک بار
بد چشمی اس کی دیکھہ کے کر خرس کا خیال
لڑکے ھووے تھے جمع تماشے کو بے شمار

---

* (ن) کہنے لگا یہ آکے اُس اجماع میں ایک شخص
† (ن) گھوڑا
‡ (ن) چرخ

رکھتا تھا کوئی لاکے سپاری کو منہ کے بیچ
سو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھہ سے کہ تو مجکو بھی چڑھا
دوں گا تکا تجھے میں بھی نوچندی ایتوار

کُتّے ھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کے گرد و پیش
سا تھہ اُس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

اس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر
کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سیں کہ لڑکوں کودوں جواب
کتوں کو ھانکوں یا مروں میں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب
وھاں سے پھر نمط کیا جنگ گاہ تک گزار

دست دعا اُتھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الہی میں یوں پکار

پہلے ھی گولا چھوتتے اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تھر کہ ھووے جگہ سے پار

یہ کہہ کے حق ستی میں ھوا مستعد جنگ
اتنے میں مرہتہ بھی ھوا مجھہ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپت کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانوں سے جیوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی اب یوں بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہات میں، گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا وہاں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار
گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی
اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہوجئے سوار
سن کر تب ان سے میں نے یہ قصہ، دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار
گفتن ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است
سمجھوں گا دل میں اپنے اگر میں ہوں ہوشیار
'سودا' نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا 'تضحیک روزگار'

'مثنوی' او در ہجو حکیم 'غوث' قریب ہشتاد بیت و واسوخت او قریب نود بیت کہ در عوام شہرت دارد، و چند مخمسات کہ برغزل حضرت خواجہ 'حافظ' قدس سرہ و ابوطالب 'کلیم' و میر محمد تقی 'میر' و عبدالحی 'تاباں' و مخمسے در ہجو شیخ علی 'حزین' تخلص جملہ نوزدہ بند بے مقطع و دیگر رباعیات و قطعات در ہجو مردم آن جا بنظر در آمد حقا کہ طرفہ تلاش مضامین نمودہ و داد سخنوری دادہ، در جواب 'ندرت' می گوید: — (رباعی)

گر ہجو پہ 'سودا' کی اسے رغبت ہے
ہونے دو کہ گیدی تئیں رجعت ہے
موزوں نہ کرے شعر کو اچھے بھڑوا
کرتا پھرے ہجو اوروں کی یہ 'ندرت' ہے

برین دو بیت 'سودا' که بالا مذکور شد' دو بیت فارسی بیاد آمد' از آن جا که خالی از فائدہ نیست ترقیم یافت. که چون میان جعفر 'عاشق' تخلص در هجو میرزا تراب 'غبار' تخلص پسر التفات خان 'تفتہ' که صاحب تلاش معانی دلچسپ و شاعر والا قدرت بود' قصیدۂ گفت۔ 'غبار' بلند حوصلگی را کار فرمودہ باین جواب اکتفا ساخت:— (رباعی)

گویند که هجو کرد مارا 'جعفر' شیرین و لطیف همچو شیروشکر
صدشکر که آن چه‌عیب مابودغبار امروز برای دیگری گشته هنر

از رباعیات میرزا 'سودا' است این رباعی:—

مجکو هر چند نهیں شیعۂ وسنی سے کام
پریه سمجها هوں که اس دور میں بارہ هیں امام
ان سوا هو جو کوئی' هے وہ امام تسبیح
جس تلک پهنچے سے موقوف هو الله کا نام

من انفاس نفیسه:—

قطرہ گرا تها جو که مرے اشک گرم سے
دریا میں هے هنوز پهپولا حباب کا
حیراں هوں کس طرح ستی اے برق تجهه‌کنے
نقشه هے تهیک دل کے مرے اضطراب کا
جهنم سے ترا‌تا کیا هے میخواروں کو اے زاهد
که‌چوب خشک‌سے بهتر نهیں کچهه باب آتش‌کا
دماغ جهڑ گیا آخر ترا نه اے نمرود
هر ایک پشے کو دعوی هے یهاں خدائی کا
طلب نه چرخ سے کر نان راحت اے 'سودا'
پهرے هے آپ وہ کاسه لئے گدائی کا

یونان سی زمیں کو ارسطو ڈبو چکا
لیکن * غبار مور کے دل سے نہ دھو چکا

سجن میں رات سن کر ہر کسی کے پاؤں کا کھٹکا
اُٹھا یا سر کو بالیں سے تو پھر دیوار سے پٹکا

قابو میں ہوں میں تیرے، گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے تک دم لیا تو پھر کیا
ملئے اگر بتاں سے ہے لطف زندگی کا
اے خضر آب حیواں تونے پیا تو پھر کیا

اگرچہ تمکو نہ چھوڑیں گے بد گماں تنہا
کرو جو بندہ نوازی تو مہرباں تنہا

جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو عاشق کبھو نہ ہوتا

جوئیں پڑی روتی ہیں، دیکھا میں گلستاں میں
تجھ قد سے خجل ہو کر شمشاد بہت رویا
آئینہ جو پانی میں ہے غرق یہ باعث ہے
تجھ سخت دلی آگے فولاد بہت رویا

کہاں ہے شیخ جو دیکھے مرے بت کے کرشمے کو
کہ ہر بندہ خدا کا کرلیا دل سے غلام اپنا

---

* کلیات میں یوں ہے :—
اے دیدہ خانماں تو ہمارا ڈبو سکا   لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
یہی صحیح معلوم ہوتا ہے —

دوستو سنتے ہو 'سودا' کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہات سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں
فیروزہ ہووے مردہ تو دیتا ہے وہ جلا

جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وو لالا
غنچے نے صراحی لی اُٹھا، گل نے پیالا
مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی یک دل
جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اُٹھا لا
اے غنچہ سبب کیا ہے کہ آتے ہی چمن میں
گل جھاڑے ہے دامن، تو نے بقچی کو سندھا لا

پہنچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کوئی سیو، کوئی مرہم کرو، ہوا سو ہوا

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ
یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا

بیداری مسجدوں کی خوشا حال زاہدا
ایک ہم ہیں روسیہ کہ خرابات و بنگ و خواب
کس نے چمن میں آن کے آنکھیں لڑائیاں
نرگس کا اُڑ گیا ہے مری طرح رنگ و خواب
کیا کیا کہوں جو مجھہ سے ترے عشق نے لیا
صبر و حیا و دین و دل و عار و ننگ و خواب

جائے گل توڑے ہے گلچیں باغ میں اب چوب گل
کچھہ نظر آتی ہے اے 'سودا' بہار آنے کی طرح

میں دیکھتا ہوں جسے، ہے وہ آپ ہی نالاں
تمھاری کیجئے کس پاس اے بتاں فریاد

کس کو گلگشت چمن کا ہے دماغ اے باغباں
کھینچ کر میرا گریباں یہاں لے آتی ہے بہار

بدتر ہے مے کے پینے سے رشوت کلال کی
کہہ محتسب سے دختر رز کی نہ کھائے بہار

باغ میں جب سے گیا تھا تو خمار آلودہ
گل ہیں خمیازے میں، انگڑائی میں ہے تاک ہنوز

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم ابھی سویا ہے اے بلبل خموش

کس طرح دل میں چھپاؤں تجکو ہے سینے میں داغ
دال ہے یہ گھر کی بستی پر جو روشن ہو چراغ

دیکھوں ہوں یوں میں اس ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقت ذبح کے صیّاد کی طرف
نے دانہ ہم قیاس کیا، نے لحاظ دام
دھس گئے قفس میں دیکھ کے صیاد کی طرف
ثابت نہ ہووے خون مرا روز باز پرس
بولیں گے اہل حشر سو جلاد کی طرف

لالۂ خودرو نہیں ہے، خون نے فرہاد کے
جوش میں آکر لگادی کوہ کے دامن میں آگ
گر نہ ہو پانی دل اُس کا خوف سے اے شعلۂ خوا
لگ اُٹھے تیری نگاہ گرم سے درپن میں آگ

برج میں ہے دھوم ہوری کی ولیکن تجھہ بغیر
یہ گلال اُڑتا نہیں ، بھڑکے ہے اب تن من میں آگ

ہو گیا * ہے رنگ یاقوتوں کا آتش کے نمط
حسرت لب سے تری ازبس لگی معدن میں آگ

گو بہار آئے ، کسے ' سودا ' بھلا لگتا ہے باغ
گل چمن میں یوں نظر آتے ہیں جیوں گلخن میں آگ

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اِس شیشے میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

ہر مرغ کو پہچان کے تو نامے کو لینا
نامے کے کبوتر کا ہے میرے جگری رنگ

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغ دل

ہے شرط درد یوں کہ بجز حکم عندلیب
کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

ہستی سے نیستی میں جو بہتر نہ ہو مزہ
ہنستا ہوا جہان سے ہرگز نہ جائے گل

' سودا ' کہا بہار میں وضع زمانہ دیکھہ
اے وائے وائے بلبل و وے ہائے ہائے گل

جب قافلہ تھمے تو ہو بانگ جرس تمام
اشک آنکھہ سے تھمے تو رکے نالہ سے یہ دل

پان کھا کھا کے آرسی کے بیچ اپنے ہونٹوں کو دیکھتا ہے لال

---

* کلیات میں یوں ہے : رنگ یاقوں کا دھکے اب انگارے کی طرح

دے ہے دولت فلک ہمیں لیکن   کس سے ہم لیں یہ کیا ہے ایسا مال
لے مرے دل کو دے کے اپنا دل   سنگ کے مول یہ بکے ہے لال
میوہ نخل امید سے ' سودا '   جتنا چاہے تو کھا پہ توڑ نہ ڈال

———

بھری ہے دل میں ترے اس قدر محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم
نہ زر ' نہ زور ' نہ طالع ' نہ تیرے دل میں رحم
جو چاہے اُس سے یہ دل کامیاب ہو معلوم
خطا ہے زلف کو تیرے کہوں جو مشک ختن
سیاہ فام تو وہ ہے پر ایسی بو معلوم

———

مت گئے وو شور دل کے ہائے تب آئی بہار
ورنہ کیا کیا ہم بھی کرتے شہر و ویرانے میں دھوم

———

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کہ ہم
دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے روسکے اے ابر تر کہ ہم
کہتے ہو شیخ تم جو گنہ گار حق ہمیں
کعبہ کی آپ راہ میں چڑھتے ہیں خر کہ ہم *
خانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہو لیں گل ستی آزاد ہم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

---

* یہ شعر کلیات میں نہیں ہے

قیس جس دم سے گیا ، اپنے قدم کے فیض سے
خانہ زنجیر رکھتے ھیں سدا آباد ھم

تجھہ عشق میں روز خوش نہ دیکھا دکھہ بھرتے ھی بھرتے مرگئے ھم

نہ دیکھا اِس سوا کچھہ لطف اے صبح چمن تیرا
دل ایدھر لے گئے گلچیں ، گئی روتی اُدھر شبنم

گُتھی نکلی ھیں لخت دل کی تار اشک سے لڑیاں
یہ آنکھیں کیوں مرے جی کے گلے کی ھار ھو پڑیاں
گرہ لاکھوں ھی غنچے کی صبا یکدم میں کھولے ھے
نہ سلجھیں تجھہ سے اے آہ سحر اِس دل کی گلچھڑیاں
کھلاے گرچہ شانے سے تم اپنے زلف کے عقدے
نہ سمجھے یہ کسی دل میں ھزاروں ھیں گرہ پڑیاں

نہ غنچے گل کے کھلتے ھیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں
کہیں مہتاب نے دیکھا ھے اُس خورشید تاباں کو
پھرے ھے ڈھونڈتا ھر شب جہاں آباد کی گلیاں
تبسم یوں نمایاں ھے مسی آلودہ ہونٹھوں سے
نہ ھوئیں ابر سیہ میں اس طرح بجلی کی اچپلیاں

فرھاد و قیس دو گئے ' سودا ' کا ھے یہ حال
کیا کیا کیا ھے عشق نے خانہ خرابیاں

کس نے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا
لاتی ھے بوئے ناز کی بھر بھر کے جھولیاں

نظر آتی ہیں بن ساقی چمن میں تاک کی چاہیں
روئیں آ باغباں باہم گلے میں ڈال کر باہیں *

بتاں کی دوستی سے مطمئن ہووے سو کافر ہے
یہ ظالم مار ڈالیں بات کے کہتے جسے چاہیں
نہ پہنچا منزل مقصود کو مجنوں بھی اے 'سودا'
سمجھ کر جائیو لٹتی ہیں ملک عشق کی راہیں

نہ اپنا سوز ہم تجھ سے بیاں جیوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہیں سرد بھرتے ہیں
جگر اُن کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
یہاں ہم تو مسلماں ہیں خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
گہے بولیں عقیق اور گہ نگیں لعل ٹھہرا ویں
یہ نا شاعر ترے ہونٹوں کو کیا کیا نام دھرتے ہیں
گلی میں اُس کی مت جا بوالہوس آ، ساں کہتے ہیں
قدم پڑتا نہیں اُس کو، میں وہاں سر سے گذرتے ہیں
نہ چارہ کر سکی کچھ موج دریا کی روانی کا
کہیں وارستگاں زنجیر جکڑے سے ٹھہرتے ہیں
کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز
بہت سا روئیے اُن کو جو اِس جینے پہ مرتے ہیں

'سودا' خدا کے واسطے کر قصہ مختصر   اپنی تو نیند اُڑگئی تیرے فسانے میں

فصل گل آخر ہے یارو دیکھ لو نرگس کو تک
باغ میں مہماں ہے کوئی دن یہ بہار چمن

---

* کلیات میں نہیں ہے —

پھرنے لگے تو جیوں کف دریا بہا بہا
دامن اگر نچوڑیے اے ابر تر کہوں

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جانکاہ کو
کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

ہر آن آ مجھی کو ستاتے ہو ناصحو!
سمجھاکے تم اُسے بھی تو ایک بار کچھہ کہو

ریختہ اور بھی دنیا میں رہے اے 'سودا'
جینے دیوے جو کبھو کاوش دوراں مجکو

دل تو ہے آفت طلب، پر کور ہوجاویں یہ چشم
جو بلا ملتی ہے ایسی اس کو دکھلاتے ہیں یہ
آمین رب العالمین

مے پیاکر جو ترقی ہو تری بخشش میں
تیغ ہمت کے تئیں سنگ فساں ہے شیشہ
چشم نمناک و دل پر میں رکھوں ہوں تم سے
جام کیدھر ہے مرے پاس، کہاں ہے شیشہ ؟

تنہا نہ ہمارا ہی مضحک ہے تو اے زاہد
گیدی تری ڈاڑھی پر ہنستا ہے سدا شانہ

حسن سے اس کے اسے دے ہے خبر آئینہ
درپے جان ہماری ہے مگر آئینہ
عکس پڑتا ہے ترے سیب ذقن کا اُس میں
حسن کے باغ سے پاتا ہے ثمر آئینہ

جس سمت نگہ کیجے اودھر نظر آتا ہے
لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ

کوئی سسکتا ہے کوئی تڑپھے کوئی بے حس ہے
آج دیکھے ترے کوچے کے گرفتار کئی
شیخ مجکو نہ ڈرا اپنی بڑی پگڑی سے
ایسے تو دیکھے ہیں میں گنبد دستار کئی
خوب دیکھا جہاں میں اہل جہاں بھی دیکھے
ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گنہگار کئی

جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی
گالی کبھو نہ دی تھی سو اب بات ہوگئی
اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اس کو ناصحا
ہونی جو کچھہ تھی قبلۂ حاجات ہوگئی
گردش سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہوگئی
یارو وو شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا
نظروں میں سو طرح کی حکایات ہوگئی

تو ہی کچھہ اپنے سر پہ نہ یہاں خاک کر گئی
شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی
زاھد میں کہہ رہا کہ پی اس کے عوض شراب
آخر نہ اے گدھے تجھے افیون چر گئی
نظارہ باز بزم بتاں کا ہوں جب سے میں
تو ہی نظر پڑا مجھے جدھر نظر گئی

اپنا جو شیشۂ دل منظور ہے تو یہ ہے
ثابت جو ہے تو یہ ہے گر چور ہے تو یہ ہے
کچھ بس نہیں ہے تجھ سے جز رو کے چپ ہو رہنا
قدرت جو ہے تو یہ ہے مقدور ہے تو یہ ہے
گردش سے آسماں کے نزدیک ہے سبھی کچھ
ہم سے تجھے ملانا ایک دور ہے تو یہ ہے
ہر آن اس سے کہنا 'سودا' سے تو نہ ملیو
بد وضعوں میں جہاں کے مشہور ہے تو یہ ہے

ہر شب شراب خوار ہمیشہ سیاہ مست
آشفتہ زلف لب ستی دستار کون ہے

ہرگز میں تجھے چھوڑ کے یوسف کو نہ دیکھوں
اس چشم کو ہم چشمیٔ یعقوب نہیں ہے
الفت میں ہماری بھی اثر چاہئے کچھ ہو
ہر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ہے

مری آنکھوں میں تو بستا مجھے پھر کیوں رلاتا ہے
سمجھ کر دیکھ تو اپنا بھی کوئی گھر ڈوباتا ہے
جسے قبلہ نما کہتے ہیں اس جگ میں یہاں ہوگا
سو یہ دل ہے کہ پھر پھر تجھ خم ابرو کو جاتا ہے
خوشی دو دل کو بھی یکجا نہ دیکھا میں زمانے سے
چمن میں گل اگر خنداں ہے تو بلبل بھی نالاں ہے

نہ کھینچو تیغ ہر یک دم تمہارے عشق سے گذرے
ملیں گے اور سے جا کر جو اپنا سر سلامت ہے

درد میرے استخواں کا کیا ترا دمساز ہے
اس قدر اے نے تری محزون کیوں آواز ہے

قد کو تیرے جس جگہ مشق خرام ناز ہے
اس جگہ شور قیامت فرش پا انداز ہے

خط کے آتے ہی، چلے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور دیکھئے آگے ہنوز آغاز ہے

شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے 'سودا' تجھے اعجاز ہے

عجب احوال کو 'سودا' ستم تیرے سے پہنچا ہے
کوئی معشوق بھی عاشق پہ یہ بیداد کرتا ہے

بساں نے ترے ہاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا ہے
کوئی تک منہہ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

قاتل سے کیوں جھگڑتے ہو کیا مجھ سے بیر ہے
جائے خطر نہیں ہے مرا زخم خیر ہے

چاہا کہ جیوں حباب میں دیکھوں یہ کائنات
کھولے نین تو اور ہی عالم میں سیر ہے

رکھتے ہیں ایک طرح کا ہم وصف ذات حق
وہ شخص کون سا ہے جو 'سودا' بغیر ہے

نامے کا یک سمجھ کر میرے جواب لکھو
انشائے ظاہری کے باطن میں مدعا ہے

آنکھوں کے گرد میرے مژگاں کی ہے یہ صورت
جیسے کنار دریا خس بھوکے آرہا ہے

اے لالچی تو کیسہ غیروں کا مت ٹٹولے
جو کچھہ تو چاہے یک شب مجھہ پاس آکے سولے
جیوں غنچہ تو چمن میں بند قبا جو کھولے
پھر گل سے اے پیارے بلبل کبھو نہ بولے
انصاف کچھہ بھی یارو ہے عشق کے نگر میں
دل غم سے پانی ہووے اور چشم موتی رولے
دھقان پسر وہ ہم سے یوں صلح کب کرے ہے
بو نٹوں کے کھیت اوپر جب تک نہ جنگ ہولے
وہ تو پچی کا ہرگز ہم کو لکھے نہ نامہ
گذری میں جا کبوتر لیتا ہے مول گولے

شیخ کی بانگ و صلواۃ اوپر تو اے ناداں نہ جا
خانۂ قصاب میں بھی روز و شب تکبیر ہے

اے ابر جا تہو مت کم رونے پر ہمارے
یہ چشم پھوے پھوے تالاب بھر رہیں گی

شیخ وو رشتہ ہے زنار ہمارا جن نے
چھر ڈالی ہے ترے سبحے کے ہر دانے کی

کسو نے حال سے میرے کہی نہ تجسے بات
اگر کہی بھی کسو نے تو اپنے مطلب کی
نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جو کوئی شہر محبت میں بیچے خانۂ دل
بغیر داغ کے مہر قبالہ ہو نہ سکے

هم اپنی جان تلک دے چکیں جو تو مانگے
پر ایک آرزوے دل حوالہ ہو نہ سکے

ساقی پہنچ شتاب کہ تجھ بن نہیں مجھے
موج مئے دو آتشہ کم ذوالفقار سے
اُس کو یہ مثل دانۂ انگور دیں گرہ
قطرہ بچے اُنہوں کے اگر زہر مار سے
'سودا' جو مے پرست جہاں کے ہیں اُن سے تو
مت کر طلب شراب کی، مر جا خمار سے

کعبے اگر نہ جاویں تو کیوں چڑھیں گدھے پر
رسوا جو شیخ جی ہیں اپنی حماقتوں سے
ہو خامہ اشک ریزاں پیش سخن کے کہتے
کاغذ کی چھاتی پھاٹے میری حکایتوں سے

عجب واشد ہے غنچوں کو صبا سے دیکھ تو ظالم
نہ کھلوایا کبھو تیں اس طرح بند قبا ہم سے
جب اپنے بند قبا تم نے جان کھول دیے
صبا نے باغ میں جا گل کے کان کھول دیے
چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم!
کہ صبح غنچوں کے تئیں عطر دان کھول دیے

ساق سیمیں تری شب دیکھ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی
نیشکر نے کہیں تجھ لب سے کیا تھا دعویٰ
آج تک اُس کی پڑی کٹتی ہے پوری پوری

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پر کے پاؤں گر اپنے گھر نہ لاتی

جفا و مہر جو خاطر میں اب ترے آوے
وہی ہے خوب مرے حق میں جو تجھے بھاوے
صبا تو دیکھکے کیجو گلی میں اُس کے گذر
مبادا پاؤں تلے دل کسی کا آجاوے

قطعہ بند

سودا چمن دہر سے یہ چشم نہ رکھیو
وو گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لخت دل اپنے تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نسودار نہ ہووے

جس دن وو صنم سوار ہووے تا صید حرم شکار ہووے
جو اُٹھ نہ سکے تری گلی سے رہنے دے کہ تا غبار ہووے
سوزن کی نہ چوب لیجو منت یوں پھٹیو کہ تار تار ہووے
ناصح تو قسم لے ہم سے' دل پر اپنا کبھو اختیار ہووے
کن زخموں میں زخم ہے کہ جب تک چھاتی کے نہ وار پار ہووے

معشوق کی الفت ہے بندہ گری عاشق کو
کس گل نے خریدا ہے بلبل کے تئیں زر دے
کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری مت اُس کو بتھا پردے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

کی ہے میں جیوں کوہ، مدت سے خموشی اختیار
سخت رسوا ہو، کہے گر نا سزا بدگو مجھے

نہیں بے وجہ کوچے سے ترے اُٹھنا بگولے کا
ہماری خاک بھی جاتی ہے تیری راہ کے صدقے
عجب احوال میں تھے رات تم اے شیخ رحمت ہے
میں اس ریش دراز اور دامن کوتاہ کے صدقے
کبھو وو شب بھی اے پروانہ حق باہم دکھا ویگا
تو بل بل شمع پر جاوے، میں ہوں اُس ماہ کے صدقے

پھر نظر تجکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتوں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے
پھر گلگشت عدم سے جو کوئی پہنچا ہے
سمت اس باغ طے منزلیں کرتے کرتے

جوں شمع مجھے شرم ہے زنار کی اے شوخ
ما لا نہ جپوں رات کو بے اشک فشانی
جاکر میں کہا دکھہ ترا جس سے، کہا اُن نے
کچھہ اور کہو، یہ تو ہے میری ہی زبانی

زاہد یہی ہے نعمت حق، جو ہے اکل و شرب
لیکن عجب مزا ہے شراب و کباب کا

تجھہ حسن نے دیا نہ کبھو مفسدی کو چین
فتنہ نہ تیرے دور میں پھر نیند سو سکا

وو ہم نہیں جو کریں سیر بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ مونہہ کیجے باغباں تنہا

کدھر کو چھوڑ گئے مجھ کو ہمرہاں تنہا
پھروں ہوں دشت میں جیوں گرد کارواں تنہا

صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ کس گلچیں نے بلبل کا دل توڑا

آخر نہ پھرے ہے وو سدا خانہ بخانہ
ایدھر بھی کبھو اُس کا گذر ہووے گا یارب

زلیخا سے کہو ٹک دیدۂ تحقیق تو کھولے
بہ از یوسف نظر آوے گی ہر انسان میں صورت

ہے جو خوش رو تماکھو والی کا دے ہے لونڈا مجھے دکھا کر گال*

تجھ مکھ پہ تا نثار کریں، ماہ و مہر کی
لبریز سیم و زر سے ہیں دونوں رکابیاں

جن نے سجدہ کیا، نہ آدم کو شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

مجھ سا تجھے ہے ایک، مجھے تجھ سے ہیں کئی
جا تو دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانے میں

کس کی ملت میں کہوں آپ کو، بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے گبر مسلماں مجھ کو

مجھ میں اور یاروں میں ہے ربط سپند و آتش
اِن کی جوشش نے کیا ایسا گریزاں مجھ کو

شب تئیں یہ روسیاہ خانہ بخانہ کو بکو
دیکھے ہے تجھ کو مثل ماہ خانہ بخانہ کو بکو

* کلیات میں یوں ہے:
واہ وا بے تما کو والے کے دے ہے تو دھا ہمیں دکھا کر گال

تجھہ کو فقط چراغ شام ڈھونڈے نہیں ہے گھربگھر
پھرتی ہے باد صبحگاہ خانہ بخانہ کو بکو

ہمت کہاں جو منت دو ناں نہ کیجئے
ایدھر ہو جن کی پشت اُدھر رو نہ کیجئے

میسر ہو اگر محراب تیری تیغ کے خم کی
طرف کعبے کے سجدہ پھر تو کس کافر کو بھاتا ہے

فلک گوشے میں تنہائی کے بھی آرام نیں دیتا
یہ ہم پر شمع کے فانوس میں جلنے سے روشن ہے

تصور میں ترے کبھو صبا، اُس لااُبالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

تری تیغ نگہ کا اے فرنگی زادہ کشتہ ہوں
مجھے کبھہ غسل دیں ظالم شراب پرتگالی سے

ہو گئے صاحب جوہر ترا منہ دیکھہ فقیر
ہیں نمد پوش سدا آئینۂ فولادی

میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان ین ابیات انتخاب می نمایند :—

بے کس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

آہ کس طرح تری راہ میں گھہروں کہ کوئی
سنگ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

قطعہ

'سودا' قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یہاں 'سودا' کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا
پڑے وہ برق خار آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

'سودا' ہوے جو عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کا شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیرے چشم کا مارا نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی اِن نے اب ڈاڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گذری ہم پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا دل مجھہ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت هے کہ میں کچھہ کہہ نہیں سکتا
تیرے آگو مری آنکھوں سے آنسوں کیوں کہ چلتے هیں
جو تو دریا پہ گزرے هے تو پانی بہہ نہیں سکتا

تجھہ بن عجب معاش هے 'سودا' کا ان دنوں
تو بھی تک اُس کو جاکے ستمگار دیکھنا
نے حرف، و نے حکایت، و نے شعر، و نے سخن
نے سیر باغ، و نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کُلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے هوے در و دیوار دیکھنا
یا جاکے اُس گلی کوں جہاں تھا ترا گذار
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا
کہتے تھے هم نہ دیکھہ سکیں تجھہ کو غیر پاس*
پر جو خدا دکھاے سو ناچار دیکھنا

کسی دیندار کافر کو خیال اتنا نہیں آتا -
سحر کیا هوچکا 'سودا' کے جی پر شام کیا هوگا

'سودا' سے یہ کہا میں دل اس طرح سیں کھونا
کہنے لگا کہ نادان کیا پوچھتا هے هونا

---

* (ن دوم) روز هجر کو —

گل مرے مشہد پر کب پہنچے ہے وہ ابرو کمان
طرح غنچے کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا

'سودا' سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دوں کسی کو
وہ کرکے بیان اپنا روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے کون سے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست، مسلماں خدا پرست
میں پوجتا ہوں اُس کو* جو ہو آشنا پرست

گل رخصت بہار تھی، شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم، یا نگہ، یا وعدہ، یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

منعم! نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں
یے سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اُجاڑ
کتنا شگفتہ رو ہے کہ مانند آرسی
چھاتی کے جس کے رو برو کُھل جائے ہیں کواڑ

گزری جس غم سے مجھے زندگی دہ روزہ
رکھے اُس غم کو خدا شہر محرم سے دور
عقل نہیں ایک دن آکر یہ کہا 'سودا' سے (قطعہ بند)
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم† سے دور

* (ن) پوجوں میں اس کسی کو —
† پاس یا ہم سے رہا کیجے یا (ن ک)

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کوں * دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہیں پانی کے تہ خاک ہنوز

'سودا' کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

اے لالہ! گو فلک نے دئیے تجھہ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ یک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر، مجھہ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل، پر مجھہ سے مل

رنگ گل بے طرح دھکے ہے بس اے ابر بہار
آشیاں میرا چھڑک! لگتی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلی اس دوانے کی نہ ہوئے جھولی کے پتھروں سے
اگر 'سودا' کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھریاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھہ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

---

* جس کے باعث سے رہو تم (ن ک)

مجھکو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ہیں یہ چمن میں صدا ! بد شرا بیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچہ کی ساری گلابیاں

نہ پوچھ سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کنھی نیں انکھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا ، دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جیوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردے کے دامن کش ہیں یہ خار چمن

جھونک تو دے کے لوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم مت آئینہ دیکھ تو
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

جرم ہے اس کي جفا کا کہ وفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منھہ میں زباں ہے کہ نہیں
دل کے تکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھہ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار و باغ ہو ' مینا ہو ' جام صہبا ہو
ہوائے ابر ہو ' ساقی ہو ' اور دنیا ہو
روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریائے زہد چھپے ' راز عشق رسوا ہو
جو مہربان ہیں ' سودا ' کو مغتنم جانیں
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھئے کیا ہو

الہی ہے سکت نعم البدل کے تجکو دینے کی
مجھے اس کا عوض تو کچھہ نہ دے پر پھیر لے دل کو
بوئوں میں تخم گل کو جہاں وہاں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو
اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھہ سے اے نسیم
یہ جا ہے وہ کہ یہاں دم عیسیٰ سموم ہو

کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولے جس دن رہ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آسمان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی کوئی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ترے کوچے میں اور * صبا بھی ہے
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھہ رہا بھی ہے

قدم سنبھال کے رکھہ خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں ' سودا ' برہنہ پا بھی ہے

' سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھہ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لئے

غیرت عشق آن کر ' سودا ' تو پروانوں سے سیکھہ
شمع سے اپنا بھی ملنا دیکھہ جل جاتے ہیں یہ

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانے کی
کسی لڑکے کو نہیں سدہ کسی دیوانے کی

' سودا ' کو جرم عشق پہ کرتے ہیں قتل آج
پہچانتا ہے تو یہ گنہ گار کون ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھہ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس چال کے نبھنے کا کچھہ اسلوب نہیں ہے
یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے
کہتا ہے بناگوش تری زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام بھی ہے

---

* (ن) بھی ہے چمن میں اور اب

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھہ کہ دوں بجا ھے
جیتا پھرے تو اجرت ہوا تو * خوں بہا ھے

تیری گلی کی طرف اگر تک پون بھی
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی
پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو اُن نے بھی اپنی ھی کچھہ کہی

این بیت کہ مذکور شد در دیوان تاباں ھم بنظر در آمد -

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ھاتھہ دھوسکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ھوسکے
جس سر زمیں پہ جا کے روؤں تیری یاد میں
دھقاں کچھہ اُس زمیں میں بجز دل نہ بوسکے

نے ضرر کفر کا، نہ دین کا نقصاں مجھہ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھہ سے ؟
اُس کی خو سے نہیں محرم، اُنھیں رونے سے کام
کیا کیا چاھتے ھیں دیدۂ گریاں مجھہ سے

آ گیا رات میں جوں دزد حنا تیرے ھات
ورنہ جا، پائوں کو لگا ھی تھا چوری چوری

تجھہ تیغ تلے کہہ توں رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ھمیں سے ھو ھرکارے و ھر مردے
دل کے تئوں یک عالم کہتا ھے خدا کا گھر
اے عشق اسے آتش دے ھے تو سمجھہ کر دے

---

* (ن) ورنہ یہ

کھلنے تو لگا ہے دل جیوں غنچہ ہمارا بھی
لیکن نہ صبا تجسے گاہے بدم سرد ے
سینے کو رستموں کے نگہ تیری پھوڑ دے
انکھیوں کی ہر پلک صف محشر کو توڑ دے
مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے
ٹپکے ہے خوں ہمیشہ مرے شا خسار سے
خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آہوے حرم
دل پھر گیا ہے کس کی مژہ کا شکار سے
زاهد چلا ہے کعبے کو اور برہمن کنشت
بندے ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے
جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے
'سودا' جو محتسب ہو تو زاهد کو خر کرے
دولاب کی ہے حق بطرف مستی سے فریاد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے
ہو دشت جدائی میں تو یہ کیجے منادی
ظالم ہو جو کوئی سو طرح دار نہ ہووے
کر ذبح شتابی مجھے صیّاد کہ یہ صید
ہاتھوں میں ترے ہی کہیں مردار نہ ہووے
میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گذرے
نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گذرے

رباعی

مومن نہیں زنار سے میری آگاہ
اِس رشتے کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ

اُس بت کا برھمن ھوں کہ صوفی یا شیخ
کہتے ھیں جسے دیکھہ کے اللہ اللہ

در منقبت جناب پاک مرتضوی صلوات اللہ علیہ گفتہ (رباعی)

دیوان عدالت میں تمھارے یاشاہ کچھہ ظلم کو ھے دخل عیاذاً باللہ
شیشے کا جو وھاں طاق سے رپتے ھے پاؤں پتھر سے نکلتی ھے صدا بسم اللہ

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا
جیوں شمع سراپا ھو اگر صرف زباں کا
پردے کو تعیّن کے در دل سے اُٹھا دے
کھلتا ھے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
یک چشم خرد کھول تامّل سے برھمن *
جیوں شمع حرم رنگ جھمکتا ھے بتاں کا
'سودا' جو کبھو گوش سے ھمت کے سنے تو
مضمون یہی ھے جرس دل کی فغاں کا
ھستی سے عدم تک نفس چند کی ھے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ھے کہاں کا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
لو حضرت دل سلمّہ اللہ تعالیٰ

جسے کہ زلف سیہ نے تری ڈسا ھوگا
غرض وو مرھی گیا ھوگا کیا جیا ھوگا

قطعہ بند

یوں کہا شیخ نے شیطاں سے کہ آ ھم سے مل
آشنا مت ھو تو 'سودا' سے خراباتی کا

---

* (ن) تک دیکھہ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ (گلشن ھند)

کہا اُن نے کہ ہے میری تو سعادت اس میں
لیک ہے خوف مجھے آپ کی بد ذاتی کا

کھینچا نہ میں چمن میں آرام یک نفس کا
صیاد تیری گردن ہے خون اس ہوس کا

کب عشق کی حمیت یہ چاہتی ہے مجنوں
ناقے کے پانوں اوپر تڑپے ہے دل جرس کا

گلہ لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

جو کہ ہے ظالم وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

توڑ کے بت خانے کو مسجد بنا کی تونے شیخ!
برہمن کے دل کا بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

جو یہ منظور ہے تمکو مرا دل لے کے جی لینا
گیا اک مجھ‌سا دنیا سے ترے سو صدقے،کیا ہوگا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پونچھے کب اس کو ہات ہمارے غبار کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل خاک ہوگیا ہے کسی بیقرار کا

آوارہ ہے اتنا کہ میں جاتا ہوں جب اس پاس
رہتا ہے یہی سوچ، کہ گھر ہوئے گا یا رب

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکرونکیر
لیکن نہیں دماغ سوال وجواب کا

ترے خط آنے سے دل کو مرے آرام کیا ہوگا
خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا

نہ دی رخصت ہمیں صیاد نے تک سیر گلشن کی
بہت اے بلبلو کنج قفس میں ہم نے سر پٹکا

کر قطع ہات پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح! جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا
'سودا' یہ کیا کرے گا نت اس طرح رونا
عالم کو اے دوانے مت سات لے ڈبونا
جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن یہ یاد رکھیو عاشق کبھو نہ ہونا

ہر مژہ پر ہے ترے لخت دل اس رنجور کا
خون ہے سودا پر ثابت مرے منصور کا
پونچھتے ہی پونچھتے گذرے ہے مجکو روز و شب
چشم ہے یا رب مری یا منھہ ہے یہ ناسور کا
کیا کروں گا لے کے واعظ! ہات سے حوروں کے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا
اس قدر بنت العنب سے دل ہے 'سودا' کا بھرا
زخم نیں دل کے نہ دیکھا منھہ کبھو انگور کا

کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ کی فضائیں
کید هر گئے وہ ساقی ' وہ ابر ' وے ہوائیں
حیرت سے آئینے کا دل کیوں نہ ہو وے پانی
شانہ حضور اس کے زلفوں کی لے بلائیں

باتیں کدھر گئیں وو تری بھولی بھولیاں
دل لے کے بولتا ہے جو تو اب یہ بولیاں

هر بات ہے لطیفہ و ہر یک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں

کبھو نہیں ہے آنکھوں کی کاوش سے دل کو چین
مژگاں نہ کر سکیں تو نگاہیں چبھولیاں

کیا چاہیے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبو لیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک †
جیوں خوش چھبوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

'سودا' کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

نہ استفسار کیجے ہم سے اس لب کی حلاوت کو
شکر کا ذائقہ خون جگر خواروں سے مت پوچھو
ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنے گرفتاروں سے مت پوچھو

مر جائیے، کسی سے پہ الفت نہ کیجیے
جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

ملائم ہوگئیں دل پر برہ کی ساعتیں کڑیاں
پہر کٹنے لگے اُن بن نہ کٹتی تھیں جن بنا گھڑیاں

---

† (ن) تنگ ۔

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہہ کو ملتا ہے
نہیں معلوم کیا کیا صورتیں اس خاک میں گریاں

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھہ سے یہ دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
جن نے دیکھا ترے منہہ کو کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے ہنوز
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا
قابل شانہ تری زلف ہوئی جس دن سے
کبھو جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
ابر مژگاں کے تصدّق سے ترے اے 'سودا'
سبز و خرّم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

تونے 'سودا' کے تئیں قتل کیا' کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟
جس سے پوچھاکہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا "کہتے ہیں"

برہمن بتکدے کے' شیخ بیت اللہ کے صدقے
کرو لے جا کے 'سودا' کو دل آگاہ کے صدقے

جن نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہار
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

ہر بات ہے لطیفہ و ہر یک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایۃ و ہر دم ٹھٹھو لیاں

کبھو نہیں ہے آنکھوں کی کاوش سے دل کو چین
مژگاں نہ کر سکیں تو نگاہیں چبھو لیاں

کیا چاہئے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبو لیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک †
جیوں خوش چھبیوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

'سودا' کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھو لیاں

خواہ کعبے میں تجھے' خواہ میں بت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار کہیں دیکھا ہے

نہ استفسار کیجے ہم سے اس لب کی حلاوت کو
شکر کا ذائقہ خون جگر خواروں سے مت پوچھو

ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہئے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنے گرفتاروں سے مت پوچھو

مر جائیے' کسی سے یہ الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

ملائم ہوگئیں دل پر برہ کی ساعتیں کڑیاں
پھر کٹنے لگے اُن بن نہ کٹتیں جن بنا گھڑیاں

---

† (ن) تنگ ۔

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہہ کو ملتا ہے
نہیں معلوم کیا کیا صورتیں اس خاک میں گریاں

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھہ سے یہ دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
جن نے دیکھا ترے منہہ کو کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے ہنوز
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا
قابل شانہ تری زلف ہوئی جس دن سے
کبھو جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
ابر مژگاں کے تصدّق سے ترے اے 'سودا'
سبز و خرّم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

تونے 'سودا' کے تئیں قتل کیا' کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟
جس سے پوچھا کہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا "کہتے ہیں"

برہمن بتکدے کے' شیخ بیت اللہ کے صدقے
کرو لے جا کے 'سودا' کو دل آگاہ کے صدقے

جن نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہار
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

'سودا' میں اپنے یار سے چاہا کہ کچھہ کہوں
ایسی کی ایک نگہ کہ رہی من کی من کے بیچ

اب خدا حافظ ہے 'سودا' کا مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دوانہ تس پہ آتی ہے بہار

صدقے ترے، نہ کیجیو گلشن میں پھر گذر
اُس دن سے چاک کرتے ہیں گل پیرہن ہنوز

شبنم کرے ہے دامن گل شست و شو ہنوز
بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز
ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے در بدر
جاتی نہیں ہے مجھہ سے تری جست و جو ہنوز

ایک دن گھیر میں دامن کا ترے دیکھا تھا
گرد پھرتے ہیں گریباں کے مرے چاک ہنوز

بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب سے ہم کنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز
ہوئیں گے پا مال نہ کر ہم کو رہا اے صیاد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار ہنوز
تب سے پا مال ہے دل کا ورق صبر و قرار
سبق ناز نہ لیتی تھی وہ رفتار ہنوز
زخم شمشیر ستمگر نے کیا کام تمام *
یارو تم ڈھونڈتے ہو مرہم زنگار ہنوز
شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقویٰ
عوض مے ہے گرو جبّہ و دستار ہنوز

---

* (ن) اپنا کام —

تیری دوری سے عجب حال ہے اس 'سودا' کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز
حق تعالیٰ اُسے جیتا ہی رکھے دنیا میں
اس قباحت سے نہیں ہے تو خبر دار ہنوز
قیس و فرہاد کے ماتم سے تو جگ میں اب تک
دشت ہے خاک بسر' روتے ہیں کہسار ہنوز

ساقی! گئی بہار' رہی دل میں یہ ہوس
تو منتّوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

کہتا تھا گل کسو سے' کروں گا کسو کو قتل
اتنا تو کُشتنی نہیں کوئی مگر کہ ہم
قاصد کے سات چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے وہاں نامہ بر! کہ ہم
'سودا' نہ کہتے تھے کہ کسو کو تو دے نہ دل
رسوا ہوا پھرے ہے تو اب در بدر کہ ہم

مجھ کو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

تجھے مکتوب لکھ 'سودا' نے مرغ روح کو سونپا
نہ کھینچا انتظار اتنا بھی تا پیدا کبوتر ہو

غیر پہ نت ہے کرم' ہم پہ ستم واہ واہ
دیکھ لیا بس تمہیں ہم نے صنم واہ واہ

ہے زلف میں میرا دل مت کھینچیو تو شانہ
زنجیر نہ کھل جاوے ہے سخت یہ دیوانہ

نیم جاں ہیں یہ تری چشم کے بیمار کئی
مر گئے خنجر مژگاں کے دل افگار کئی
تیرے بازار میں اب کیوں کہ نہ بگڑے 'سودا'
ایک یوسف نظر آتا ہے' خریدار کئی

ترا غرور' مرا عجز' تا کجا ظالم!
ہر ایک بات کا آخر کچھہ انتہا بھی ہے

عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں یہ رسم یہاں کوئی کسی کی داد کو پہنچے

طریق عجز میں مجھہ سا تھہ جو مقابل ہو
سوائے خاک نہ میرے کوئی بسر آوے

اتنا لکھائیو میری لوح مزار پر
یہاں تک نہ دے حیات کہ کوئی خفا کرے
فکر معاش و مہر* بتاں' یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبروے
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

کیجو اثر قبول کہ تجھہ تک ہماری آہ
سینے سے ارمغاں لئے لخت جگر گئی
مت پوچھہ یہ کہ رات کٹی کیوں کہ مجھہ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ؟ پیارے گزر گئی
'سودا' لکھا فغاں کو یہ خط اس کے یار نے
جس وقت اُس کے حال کی اُس کو خبر گئی قطعہ بند

---

* (ن) عشق —

سن اے فغاں جہان میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اِسی روش اُس کی گزر گئی
شیریں نے جور کب نہ کیا کوہ کن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی جو لیلی نہ کر گئی
کل ھی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اُس کے حال پہ گل کی نظر گئی
پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ بس
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی
میں تازہ کچھہ کیا ھے کہ بدنامی کو مري *
تیری صدائے آہ و فغاں § گھر بگھر گئی
حرمت رکھی نہ رعد کی. فریاد نے تري
رونے سے تیرے ابروے ابر تر گئی
لوھو سے تیرے سر کے ' ھے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خون کی بھروں در گئی
القصّہ خط کو پڑہ کے یہ ان نے لکھا جواب †
تیرے ھی دل کی چاہ ‡ نہ جانوں کدھر گئی
شیریں کی بات $ میں نہ کہوں ورنہ بارھا
لیلی ' جدھر تھی واںسے مجنوں ادھر گئی
یہاں تک توگہت میں لیلی کے مجنوں سما گیا
اُن کی اس اتحاد سے باہم بسر گئی

---

* (ن) تیری † (ن) کہ خیر ‡ (ن) مہر
$ (ن) ایک § آواز آہ و نالہ تری

جاری ہوا ھے خوں رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلی کی پوست مال اگر نیشتر گئی
ظالم! کروڑ گل کا گریباں ہوا ھے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی
پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھہ کو کیا
مجھہ سے جفاے ہجر کی طاقت اگر گئی
شکوہ تو کیوں کرے ھے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوھو سے بھر گئی

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ھے
دکھاتا ھے اُسے مجھہ کو جسے آزاد کرتا ھے

منہ لگاوے کون مجھہ کو گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو مجھے
ناتوانی بھی عجب کچھہ ھے کہ گلشن میں، نسیم
نت لئے پھرتی ھے دوش اوپر برنگ بو مجھے

کیا ضد ھے مرے ساتھہ خدا جانے وگر نہ
کافی ھے تسلی کو مری ایک نظر بھی
کہہ ابر! قسم ھے تجھے رونے کی ہمارے
تجھہ چشم سے ٹپکا ھے کبھی لخت جگر بھی
کس ہستی موہوم پہ نازاں ھے تو اے یار
کچھہ اپنے شب و روز کی ھے تجھہ کو خبر بھی

'سودا' تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے فجر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

میر سجاد ”سجاد“

تخلص۔ صف آرای معارک سخندانی' و شہسوار چابک خرام میدان معانی است۔ مرآت طبعش از مصقلۂ تربیت میان 'آبرو' صفا پذیرفتہ' و آفتاب عالم تاب هستی او در مشرق 'اکبر آباد' طلوع و سطوع گرفتہ۔ شعر ایہام بسیار میگوید' و مضامین خوب بنظم می آرد۔ حقا کہ رتبۂ عالی او فوقیت بر رتبۂ میان 'آبرو' میدارد' و شعر شیرینش در عذوبت' این احقر بہتر ازو می شمارد۔ و اشعارش بفقیر نرسیدہ' این چند ابیات از تذکرتین فرا گرفتہ' زیب اوراق می سازد —

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی
مرجا ستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا

بجای لفظ 'کافر' کہ اوّل پیش مصراع واقع است' اصلاح میر تقی 'میر' ”باطل“ گفتہ —

گر تیرے گل کے آنے نیں کھوئے نہیں حواس
'سجاد' کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی! بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں
جیوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ' پلا!

کیوں مشت گِل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
'سجاد' مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گِلا

بے تکلف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے 'سجاد'
دختر رز بھی عجب طور کی مستانی ہے

میر محمد تقی "میر" نوشته که "اگر شعر من می بود، بیش مصراع این قسم موزوں می کردم:—

ع - بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے 'سجاد' —

راقم سطور 'صاحب' می گوید که فقیر را هم بریں دو مصرع یک مصرع چنیں بخاطر گذشت:—

ع : ہر کسی مست کے وہ منھہ کو لگے ہے 'سجاد' —

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھہ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے 'سجاد' غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھہ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا — وو کانٹا ہے دل میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے 'سجاد' تجکو — کریں پر کیا خدا نے جو نہ چاہا

---

* گر تک زمیں پہ لونڈے کی پیٹھہ کو لگاوے
جا نیں ہم اپنے دل میں رستم کے تئیں پچھاڑا

آتش غم نیں ہم کو سرد کیا — دل پھپولا ہوا و درد کیا

---

* نکات الشعراء میں نہیں ہے —

بقا ں کی بھی یہ یاد دو روزھے　همیشه رهے نام الله کا

اب جلا لے تک آن کر ساقی!　عمر کا بھر چکا هے پیما نه

عشق میں جا ئیگا کہیں مارا　بے طرح دل هوا هے آوارا

مقبول اس جہاں کا هر ایک غنی نه دیکھا
را جا وهی جو کوئی یہاں سے گیا هے را نا

' سجاد ' کوئی دیکھے بهتابیاں تو دل کی
هے زندگی هماری یه موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی　نه دل اپنا هوا ' نه یار اپنا

لاؤ تے هو مرے آگے کیا دوا　خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

دل میں تو خطرہ نہ لا هرگز طبیب　دیکھہ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سے قبول هے جا نا　پن گلی میں تری مجھے آنا

میں نے جا نا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا ' سجاد ' نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آ کر چمن میں بلبل
کر یال میں غلیلا ایسا لگے که اُڑ جا

خط کتر وا کے آج قینچی سے　هم سے ملنے میں جاے هے کترا

تیری شمشیر سے جدا هو کر　سر مرا مجھکو تن نہیں دیتا

کیا کرے پاؤں بھی که جنگل میں　کچھہ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھہ کر حال داماں کا　پھٹے کیوں نه سینه گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر ایک دم میں پست ہو جا
گر میکشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم ندھڑ کے
ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑ کا

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

'سجاد' مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

چین دے ہے نہ چین لے ہے آپ دل ہمارا ہوا ہے جیو کو پاپ
کبھی منزل ہوی نہیں پوری بہت اس راہ کو گئے ہیں ناپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اول
پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہے عاشقی کے پنتھ میں پاؤں کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل! آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

بند میں مت رہ دوانے! عقل کے　　کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان! خواب میں غفلت میں ڈال کر
اک رات آکے سو رہو ہم پاس آنکھ موند

مر گئے پر، اگر نہیں آسیب　　کیونکہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ　　اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں سات　　ہے نظر میں مری جلا کاغذ
آسمان ایک رقعہ وار نہیں　　غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جتنے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اٹھ کے سر و قد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر
جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ　　رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر *

کوئی کم گیا ہو گا زلفوں کی راہ　　بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دوانے کا نہیں مطلب دوانہ　　تو کیوں نامے پہ ہے سطروں کی زنجیر

---

* مطبوعہ نکات الشعراء میں نہیں ہے —

شوق جنوں میں تیرے، عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لخت جگر ہمارا پانوں کے سات کھا کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کیوں زرق برق کرکے نہ حاضر ہوں تجھہ حضور
ہیں تیرے گھر کے سب یہ زری پوش خواجہ تاش*

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ
حال کیا کچھہ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چرالے جاہے دل کو اور باندھی جاہے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اُس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن!
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگاے
لگتا نہیں ہے تب تئیں ہرگز کچھہ اس کے انگ

---

* مطبوعہ نکات الشعراء میں نہیں ہے —

زلفوں کے جب اُلجھتی ہیں اُس سات آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن
اِن آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھ نہیں مجنوں کے حسب حال
لیلیٰ کے والدین اسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے گُل
اَب کے بہار میں یوں ہوویں گی فصل سے گُل

'سجاد' فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جا کے یار کے منہ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اُسے
خواہ زلفیں' خواہ ابرو' خواہ مژگاں' خواہ چشم
پھیر جائیں خوبرو آنکھیں' کریں ہیں جب بناؤ
دیکھ کر سرمے کے تئیں ہوجاہوں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں سب مزے در کنار ہوتے ہیں
نا خدائی تک ایک کر ساقی! ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
تیر وہ ہیں کسی نشانے پر میرے سینے کے پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن! بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن یہ گذریں گی ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں *

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے! بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اس کی گلی میں جاتا ہوں دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایے میں ہم اُس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھ
مدت تئیں دیوار بدیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب درپئے دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں، جیتا ہوں جب تئیں

جو اک دھج ہے ابروے خمدار میں
کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دیں

جب کرے ہے ترے دھن کا بیاں منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر جان! اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں بھاگتے پھر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منہ پہ ہیں موچھیں سی ماریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمہاریاں

---

* از مصنف ہم چنیں ہر دو مصرع شنیدہ شد: —
ہجر شبیں میں کیوں کہ کاٹے گا کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں
نکات الشعراء

صوت شعر اب مرا ہوا ہے بلند　　شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں　　زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ 'سجاد' کے دل کے جلنے کی قدر　　نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

دیکھ مہندی لگی ان ہاتھوں کو　　پھول آکر لگے ہیں پانوؤں کو

تو روز وصل لے بیٹھے ہے پاس کن کن کو
یہ راتیں ہجر کی کاٹی نہیں ہم اِسی دن کو

چھاتی ترقے ہے کھلتے وس کی گانٹھہ　　زرہ و فندھے کی طرح جس کی گانٹھہ
سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے　　زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھہ

نہ جیوں زلف تیرہ ہے "ہر دل کی آہ　　نصیبوں سے ملتے ہیں بخت سیاہ

تجھ بن آنکھیاں تلے اندھیرا ہے　　پتلیاں یے نہیں نین میں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیان ہوگئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہوگئی ہے ترے! منہ سے آرسی
اب پھر کے روبرو ترے وو ہرگز آئنہ

پار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز　　یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

رات اُس زلف کا وہ افسانہ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے
آ بنے ہے خدا سے پیری میں بت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثریٰ کو پہنچا
ظالم کے گھر کی گلیاں کچھہ کم نہیں کنوے سے

ہاتھہ ہی میں رہے ہے طفلوں کے یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

تک اس کی کان دھر کر تم سنیے لے پرانے درد مندوں کی ہے یے لے
بھتوں بازی کھیں سجن مل جائے لیکن ایسے کہاں نصیب مرے *

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

تمہیں غیر سے صحبت اب آپڑی اسی دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے یہ کافر مرا جو خدا جانتا ہے
جب تک نہیں پہنچتی ترے آستاں تلک
تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھہ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

موچنیں سے لبیں تو مت لے شیخ پشم نوچے سے کیا اپڑتی ہے †
اے صنم زنار پہنی تجھہ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

---

* نکات الشعراء میں نہیں ہے
† نکات الشعراء میں نہیں ہے

عاشقوں کا سجن ! لہو پی پی   دم بہ دم توری تیغ اُگلے ہے

ماہ رو بن یہ شمع محفل میں   جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپرداری اُس کی کسی سے نہ ہو   یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں   کیا پھپولوں نے سر اُٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دینگے غیروں کو   جاں ہر چند ہم گئے ہونگے

یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ توٹ کر
آنکھوں نے اُس کی رودیا آخر کو پھوٹ کر
بہار آئی سبھی غنچے ہیں خواہاں آج تو دل کے
شتابی سے نہ دیجو بلبل ارزاں اس کو تک سستا
تجھے لائق نہیں گل توڑ کر کے ہاتھ میں رکھنا
تری یہ نگلیاں مہندی ' لگی پوروں کا ہے دستا

وہی خانہ خراب اس دکھ کو جانے   کہ جس کا عاشقی کے بیچ گھر جائے

سجن ! منت کروں ہوں مان جا تو   ہنسا مت کر رقیبوں سات ہا ہا

کوئی جا کے قاتل کو سمجھائیگا   کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائیگا
کہا دل نے اتنا تو خوبوں کے تئیں   یہ دیکھو کہ اپنا کیا پائیے

آئینے کی طرح وہ تجھ منہ پہ آئے   ہو کلیجا جس کا لوہا سار کا

جس طرح کی باس کا ہے تو پیا   کوئی گل ایسا نہیں خوش بو پیا
اشرفی ' پیسے سے نہیں رکھتا ہے کام   جو کوئی پاتا ہے تیرا روپیا

ایک ایک بال کر کے لے جائینگے دے بوسا
لڑکوں کے ہات زاہد داڑھی رہا ہے کھوسا

غم یہ سنگیں دلوں کا ہے بھاری
نہیں جاتا طرح ٹالا

لبریز ہوکے شیشے سے اگلے پڑے ہے مے
کون اِس کے اشتیاق میں ہے جاں بلب ہوا

رفتار کا تمہاری نہیں شور جگ میں اب کا
جا کوہ میں چھپا ہے خجلت سے کبک کب کا

ہم اسیروں کے دل پہ پھندوں کا
تیری زلفوں نے تار باندھ دیا

مجلس شراب کی نہیں ہوتی ہے گرم آج
گذرا ہے میکدے میں کوئی شیخ شوم سا

دوانے کو نہیں خلعت سے کچھ کام
وو جنگل میں پھرے ہے بے سروپا

ہر ایک طرف کو اپنے یوسف کا ہوکے جویا
یعقوب مجھ برابر کہیں خواب میں نہ رویا

عشق میں جی نکل نہیں سکتا
مر نہیں کوئی بے اجل سکتا

جو لگے تم کو بھلا جان! وہی بہتر ہے
دل برا تم نے کیا ہم سے بہت خوب کیا

کیا دل سخت، پراُ لذت کہاں جاے
بجھے سینے میں پتھر کے شرر کب

جام نہیں منہ سے لگایا تجھ بغیر
آ رہا ہے جاں میرا جاں بلب

خاک سے دل، چشم نرگس ہو اُگا
اب تئیں بھی دیکھنے کی ہے طلب

عبث نہیں ہے دریا کا یہ اِضطراب
تری زلف کو دیکھ ہوتا ہے آب

تنہا نہ ایک چاند ہے گردش میں تجھہ حضور
کرتا ہے آفتاب بھی تجھہ آگے دوڑ دھوپ

مژگاں کی صف میں چھپ کے نگہ یوں کرے ہے چوت
صیاد جیوں شکار کی تٹی کی بیٹھے اوت
ہوتا نہیں ہے قلب میں ' عاشق کے سات صاف
جس سیم تن کے ہوتی ہے کچھہ دل کے بیچ کھوت
بازی ہمیشہ دیکھے کے رہتے ہیں داؤ میں
زاہد جو بیٹھتے ہیں یہ خانوں میں مار گوت
'سجاد' تیر کھانے کو ابرو کمان کے
رہتی ہے میرے دل کو نشانے کے سات چوت

جیتے جی ہرگز اس سے اُٹھاتا نہیں ہوں ہات
تیری بھواں کی تیغ ہے ظالم یہ سر کے سات
چپ رہ گئے ہیں دیکھہ کے سب تجھہ دھن کے تئیں
آتی نہیں ہے کہنے میں کچھہ تجھہ لبوں کی بات

خوش وقتیوں سے کیوں نہ کرے ہات پاؤں گم
'سجاد' اُس کے پاؤں لگیں جس کسی کے ہات

مہندی کی مچھلیوں کی طرح غرق خوں ہے دل
تجھہ ہات بیچ دیکھہ کے اس شست کی نشست
میرے ضعیف سینے پہ یوں بیٹھتا ہے ہاتھہ
جیسے کہ ناتواں پہ زبردست کی نشست

یوں گھر گیا جو زلف میں کیا جانتا تھا دل
عاشق کو سر اُٹھاتے ہی پڑ جائیگا یہ پیچ

دوری میں درد ہجر کا، اور وصل میں جفا
اس عاشقی کے پنتھہ میں مشکل ہے ہر طرح

چرخ کبود ہے یہ ہرگز نہ بوجھیو تم
دل سوختوں کے باندھا ہے دود دل نے گنبد

دشمن سبھی طرح ستی ہیں دین و دل کے یہ
کافر بتوں کا جی میں نہ دیوے خدا پیار
تو اُٹھہ گیا ہے جب ستی آغوش سے سجن!
بیٹھا ہے تب سے دل بھی مرا مجھہ سے بے کنار

کوہ کن کیوں نہ سر کو پھوڑ مرے
لی ہے جا کس پہاڑ سے ٹکر

ہلال آسماں سے بہتری میں
ترا ایک ایک نُہ ہے دس برابر

بت پرستی و میکشی سے دل!
کب تو توبہ کرے ہے توبہ کر

اُٹھے ہے دیکھو ہر طرف بار بار
صبا کیا اُڑاتی ہے گل کی بہار

لاتا ہے امروز فردا ہمیں
کسی کا نہیں آج کل اعتبار

ہجر کی راتیں بھی آخر کٹ گئیں
ایک سے رہتے نہیں ہیں دن ہمیش

اور ہی طرح کا سخت وو کافر ہے سنگدل
تو مثل اس صنم کے نہ ہر بت کے تئیں تراش

دوستی میں کسی پہ بوجھہ نہ دے
تو دلوں پر نہ ہووے بار اخلاص
اپنا دشمن جو ہو کوئی 'سجاد'
وہ کسی سے کرے پیارا خلاص

چھوڑتے قصد اِس دوانے کی چھوٹ قصاد کی نہ جاوے نبض

یہ جلنا دل اپنے کا آتا ہے یاد

جہاں جلتے دیکھوں ہوں مجلس میں شمع

کب گریباں چاک پر تنگی کرے ہے جنوں کے دشت کا دامن وسیع

جان! رونے کے سبب دل بجھہ گیا مہنہ میں جلتا رہے کیوں کر چراغ

پھول لالا کے نہیں جھڑ جھڑ پڑے یہ باغ میں

جو ہوے بسمل ہیں سو ان کے یہ ہیں لوہو کے داغ

رہو آہ دل سوز میرے سے فرق کہ ہے خوشہ چیں اس کے خرمن میں برق

بھنور میں تری زلف کے دل مرا سدا فکر میں ڈوبنے کے ہے غرق

سدا ٹوک اپنے تھے تم پیار سے لگی کس کی اس ٹوک اپنے کو ٹوک

سکوروں میں جلتے ہیں جیسے چراغ

یہ آنکھوں میں اس طرح جلتے ہیں اشک

نظر میں جس گھڑی اُس گل پہ ڈالی نہیں آرام تد سے شاخ کو تل

کہیں برہم نہ کھاجاے شور محشر قیامت شور پر ہے یہ مرا دل

نہ دیکھا دل نے اس کو خواب میں بھی عبث کس نیند تو سو تا ہے غافل

ہوتے نہیں جو شمع تری انجمن میں ہم

جلتے ہیں سرنیچ سونچ کے اپنے ہی من میں ہم

روديا تربت یار نے 'سجاد'! جب مری آنکھہ سے ملائی آنکھہ

جو کہا غیروں سے، اور ہم سے نہیں سن رہیں گے ہم بھی وہ باتیں کہیں

آنے کا خواب میں بھی نہیں وہ کبھی نظر
'سجاد' تو گیا ہے عبث کس خیال میں

عشق سے کس کے نہیں داغ جگر جلتے ہیں
سنگ ہے تس کے بھی سینے میں شرر جلتے ہیں

اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کوں
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

اے خدا درد ستی ہائے بت کافر کے
حال بد تر ہے مرا تجھہ کو ہے بہتر معلوم

دوانا کہاتا ہو جو دشت کا قفل دیکھے تک آج میدان میں
کتابی ہے ہر شعر 'سجاد' کا پسند اُس کو کرتے ہیں دیوان میں

سجن کی زلف پہ جب تک نگاہ رہتی ہے
نہ اشک تھمتے ہیں اک دم نہ آہ رہتی ہے

آ کھڑا تو ہوا جو کوٹھے پر گھر گئے عاشقوں کے بیٹھہ گئی

دل مرے کا لکھا ہے جب سے سوز تب ستی ہے قلم کی نوک جلی
سن کے مرے فغاں کو عالم میں نے کسی نے پھر ہات بیچ نہ لی

دل ہوگیا پھپولا پیارے! تمام جل کے
کیا تجھہ نہال سے ہوں امیدوار پھل کے

تنہا نہ دل مرے نے زلفوں سے تاب کھایا
گلشن کے بیچ سنبل کھاتا ہے تاب ہلکے

ایسے ترے چمکتے دانتوں کو دیکھ پیارے!

پانی ہو جاے موتی مارے نہ کیونکہ جھلکے

کیا جانتا تھا، مجھکو رسوا کریں گے سب میں

یہ طفل اشک میری آنکھوں کے بیچ پل کے

تجھ سات رات بسکے نہیں کوی رہا شگفتہ

ہر صبح دم پیارے! کھتے ہیں ہار گل کے *

بات احمد کی بہت زیادہ ہے　　عقل کا وہاں سوار پیادہ ہے

چرخ سے شق ہو چاند کا گرنا　　طشت از بام اوفتادہ ہے

سعدی "سعدی"

از شعراے سلف دکن است، زبانش با روز مرۂ دکن آشنا - مرقدش در جوار برہان پور مشہور است - اشعار او سواے این ریختہ کہ بتذکرۂ نکات الشعرا، مذکور است، دیگر بسمع نرسیدہ، از وست :-

ہمنا تمن کو دل دیا، تم نے لیا ہور دکھ دیا

تم یہ کیا، ہم وہ کیا، ایسی بھلی یہ ریت ہے

وونہں کے گھیر کروں رو رو کے انجھواں دل بھروں

پیش سگ کوپت دھروں، پیاسا نہ جاوے میت ہے

---

* گلے رکے -

"سعدی" غزل انگیختہ، شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ، دُر ریختہ، ہم شعر ہے، ہم گیت ہے

نجم الدین علی خان "سلام"

ولد شرف الدین علی خان "پیام" - معنی تلاش والا مقام، واز شعرائے شیرین کلام است. مولدش دارالخلافۂ اکبرآباد، وطبع نکتہ سنجش معنی ایجاد - این دو بیت دیدہ شد :—

حدیث زلف چشم یار سے پوچھہ درازی رات کی بیمار سے پوچھہ

ہے تابیو قسم ہے تمھیں میرے صبر کی
مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

سعادت اللہ خان "سعادت"

از سادات امروھہ بود، و گرہ معنیِ نازک بناخن فکر رسا می کشود - این ابیات از تذکرتین ماخوذ شد :—

کس سے پوچھوں، دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تو تیل میں ڈالے ہے ہات

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف، دو پیالوں میں ہوجاتا ہوں مست

کیا صید آھوے دل آسواری سے میاں! تم نے
کمر کی تاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

والدہ جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا ہر گز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

اہل زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام صید ہو ہیں جس جگہ دیکھے ہیں دام

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

نہیں تجھہ ہجر میں پیتے شراب ارغوانی ہم

ارے ساقی! ترے مارے نہیں مانگیں گے پانی ہم

میر ناصر "سامان"

تخلص - سامان سخن گوئی بسیار می داشت، وشعر فارسی خوب می گفت - تربیت یافتۂ میرزا مظہر جان جان است - سخن ریختہ اش نمکے دارد :—

رقیباں دیکھہ مجھہ جلتے ہیں اس بھانت

گویا رشتے میں ہیں اُس شمع رو کے

گوڑا کھو ہو گئے سارے حسو داں اُڑائے ہیں انوں کو ہم نے سو کے

سبھی کہنے لگے اب شعر ایہام سلیقے کم ہیں 'ساماں' گفتگو کے

'فتح علی خان' این دو بیت می نویسد :—

اُٹھیں کیوں کر نہ اب دل سے بھبو کے کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

خبر بھی آونے سے رہ گئی ہے کبوتر اُڑ گئے پیغام کی کو کے

میر سراج الدین "سراج" *

تخلص - شمع چرب زبان بزم روشن بیانی ' و سراج میر محفل آتش زبانی است - بازار ریخته در دکن بعد ' ولی ' دکنی ازو گرم گردیده ' و آوازۀ سخنش از بس اشتهار عالم رسیده - شعر پر سوزش دل فروز ' و سخن پختداش گلو سوز است - درین ایام با راقم سطور گرم می جوشد ' ودم از دل سوزي می زند - غرض مغتنم است ' حق تعالی سلامت دارد-در دیباچۀ منتخب دواوین فارسی که درسنۀ تسع و ستین و مائة و الف تالیف ساختہ' و تاریخ تالیف " منتخب دیوانها

---

* شاہ سراج الدین ' سراج ' اورنگ آبادی از ابتدا در مسلک سپاهیاں نوکري می کرد' الحال ترک روزگار کرده از چند سال لباس درویشی پوشیده است - در فکر ریختۀ هندی طبع موزونے دارد - دیوان ریختۀ هندي ترتیب داده - گاهے در فکر اشعار فارسی می گراید ازوست :—

یاد رکھ اے دل خوں گشتہ کہ جیوں تکمۂ لعل
جامہ زیبوں کے گریباں کا گلو گھر نہ ہو

ہوا ہے دست بیعت خانوادے میں ترے غم کے
رہے گا سلسلہ آنسوں کا جاری روز محشر لگ

ترھ روئی کی تم اب لانے لگے طرزیں نئی
کوئی دنوں تھی فصل مہتھوں کی سو شایدھوگئی

مجھ نگیں داغ دل پر نقش ہے حرف وفا
عشق کی امت میں ہوں مہر نبوت کی قسم

شعررنگیں کے غزالوں کوں کیا صید سراج
رشتۂ دام ہے تار نگہ چشم خیال

(تحفۃ الشعراء)

یافته ، احوال خود می نگارد - و راقم سطور ازان جا نقل بر می دارد ، که " این فقیر از سن دوازده سالگی بغلبهٔ شوق (بجهة) هفت‌سال جامهٔ عریانی در برداشت و بتکلیف نشاء بیخودی اکثر در سواد روضهٔ متبرکهٔ حضرت برهان‌الدین غریب شبها بروز می آورد ، از جوش همان مستی اشعار شور انگیز و ابیات درد آمیز بزبان فارسی از مکمن جان بعرصهٔ زبان می آمد و باقتضاے احوال خامه را به تحریر آن آشنا می ساخت، احیاناً شوق مندی حاضرالوقت می بود بجهة حلاوت ذائقهٔ طبع خود کاغذ را سیاه می نمود و اگر آن اشعار تمام به تحریر می‌آمد ، دیوانے ضخیم ترتیب می‌یافت - چون تقاضاے عمر قابل آن همه سخن سنجیها نبود ، باستماع آن سوز ونات حال عالمے در ورطهٔ تعجب افتاده ، از جملهٔ اهتمامات بقصور می آورد بعد انقضاے مدت مسطوره تلاش لذت تحقیق محرک رگ جان گردید ، تا بآن وساطت بجناب حامی شریعت غرّا ، سالک طریقت‌الاخفی، واقف حقیقت‌المولی، عارف معرفت‌الکبری، قبلهٔ مریدان راسخ‌الیقین و صاحب‌الایمان، کعبهٔ مستفضیان کامل‌الصدق و ثابت‌البرهان، حضرت خواجه‌سیدشاه‌عبدالرحمن چشتی قدس‌الله سره‌العزیز که وصال مقدسش در سنة احدی وستین و مایة والف اتفاق افتاد - مستعد ارادت گشته ، فیض یاب ارشاد گردید ، و جرعه از بزم عنایت آن ساقی شراب هدایت، موافق حوصلهٔ خود چشید - درآن ایام براے پاس خاطر عزیز عبدالرسول‌خان صاحب که برادر طریق این فقیر اند ، اکثر اشعار آبدار در زبان ریخته بسلک سطور منسلک گشت - ایشان آن جواهر متفرق را که

قریب پنج هزار بیت بود به ترتیب دیوان مرتب نموده، حصهٔ مشتاقان خاص گردید' و رفته رفته شهرهٔ تمام یافت، که بعام هم رسید و فقیر بعد چندے بلباس فاخرهٔ " الفقر فخری" ممتاز گردید و از همان روز موافق امر مرشد' برحق تا حالت تحریر که سال هفدهم است، دست زبان از دامن سخن موزون کشید''۔ انتهی —

مثنوی شاه صاحب مسمی به '' بوستان خیال '' که جملهٔ ابیاتش یک هزار و یک صد و شصت باشد' بنظر در آمد۔ حقا که خون از رگ اندیشه چکانیده است مطلع او این ست :—

ارے هم نشینو! مرا دکھ سنو مرے دل کے گلشن کی کلیاں چنو

اشعار آبدارش مشهور آفاق است، از بس اشتهار حاجت تحریر ندارد، ولیکن بنا بر التزام این جریده بقلم می آرد :—

دل جگر کی پھکڑیاں آهوں کے تاگوں میں پرو
بیٹھ کر دوکان غم پر پھول والا هو گیا
اشک باراں، آه بجلی، هجر کی کالی گھٹا
ماه رو بن کس طرح کا برشگالا هو گیا
نیند سے کھل گئیں مری آنکھیں سو دیکھا یار کو
یا اندھارا اس قدر تھا یا اُجالا هو گیا
بھر رها هے بس که دود آه میرا اے ' سراج '
آسماں جوں پردهٔ فانوس کالا هو گیا

آیا پیا شراب کا پیاله پیا هوا
دل کے دئے کی جوت کا کاجل دیا هوا

نہیں جب سے پاس شاھد گلگوں قبا 'سراج'
جی پر ھے تنگ جسم کا جامہ سیا ھوا

مشہد میں قمریوں کے وو سرو قد جو آوے
شمشاد ھر چمن کا شمع مزار ھووے گا
آئینہ رو کے دل میں نہیں عکس مہربانی
میری طرف سے اُس کو شاید غبار ھووے گا

دل مرا زلف ستی چھوٹ پھنسا ابرو میں
کفر کو ترک کیا مائل محراب ھوا

رخسار یار حلقہ کاکل میں ھے عیاں
یا چاند ھے 'سراج' اماوس کی رات کا

اُس پھول سے چہرے کو جو کوئی یاد کرے گا
ھر آن میں سو سو چمن ایجاد کرے گا
جب بوت میں تعریف کہوں اس کی بھووں کی
البتہ ھلالی بھی اسے صاد کرے گا

جان و دل سے میں گرفتار ھوں کن کا، اِن کا
بندۂ بے زر و دینار ھوں کن کا، اِن کا
صبر کے باغ کے منڈوے سے جھڑا ھوں جیوں پھول
اب تو لاچار گلے ھار ھوں کن کا، اِن کا
حوض کوثر کی نہیں چاہ، زنخداں کی قسم
تشنۂ شربت دیدار ھوں کن کا، اِن کا

جل گیا پروانہ، پن سمجھ سا سمندر خو نہیں
یہ سخن شاگرد کا اُستاد پر باقی رھا

جاتا ہے مرا جان نپٹ پیاس لگی ہے
منگتا ہوں ذرا شربت دیدار کسی کا

سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم' کیا ہے دورنگی
دلدار کسی کا ہے' دل آزار کسی کا

زنجیر بھلی' قید بھلی' موت بھی جیوں تیوں
پن حق نکرے کس کو گرفتار کسی کا

میں ہوں تو دوانہ' پہ کسی زلف کا نہیں ہوں
واللہ کہ رکھتا نہیں یک تار کسی کا

ابروے پرچیں کو تیرے دیکھ دل حیراں ہوا
کیا مگر شمشیر جوہر دار کو دیکھا نہ تھا

دل مرا بیخودی کے دریا میں سب سے آزاد ہو نہنگ ہوا

دورنگی خوب نہیں یکرنگ ہوجا سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا

حنا سے تم نے نہیں باندھی ہے مُٹّھی لئے ہوہات شاید دل کسی کا

تجکو اے آہو نگہ کس نے سکھایا یہ طرح
یا تو تھا اوروں سے رم یا ہم سیں رم ہونے لگا

ماجرا سنکر ہمارے اشک بے پایان کا
آب ہو جاتا ہے زہرہ نوح کے طوفان کا

دیکھ کر دریا میں اُس مہندی بھرے ہاتھوں کا عکس
خشک ہو جاتا ہے لہو پنجۂ مرجان کا

ہے بیان شور بیتابی مرے ہر بیت میں
برق کے سونے سے جدول چاہیے دیوان کا

ڈورے نہیں ہیں سرخ تری چشم مست میں
شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

آ مری آہ کا تماشا دیکھ گر تجھے ذوق ہے ہوائی کا

جو تیوری چڑھاوے، تو جی کو لبھاوے، وگر مسکراوے، تو پھر گر جلاوے
نیا اِن دنوں میں ہے دیکھا ہے ہم نے وو ساحر کی افسوں گری کا تماشا

بت پرستوں کو ہے ایمان حقیقی وصل بت
برگ گل ہے بلبلوں کو جلد قرآن مجید
لشکر قلب صف عشاق میں ہے غلغلہ
یکّہ تاز آہ کو کس نے کیا ہے فار سید
باغ سے گلچیں چلا تب بلبلوں نے غل کئے
حضرت گل کو کیے جاتا ہے یہ کافر شہید

نظر آتا ہے قد ترا مجکو سرو آزاد گلشن ایجاد

یہ تنگی انھوں کے دھن کی نہ پاوے گا اپنے گریباں میں سر کو نوا تو ں
اے غنچے نہ باقی ہو مہتاب رویوں سے مت خندہ پن کر چکوروں کے مانند
غم کے پہاڑوں کو سر پر اٹھائے ہیں وحشت کے پنجوں سے آھوں نے میری
دل کے اکھاڑے میں اب کون ہمسر ہے ان پہلوانوں کے زوروں کے مانند

رخ ترا نسخۂ گلستاں ہے ہے خط سبز جدول زنگار

ہے سری ہر ہر پلک پر جلوہ گر خون جگر
دیکھ دریا کے کنارے پر چراغاں ہے ھنوز

گل گلاب کے جیوں اس پاس ریحاں ہے
عیاں ہوا ترے رخسار پر خط شب رنگ
ترے دھن کی مسی سے مجھے ہوا معلوم
نماز شام کا ہے وقت اب نہایت تنگ

یک جا ہوے ہیں بلبل و پروانہ اے 'سراج'
اس شمع رو کے چہرۂ گلنار کی قسم

مثل سیماب آتش غم میں ز بس بیتاب ہوں
بعد مرنے خاک میری کیمیا سیں کم نہیں

پیچ کھا کھا کر ہماری آہ میں گرہاں پڑیں
ہے یہی سمرن تری درکار کوئی مالا نہیں

گذر غیر کا نہیں شتابی سے آؤ
دل و دیدہ خالی ہیں دونوں سرائیں
ارے غنچہ ہر صبح اس خوش دہن سیں
مناسب نہیں خندہ پن کی ادائیں
دو زلفوں نے گھیرے ہیں چہرے کو تیرے
بلائیں بھی لیتی ہیں تیری بلائیں

کہو کیونکر رہے فوج خودی٭ کا مورچہ قائم
کہ یہاں قلقل کے گولے شیشۂ مینا سے آتے ہیں

ہر اک ناقوس میں آتی ہے آواز
کہ ہے پرگھٹ وو ہر ہر کے گھٹ میں

اشک خونیں ہے شفق آج مری آنکھوں میں
سانجھ پھولی ہے ترے باج مری آنکھوں میں

جلنا تڑپ تڑپ کر، مرنا سسک سسک کر
فریاد! ایک جی ہے کس کس خرابیوں میں

٭ (ن) خرد (کلیات) —

مل کر دو چشم خونیں کرتی ھیں قتل عاشق
کیا اتفاق ھے گا دیکھو شرابیوں میں

ھمارے پر ترش ابرو کیے ھیں رقیبوں کے طرف ابرو کیے ھیں

آرزو ھے مری آنکھوں میں رھو پتلی ھو
تم کو دیدوں کی قسم یہ وطن اپنا بوجھو

تمام آیات خوبی ھیں خط و خال عجب ھے شوخ کا چھرہ کتابی
کلید آہ سیں صندوق دل کا قفل کھلتا ھے
الٰھی کارخانے کا اسے مشکل کشا کھئے

بھار ساقی ھے بزم گلشن میں مطربان چمن شرابی
پیالہ گل، سرو سبز شیشہ، شراب بو، اور کلی گلابی
ارے چکورو! یہ چاندنی نھیں عبث کے ھو ھجوم تم نے
ھوا ھے جوش بھار نسریں سے دھوپ کا رنگ ماھتابی

کسی استاد تیر انداز نے لے سیں لگا ھوں گے
ھمارے تودہ دل پر عجب لے سیں چلایا ھے (؟)
یکا یک کھول کر متھی پلک کی موند لیتی ھیں
مری آنکھوں نے شاید خواب میں کوی لال پایا ھے

فقیر ھم درین زمین ریختہ پنج بیت گفتہ، این ست در ریختہ:—

پھپولا یوں جگر کے شیشے کا انگور لایا ھے
مگر اب کے کچھہ اُس کا دل تو مے پینے پہ آیا ھے
تجھے ھم پر کیا معلوم ھووے عشق کی سختی
وھی جانے قدر اس کی کہ جن نے دل گدوایا ھے
نھیں دیکھا ھے شاید قد ترے کو سرو رعنا نے
کہ یوں نخوت سے گلشن بیچ آ، سر کو اُتھایا ھے

خرد کو عشق میں آکر رکھیئے طاق کے اوپر
مرے دل نے ترے ابرو سے یہ مضمون پایا ہے

کنشتوں میں مگر اندھیر رہتا ہے کہ اب 'صاحب'
برہمن بتکدے میں دان کو یوں جلا یا ہے (؟)

سجدوں بھی گرچہ خاک نشینی میں کم نہ تھا
ہم نے بھی اپنے وقت میں دھو میں اڑا چکے

شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

وو عجب گھڑی تھی، مَیں جس گھڑی، لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی تیوں ہی دھری رہي

میں بے خبر تھا اس کے تبسم نے کی خبر
بلبل کی نیند خندۂ گل سے اُچٹ گئی

ہات میں شمشیر لے آتا ہے وو جلاد خو
عاشقوں کو عید قرباں کی مبارکباد ہے

طوق و زنجیر نہیں جس پہ، کسے رحم آوے
دام الفت کے گرفتار کو کوئی کیا جانے

تازہ رکھہ آب مہربانی سیں ایک دل سو چمن ہرا بر ہے
رحم مجھہ پر، کرم رقیبوں پر ہوے تو بہتر نہ ہوے تو بہتر ہے

مرے گھر مہر سیں گر وو مہ ابرو ہلال آوے
رقیب شوخ طینت کے ستارے پر زوال آوے

بجاے "شوخ طینت" چنیں بخاطر می گذرد :—
۶۔ کہن. طینت رقیبوں کے ستارے پر زوال آوے"

صدائے آہ قمری سے چمن میں راگ ہوتا ہے
عجب نہیں جو ہر اک شمشاد کو رقت سے حال آوے

نیم بسمل کسی کو حق نہ رکھے   شکر للہ کہ ہم تمام ہوے

بے خطی میں عیاں ہے سبزۂ خط   تیرے عارض میں بسکہ صافی ہے

وو پھول مرا آج کدھر بھول پڑا ہے
دل پھول کے پھولوں نہ سماوے تو بجا ہے

میر محمد تقی 'میر' و محمد فتح علی خان این ابیات انتخاب نمودہ اند—

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے، کیا صاف گال والے

پی بن مجھے آنسووں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جاناں
کہاں 'سراج' کہاں آفتاب عالمتاب

رفو گر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو' چکر میں آجاوے

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں   لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

عجب وہ سرو گلزار ادا، خوش قد ہوا واقع
پر بلبل، نہال گل کو دست رو ہوا واقع

ہاے رہ گئی دل میں دامن گیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجۂ گیرا ہنوز

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا   طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل دیوانہ ہے * ' سراج '
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ ایک 'سراج'
ہیں وہ حسن آتشی کے ایسے پروانے کئی

یہ منصور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرو آب شوروں کے مانند *
روپے کی نہالی' سفیدی ہے نرگس کی' زردی ہے زر کے کٹوروں کے مانند
دل کے خزانے سے شاید لے جاوینگے جیو کے جواہر کو عیار یوں سے
ہر دم خیال اُس کا آنکھوں کے روزن سے آتا ہے چھپ چھپ کے چوروں کے مانند

پتھر بھی نہیں ہے شرر شوق سے خالی
بیتابی نبض رگ خارا کی خبر لو

مجھے مصری ستی بیزار یاں ہیں — وو شیریں لب کی باتیں پیاریاں ہیں
چلائی موتھہ شمشیر نگہ کی — وو جادوگر میں کیا عیاریاں ہیں
نہ بوجھو آسماں ‡ اوپر ستارے — ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں
غزل خوانی چمن میں بلبلوں کی — ہماری تعزیت کی زاریاں ہیں

مجھے غم دست و گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
چاک سینے کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

---

* (ن) بیگانہ رے — (ن ک) پرتم —
† دونوں تذکروں میں یہ شعر نہیں ہے کلیات میں ہے —

اب تلک مجکو کسی شخص کے چہرے کا خیال
صورت آئینۂ جاں نہ ہوا تھا سو ہوا

صف عشاق میں کوئی ثانی مجنوں مجھ سا
وحشی کوہ و بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

آہ سوزاں سے مرے دامن صحرا میں 'سراج'
قبر مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

میں نہ رکھتا تھا شہیدوں کی عبادت کی خبر
اب دم خنجر کے پانی سے وضو کرنا لگا

مانگ تیری سیس کی ظلمات میں　　ماہ نو دیکھا ہے آدھی رات میں

خواب میں بھی دیکھنا اس کا مجھے مشکل ہوا*
بسکہ رہتا ہوں خیال یار میں بیدار نت

ناز کے دیوان میں اے مطلع حسن و جمال
قد ترا ہے مصرع و ابرو ہے بیت انتخاب

اے جان 'سراج' آج دکھا درس تو اپنا †
ہے وعدۂ فردا مجھے فردائے قیامت

لیا ہے نقد جان بلبلاں یعنی خراج اپنا
چلایا خسرو گل نے اسی رنگوں رواج اپنا

ارے غم! صبح آنے کی خبر ہے سر و قامت کی
قیامت کل کو آتی ہے عمل کر لے تو آج اپنا

لگا کر راکھ جوگن ہوئی قمری باغ کو تج کر
مگر کوئی سر و قد کے واسطے چھوڑے ہے راج اپنا

---

* (ن) ہوا مشکل سراج —　　† (ن) جلوۂ دیدار —

ترا غم زهر تھا پن نوش دارو جان کر کھایا
کیا ہے اپنے ہاتھوں دل ہمارے نے علاج اپنا

وو ظالم مجکو جلتا دیکھہ کر اتنا بھی کہتا نھیں
کہ کیا ثابت قدم ہے کیوں نہ ہووے آخر سراج اپنا

ہر دم دم خنجر اُپر اس سر سے گذرنا
اول قدم شوق ہے منزل کو ہماری

آفریں خون مرے دل کا بجا کام آیا
سچ سپاہی کو برا نام ہے تل جانے کا

دیکھہ تجھہ چہرۂ زریں کی سج
تھر تھراتا ہے ہر سحر خورشید

دستار بادلے کا چلا باندہ شعلہ رو
شاید کہ آفتاب سے چہرا بدل کرلے

کل سے بیکل ہے مرا دل یار کو دیکھا نہ تھا
کیوں نہ ہو بیتاب دل دلدار کو دیکھا نہ تھا

یار آتا ہے مرے قتل کو اور میں ہوں خجل
حیف اس وقت میں میرا دل بیجاں نہ ہوا

باغ نے سرو کی انگلی کو لب جو پر رکھہ
حیف کھاتا ہے کہ وہ سرو خراماں نہ ہوا

اول کی تم تو بھول گئے مہربانیاں
لانے لگے ہو خوب شرارت کی بانیاں
مجھہ دل کے کوہ طور کا سرمہ دیے ہو تم
باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں

دامن تلک بھی ہاے ذرا دست رس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جان‌فشانیاں

عید وصل سرو قد سے ہیں مرے گھر شادیاں
عالم بالا سے آتی ہیں مبارک بادیاں

شاہ غلام قادری ''سامی''

ادا بندہ گرامی، عالی تلاش نامی- مورد کرامت الہی، مظہر قدرت نا متناہی- چراغ دودمان فقر و فنا، فروغ خاندان توکل و استغنا، ہماے اوج قناعت، طوطی بوستان فصاحت، مخترع قواعد ذو آئین، موجد قوانین دل نشین، روشن دل حق بین، طریقت پسند حق گزین، عارف آثار سبل، مقصد یاب صلح کل، که سخن رنگین در خدمت او دست بسته ایستاده، و غزالان مضامین تازه در دام الفاظ او از خواهش دل افتاده- از صغر سن طبع نقّاد، و ذهن وقّاد دارد- بهر علمے یا هنرے که توجه نمود، باندک فرصت حجاب از رخ شاهد مقصود کشود- در هر فن کامل عیار است، و مزاجش از همه چیز مبرا و نیز گرد تکلف اصلا پیرامون دامان حالش نگردیده، و سموم تکلیف در گلستان همیشه بهار او هرگز نه وزیده- وقتے که آن بزرگ در صوبهٔ برار تشریف داشت، فقیر مودّت نامه به تحریر آورد، و این دو بیت ریخته به 'سامی' خط قلمی نمود:-

شہر خجستہ بیچ ہمیشہ بہار ہے
ہر کوچہ و گلی میں دیکھو لالہ زار ہے

'سامی' گئے ہیں بھول جو یہ شہر' ظاہرا
اہل 'برار' سے اونے* صحبت برار ہے

الحال کہ در خجستہ بنیاد آمد' راقم سطور از ملاقات مستوفی خیلے سرمایۂ سرور اندوخت - و آن خلق مجسم ہم بکرات و مرّات رونق افزاے کلبۂ خاکسار شد - عزیزے باین حسن خلق و آشنا پرستی و کمالات' زمانۂ ناتوان بین کم دیدہ' حق تعالیٰ سلامت دارد - "قصۂ سرو و شمشاد" قریب ہفت ہزار بیت بزبان ریختہ موزون کردہ بود' در احبّاش نسخۂ مذکور صاف نشدہ بدزدی رفت' مگر چند اجزاے اول از جائے بدست افتاد' باز از سر نو در تصنیف تتمّہ سرگرم است' در نامہاے سوال و جواب سرو و شمشاد قیامت برپا کردہ' و پایۂ معنی تلاشی بہفتم فلک رسانده - درین نسخہ دل خواست' بقلم می آید' و قصۂ "طالب موہن" کہ بر غم "قصۂ لعل و گوہر" عارف الدین خان 'عاجز' گفتہ است' بسیار ملاحت دارد - لیکن "بسرو و شمشاد" نمی رسد —

جد 'سامی' میرزا فیض اللہ مشتہر بمیر ہدایت اللہ کہ در شیوۂ خوشنویسی نظیر نداشت' بداروغگی کتب خانہ و جواہر خانہ و خوشبوی خانۂ محمد اعظم شاہ' علم یکتائی افراشت - بعد رحلت اعظم شاہ ترک دنیا کردہ منصب فقر گزید - والد بزرگوار 'سامی' در عہد نواب مغفرت مآب بعلو پایہ تقرب و عطاے نہ صدی منصب محسود اقران بود کہ ناگاہ آن

---

* انہیں

انجذاب عشق حقیقی بطرف خود کشید و از اسباب دنیا ترک گزیده، مدتے مسند آرائے ارشاد بوده، بزیارت حرمین شریفین روانه گشت - در اثنائے راه بجهاز شربت شهادت چشید، دران زمان عمر سامی دوازده ساله بود که ترک خلائق و تجرید علائق اختیار کرده، به هیچ احدے از امرا التجا نیارد -

نامهٔ سرو که بجانب شمشاد نوشته این است :-

اُٹھ اے ساقی زمانہ ہوکے غرّا　　جدائی کا لکھوں پھر تجھ پر طغرا

مگر نامے سے کر اب ناز مے بات　　کہ ہے مکتوب ہی نصف الملاقات

ارے ساقی ارے اے یار ہمدم!　　زمانہ اب ہوا پھر تجھ پہ برہم

ہمیں اس وقت تیرے سات ہے کام　　کہ خط یار سے ہم کو پلا جام

نہیں عاشق کے طالع بیچ آرام　　کہ یکدم جس ستی برلاوے کچھ کام

ہے دشمن عشق بازوں کا جہاں سب　　سراسر یہ زمین و آسماں سب

فراق و حزن و غم سب مستعد ہیں　　ذرا قابو کے اوپر متحد ہیں

کہا مجرے سے یوں وہ میرا بے تاب　　کہ ہے جس کا جدائی سے جگر آب

کہ جب وہ سرو آزاد جدائی　　دیکھا شہ جعفری سے بیوفائی

لکھا غم نامہ اس دم یار کے تئیں　　بولایا الغرض دل دار کے تئیں

ورق تھا پردۂ دل اس کی خاطر　　بنایا پسلیوں سے خط مسطر

ہوا اتمام جب وہ نامۂ غم　　لپیٹا پردۂ سینہ میں اس دم

سویدا کی کیا تھا مہر اُس پر　　کہ کھودا تھا جو اُس میں نام دلبر

بولا کر آہ کا قاصد شتابی　　بھجایا اُس کو با صد اضطرابی

چلا اس باغ میں جب قاصد آہ　　دیا شمشاد کو وہ خط دل خواہ

دیکھی جس وقت اس نامے کو دلبر
رکھی تسکین دل کو اپنے دل پر

رگ شریاں کی انگلی ساتھہ کھولی
قیامت اُس پہ ھونا تھا سو ھو لی

لکھا تھا اس میں یوں مضمون بیتاب
جگر سے دل تلک تھا جوش سیماب

کہ اے شمشاد باغ بے قراری!
گل رنگیں، بہار غم گساری

پس از آداب شوق بے قراراں
کہ دست ھجر سیں ھیں اشک باراں

دو ابرو کو سلام اس قد خم سے
نگہ کو دیدہ بوسی چشم نم سے

دو لب سے بوسہ وو رخسار کے تئیں
مقدس مصحف دیدار کے تئیں

یہ بوسہ ھے وو وحشی دل کو آرام
نبوجھو اس کے تئیں بوسہ بہ پیغام

دعاے طول عمرک ھر سر مو
قدم بوسی سے بھیجی طرف گیسو

نیاز عشق ناز حسن کو ھے
طریق بندگی سب روبرو ھے

ھے تسلیمات دل آرام جان کو
سو معنی مو کمر نازک میاں کو

رکھا میں نے اُپر یہ گفتگو سب
کہ ھے یہاں آرزو اب عرض مطلب

ھمیں شکوہ فراق ھجر کا ھے
زمانے کا یہ خاصہ آشنا ھے

بیاں میں کیا کہوں یہ ھجر بیدیں
بہانے کو کہا ھے ناتواں ہیں

کہ آ سکتیں نہیں آرام ھر دم
غرض اس کا یہی ھے کام ھر دم

کہ حسن و عشق کے ھونے سے یک جا
پڑے آنکھوں میں اُس کے سنگ خارا

(... ... یک جا دیکھہ سکتا
کھرا کھوتا و لیکن دل پر کھتا

کہوں کیا تجکو اے شمشاد قامت
قیامت ھے! قیامت ھے! قیامت

جدائی سے ترے مجنوں ھوا دل
برنگ طفل دل پر خوں ھوا دل

ترے بن کیا کہوں اے مایۂ ناز
خوش آئیدہ نہیں بلبل کی آواز

اگرچہ تجھہ بنا میں باغ میں ھوں
سراپا لالہ مثل داغ میں ھوں

پلاتا ھے ھمیشہ مجکو لالہ
شراب غم سیں بھر خونیں پیالہ

سبھی گل یہاں تو نافرمان ھی ھیں
یہ چشمے نوح کا طوفان ھی ھیں

مرے دل پر چمن کے سب فوارے   ہر ایک قطرے سے ہیں رہزن انگارے

ترے بن باغ کی ساری عمارت   مجھے ہے مثل ناموزوں عبارت

نہیں مستی ذرا یہاں تاک کے بیچ   رہا ہے عیش کیا اب خاک کے بیچ

صراحی سرو کی خالی ہوی ہے   یہ قمری غم سے جل کالی ہوی ہے

نہ تنہا غم سیں میں مرتا ہوں کُڑکُڑ   گئے ہیں سرو کے بھی فاختہ اُڑ

جگر لالے کا غم سیں داغ ہیگا   برنگ شعلہ سارا باغ ہیگا

یہ نافرماں سیہ رو بن گئی ہے   بنفشہ جل کے کجلی بن گئی ہے

گلاب اِسدم ہوا ہے مثل صد برگ   برنگ زرد یعنے قابل مرگ

نہ دیکھے جو شب غم میں اُجالا   گل شبّو کے آنکھوں پر ہے جالا

ہوا ہے آشکارا، نہیں ہے پنہاں   بیاض دیدۂ نرگس سے یرقاں

خزاں سے جاں بلب جو ریوتی ہے   چنبیلی ساری قبریں سیوتی ہے

گلوں کا اُڑ گیا ہے سر بسر رنگ   رہی ہے عیش کی مردنگ ہو دنگ

دکھا آشوب کا از بس لکد کوب   گیا ہے قال غمگیں تال میں ڈوب

طنبورا سر گراں ہوکر گیا لت   نہایت ڈھول کا دکھتا ہے اب مت

ز بس دیپک سے دھڑکا دل کا کانون   جدا قانون عشرت سے ہے قانون

ہوا تیرے بنا غم کا جو ملہار   چلا ہے عیش کے ملہار ملہار

خوشی کا ہو اُڑا طاؤس سارنگ   لگے ملنے کف افسوس سارنگ

غم دوری کا آیا گاں سے یہ نت   کیا عشرت نگر سوزاں کا چوپٹ

جگر میں غم کے دیپک کی لگی آگ   خوشی کی پور(...) پورب گئی بھاگ

جہاں تک راگ تھے بیرنگ ہوگئے   خوشی و غم کے سُر سب ڈنگ ہوگئے

گئے سب راگ اڑاتا رہا ہے   غم ہجراں کا یہاں کاتا رہا ہے

ہجوم غم کا گلشن میں (...)   دو دامی چشم بلبل کی گئی پھٹ

(...) جیسا جوقد سرو خم ہے　　گلے میں قمریوں کے طرق غم ہے

غرض مرغ چمن کل داغ ہینگے　　(... ...) سب گل داغ ہینگے

ہوے ہیں بے تامل سربسر گل　　مشوّش شمع و گل، پروانہ، بلبل،

خصوصاً میں ہوں اپنے حال پر دنگ　　کہ ہے مجھ پرزمیں تنگ، آسماں تنگ

کہوں کیا یہ دل تنگ ستم گار　　کیا ہے زندگی سے مجکو بیزار

نہ جنگل میں مجھے ہے طاقت وتاب　　نہ گلشن میں مرے رہنے کا اسباب

جنگل میں خاک اُڑتی ہے کہیں کیا　　چمن میں آگ جلتی ہے کہیں کیا

نہیں کوئی انیس و یارو ہمدم　　نہیں کوئی رفیق و مونس غم

جسے دیکھا سو وو قابو کا ہے یار　　جسے دیکھا سو عبدالغرض مکّار

خدا جانے کہاں ہے یار جانی　　کہ تا ہووے اُنہوں سے بد گمانی

یہ ایذا ہے زمان مثل زمانہ　　عداوت کو ہیں جو یا ہے بہانہ

زبس اُن کے سرشتوں میں وفا نہیں　　بنا حق یک ذرا میں آشنا نہیں

کہوں میں جعفر شہ کو کیا کیا　　یہ مال و ملک سے اُس کے لیا کیا

کیا میں اُس کے حق میں کیا برائی　　جو مجھ سے یوں کیا ہے بیوفائی

نہیں آشفتۂ تخت و تاج کاہوں　　نہیں مشتاق اُس کے راج کاہوں

مرے ملکوں میں میرا نام ہیگا　　مجھے اس ملک سے کیا کام ہیگا (؟)

ولیکن واسطے تیرے اے دلدار　　یہاں آیا ہوں، بے طاقت ہوں، ناچار

مجھے تجھ عشق کا جو راج ہیگا　　زمیں تخت اوروں کو لا تاج ہیگا

زبس تجھ عشق کا میں رہنما ہوں　　جہاں ہوں وہاں شہ ملک وفا ہوں

تری خاطر سہی ساری جفائیں　　اگر ہیں تجھ میں کچھ طرز وفائیں

تو جلدی سے مرے نزدیک آجا　　کہ پاوے راحت دل جان شیدا

وگر آتا نہیں تو صاف لکھو　　ولیکن کرکے کچھ انصاف لکھو

پڑھے جو سر بسر سارا یہ مضمون ہوا تب بیقرای سے جگر خون

نامۂ شہشاہ کہ در جواب نامۂ سر و نوشتہ

سنا ہے خال کے مژگاں کا خامہ پکڑ کر یوں لکھے تب شوق نامہ
ورق پر پردۂ دیدہ کے بے تاب جدا آنکھوں سے گر کر پردۂ خواب
کہ اے سرو گلستان محبت بہار محنت و جان محبت
پس از عرض نیاز بے قراری طریق بندگی و جاں سپا ری
دو ابرو کا سلام اُس قد خم کو نگہ کی دیدہ بوسی چشم نم کو
عقیق لب سے ہمدوشی کو بوسہ بغل گیری ' ہم آغوشی کو بوسہ
دعاے "مدّ عمرک" آہ کے تئیں مصافحہ ہے غم ناگاہ کے تئیں
فراق وہجر کو تسلیم 'جاں' ہے کہ خانہ وصل کا غم آشنا (؟) ہے
بعد از اشتیاق ازحد افزوں بیان وجہ اشک جگر خوں
کہ میں ہوں سہر بند خانۂ غم بنی ہوں خلق میں افسانۂ غم
میں وہ بلبل ہوں جو اِس فصل کے بیچ
پڑے ہجری میں عین وصل کے بیچ
(...... ... .) یہ صحرا ننگ ہے تسپر قفس تنگ
خزاں اب ہجر کی پھر کہاں سے آئے کہ گلشن فصل گل پل میں لٹائے
خوشی کاں ہے ہمارے نہیں چمن کی کہ نہیں ہیگی خبر اپنے بدن کی
لگی ہے آگ گلشن کے گلوں کو جلا اٹھے خانداں نے بلبلوں کو
ہمیں کیا جاؤ چل کر باغ وبستاں کہ ہے کنج قفس ہم کو گلستاں
طبیبوں کو عبث دیتے ہو آزار سنے ہیں ہم غم ہجراں کے بیمار
عجب کچھ ہجر کا ہے اے خدا مرض میرے ہر عضو کو ہیگا جدا مرض
جدائی سے ترے اے سرو یکتا ہے سودا میرے ہر مو سوں ہویدا

یہ سودا میرے ہریک موسے دیکھو　　پریشانی دل گیسو سے دیکھو

ہوئیں کاکل جو ہریکدم پریشاں　　نظر میں میرے ہے عالم پریشاں

شکست طرّۂ گیسو نہ پوچھو　　شکنجے یار ہر یک مو نہ پوچھو

دو ابرو یار سے قم پشت خم ہے　　بلاد گور بستی یہاں علم ہے

زبس ہیں روز وشب مشتاق دیدار　　یہ دو مخمور ہیں گوشے میں بیمار

دو مژگاں ملتے ہینگے دست افسوس　　کہ دل میں چشم بیماری کو مت سوس

رخ گل گوں پوہے صفرا کی زردی　　وو آگو آہ کی ملتی ہے سردی

حرارت سے مرے دولب ہیں خونی　　عیاں ہے اس سے یہ آتش درونی

مجھے ہے یہاں تلک ضعف نزاکت　　نسیم تند کی بھی نہیں ہے طاقت

نزاکت کا لگا اس قدر تیشہ　　کہ مخمل کا بوی اب چبھتا ہے ریشہ

دہن ہے ناتوانی سات معدوم　　کمر ہے ضعف سے یک شکل موہوم

اثر یہاں تک کرے ہے ناتوانی　　نگاہ گرم سے ہوتا ہوں پانی

زبس ہر آن ہی مجکو ادا سے　　ہریکدم ہے مرے تئیں بار جفا سے (؟)

مری جب آہ کا اٹھتا ہے گھنگور　　اُڑاتا ہے دھاں سے بھاگ جیوں چور

پلک آنسو سے سرسا روکتی ہے　　پکارے مرر کویل کوکتی ہے

ندی آنسوں کی بہہ در در پکارے　　تو بھڑکے تھیتری جیھنگر چنگھارے

ہوے رونے کا جب میرے پکارا　　بجے ساون کے آنے کا نقارا

یہ بادل آہ کے اُمڈیں جہاں پر　　گھاکارا (؟) چھپیں سب آسماں پر

یہ ساون اشک کی جھڑیاں لگاویں　　تو تک رونے کا ہم ملہار گاویں

مرے آنسو ہیں ساون کے ترورے　　اُمنڈ آتے ہیں برسا کر دڑوڑے

یہ بادل دیکھیں جو برساون آیا　　کہیں چل اب بھمیری ساون آیا

مرے رونے کا بہادونگا جو بادل　　گرجنے کو لگے جس دم ہو بے کل

یہ بادل دیدۂ برسات برسے — کوک کر بوجھلی برسات برسے
نہیں برسات بچھڑے جو پیارے — کنوار آنکھوں سے روتا ہے ہمارے
ہماری آہ کی سردی سے کا تک — ... ؟ آشکارا ہوے کا تک
چراغاں آہ کے ہر دم لگاویں — دوالی کی یہ عشرت اُس میں پاویں
اگھن ہیگا ہمارا یہ دم سرد — بنے صورت خزاں کی یہ گل زرد
نہ دیکھو آہ مجھ مایوس کی شکل — بنی سردی دل سے پوس کی شکل
دساں سے کھینچ کر یہ سردی ماہ — بنے ہیں ماہ بن ہم صورت کاہ
ہمارے زمہریر آہ کی یخ — دکھاتے خلق میں سردی دوزخ
جو پھاگن برہ کا بھکوا مچاوے — تو آہ گرم سے ہولی جلاوے
بسنتی پوش خون دل ہوے ہم — تڑپ کر ہجر کے بسمل ہوے ہم
برہ کے دامن دل کو لگا آگ — جلا ہولی لگے ہم کھیلنے پھاگ
یہ میرا رسم ہے ہولی مشہور — کہ ڈالے خاک سر پر ہوویں سرور
جگر کی آگ میں ہولی جلاویں — بہار عیش کو ہم غم میں پاویں
ہمارا دیکھ کر سامان ہولی — اُٹھاتے شور کر طوفان ہولی
چمن میں فاختہ نے لی ہے سر آگ — جنگل میں ٹیسووں کے تئیں لگی آگ

ادھر سے باد لیتی ہے ٹکورے — اُدھر سے جھاڑ کھاتے ہیں جھکورے
شہاب آنسو، نین پچکاریاں ہیں — جہاں میں ان ستی خوں باریاں ہیں
ہماری ہولیوں کی ہے عجب دھوم — کہ برسے اشک رونے کی گھٹا جھوم

عبیر خاک ہم ملتے ہیں منھ پر — بنے پچکاریاں یہ دیدۂ تر
کہاں ہولی کدھر کی بات بولوں — میں اپنے غم کو کس کے سات بولوں
مہینا چیت کا ہم دل جلوں کو — کیا ہیگا خرابی بیا چکوں کو(؟)
بگولے غم کے اڑتے ہیں ہر ایک طرف — بدامنہ دامن صحرا بہ یک طرف
اگن بیساکھ کی ہے کیا قیامت — کہ ہے اس میں جدائی کی علامت

سراجی جل گیا ہے اس اگن میں — رہی نہیں ہائے طاقت جان و تن میں

جہاں میں تجھ سے ہے بیساگ ظاہر — دھولارا آہ کا دیکھو سرا سر

غضب ہے یہ مہینا جیٹھ کا ہائے — دل عشاق میں آتش کو سلگائے

سرا جب باورا دل ہووے ہے گرم — تو اُس دم جیٹھ کو بھی آوے ہے شرم

اگن مجھ باورے دل کی ہے کچھ اور — نہ تنہا جیٹھ دوزخ پر گرے چور

کہوں میں کس سے اپنا حال یا رب — مرے پر ہے جو کچھ جنجال یا رب

میں اپنے بخت برہم سے اسی دم — کروں ہوں یہ محبت نامۂ غم

نہال خشک کو تھا آب باراں — دیا تھا بیخودوں کو راحت جاں

دیا تھا شعلۂ ہجراں کہیں آب — دیا تھا دل کی بیتابی کا اسباب

کہ یک دم دل نے پایا کچھ تو راحت — ہوا تازہ دلی داغ جراحت

اُٹھا یا جوش یہ جب عشق نیرنگ — گرا پتھر کے اوپر شیشۂ رنگ

اٹھے ہیں پردۂ ناموس کو چیر — حیا کی تھی ولے پاؤں میں زنجیر

اُلجھ کر پاؤں میں مجکو گرائی — گری ایسی کہ پھر سر نا اُٹھائی

کری کیا اُن نے مجھ سے دشمنی آج — حیا اور شرم کا گھر ہووے تاراج

جہاں ہے عشق وہاں شرم و حیا نہیں — نگاہ دور بیں، عقل رسا نہیں

ولے میری یہ عقل بے حیا خو — ہوی اس وقت میں شرم و حیا جو

ہزاروں بار عشق اُس کوں بھگایا — ولیکن بے حیا ایسی نہ پایا

کہ پھر منصوبے سیں ہوتے ہیں قائم — ہمیشہ اُس کا یہ ہے کام دائم

مری اب عقل عقل عشق بن گئی — سدا ہے اُس کے تئیں اور آب میں کئی؟

تمھیں کہتے (؟) عقل عشق یہ بات — کرو تم کام اب منصوبے کے سات

ملو اول تو سلطان جعفری سے — محبت سے یا صلح زرگری سے

پھر اس کے بعد اس سے لے کے رخصت — چلیں گے مل کے ہم تم با فراغت

گر ہوتی ہوں میں رخصت طلبگار — تو میرے سے وہ یوں کہتا ہے ناچار

دریغا یہ زمانہ کیا برا ہے　　مرا فرزند بھی مجھ سے جدا ہے

ہوئی تو سرو کی آخر اے شمشاد　　ہماری کچھ بھی الفت ہے تجھے یاد

اگر بے رخصت اُس کے یہاں سے جاؤں　　تو پھر اس خلق کو کیا منہ دیکھاؤں

یقیں بہتر ہے اول اُس سے ملنا　　پھر اُس کے بعد رخصت ہو کے چلنا

یہ مضموں جب ہوا اتمام سارا　　لکھی آغاز اور انجام سارا

ہوا اتمام جب یہ شوق نامہ　　رہا خاموش تب لکھنے سے خامہ

لپیٹی زلف کے مانند یک سر　　کری تب مردمک کی مہر اُس پر

اُسے قاصد کے تئیں سونپی یہ مکتوب　　چلا وہ آنکھ سے کر اُس کو منصوب

قدم آنکھوں سے کر جلدی سے آیا　　یہ نامہ سرو کے نزدیک لایا

لیا تب سر و آنکھوں کو لگا کر　　کیا اُس پر نثار آنسو کے گوہر

پلک کی انگلیوں سے اُس کو کھولا　　گُہر آنسو کے رو اُس کے پہ رولا

پڑھا مضمون جب اُس کا ہوا دنگ　　کہ یارب اس طرح کیا ہو گیا رنگ

لکھا تھا میں نے اُس کے تئیں کہ آوے　　نہ چاہا تھا کہ یہ قصہ سناوے

اُٹھی چاروں طرف سے باغ میں دھوم　　کہ ہے کس واسطے یہاں سرو مغموم

ادھر سے غیرت عشق ستمگار　　خدنگ پر نہیب بحر خونخوار

دیکھایا اس طرح سے بیقراری　　کہ کاں تک حسن سے کرتا ہے زاری

تم اس دم بے محابا بے مدارا　　کرو کچھ جذبۂ عشق آشکارا

ہوا جب اس طرح کا نامہ طیار　　بولایا جلد پیک شعلہ رفتار

دیا نامہ زباں سے ہو کے گل ریز　　کہ دے شمشاد کو یہ آتش تیز

ہوا اس خط کو لے جب پیک راہی　　بنا برق اور اُڑا مثل ہوائی

ادھر سے سرو پیشانی میں پرویں　　مرصع کا رکھا شبدیز پر زیں

جبیں سے اُس کے غصہ موج مارے　　نگہ خونی ھندسی کی فوج مارے

چلا وھاں سے و لیکن سر و بیتاب   جگر پرآتش و دو چشم پرآب

لیا یہ راہ ملک نا مرادی   کہ وھاں مجنوں کی گم ھوگئی ھے وادی

ولے قاصد نے جسدم خط دلدار   دیا اور یوں کہا رخصت ھے اے یار

سنے شمشاد جل کر ھوے انگارا   اُڑا دل جیوں ... ؟ کا سارا

دل نا شاد سے اس خط کو کھولی   گُھر آنسو کے وھاں بھر پور رولی

لکھا تھا سرو نے اس ... شمشاد   کہ اے شمشاد تجکو آفریں باد

کدھر گئی وو محبت کی صفائی   کدھر گئے وہ طریق آشنائی

کدھر گئیں ھاے وو الفت کی باتیں   کدھر گئے ھاے وو شیریں نکاتیں

کدھر گئی وو نگاہ الفت آمیز   کدھر گئی وو نگاہ فرحت انگیز

کدھر گئی وو وفا کی بات افسوس   کہ کرتے تھے ھمارے سات افسوس

یہ معشوقوں کی طرز بیوفائی   کر بس قطع امید آشنائی

جگر ان بیوفاؤں سے جلا ھے   نہایت درد غم سے تلملا ھے

(... ... ...)   نگاہ سحر سے جادو کری گر

جب آیا دام میں یہ دل کا آھو   تو تب کرتے ھیں اسدم فکر قابو

تو پھر اُن کی نظر میں مہل نہیں ھے   کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں ھے

خصوصاً عورتوں کی کج ادائی   کہ ھے مشہور اُن کی بیوفائی

ذرا اُن کے سرشتوں میں وفا نہیں؟   کوئی اُن کی طرح نا آشنا نہیں

جو عورت ناقص العقل وو نہیں ھے؟   فتور ان سے جہاں میں با لیقیں ھے

گیا سر پھوڑ کر فرھاد اس سے   ھوے بہتوں کے جی برباد اس سے

جو دیکھی عورتوں کی ھم نے یہ بات   اُٹھائے صحبتوں سے اُن کے ھم ہات

اگر تم ھو تو تم بھی بیوفا ھو   محبت کے سخن میں نا رسا ھو

تمھاری ھم نے الفت خوب دیکھی   محبت میں نیت معیوب دیکھی

اگر ہے حسن بے پروا طبیعت
ہے بے پروائی اُس کی خاص طینت

نہ بھولو صورت زیبا کے اوپر
نہ بھولو حسن بے پروا کے اوپر

ہے یہاں بے غیرت عشق جفا کار
خزاں کے تئیں نہیں پروائے گلزار

تم اپنے حسن پر مغرور مت ہو
وفا کی راہ سیں یوں دور مت ہو

سدا ایام میں حقیقت سب تمہیں صاف
کرو انصاف تو ہے عین الطاف

وگر تم میں بھی یہ رسم جفا ہے
سلامت رہو ہمارا بھی خدا ہے

کئے ہم اب سلام رخصتانہ
نگاہ واپسین کا نہیں بہانہ

اُٹھا بلبل کو اور گل کا اُٹھایت
ہوئے ہم مثل گل گلشن سے رخصت

این چند گوهر آبدار از درج افکار "سامي" است : —

نیناں کے طور غم میں ترے . ہم بھی روئے ہیں
آنسو یہ ایک تار میں موتی پروئے ہیں
پلکوں کو بحر اشک سے کچھ فائدہ نہیں
مرغ آبیوں کے پر کہو کس نے بھگوئے ہیں
دل کے چمن میں - داغ ہوئے ہیں ہزار گل
ہم نے بھی اپنے باغ میں لالہ کو بوئے ہیں
تو سن گلگوں گلستان میں پھر آتی ہے بہار
کس تجمل اور نزاکت سات آتی ہے بہار
عندلیبوں کی دعا کئی دن میں اب ہوئی مستجاب
خون سے ان کے ہر یک گل کوں نہلاتی ہے بہار
غور کر دیکھو چمن میں نہیں ہے گل مہندی کا جوش
یہ حنا گلشن کے ہاتوں کو لگاتی ہے بہار
دیکھ رتبہ تو شہید عشق کا ' ہر سال میں
سبز چادر قبر مجنوں پر چڑھاتی ہے بہار

سرو جب تقلید قد یار کی تا ہے تب
ہنستے ہیں گل اور اُس پر مسکراتی ہے بہار
گر نہیں ہے سرو دیوانہ تو موج آب سے
پاؤں میں کیوں اُس کے زنجیریں پنہاتی ہے بہار
گل پہ شبنم نہیں ہے یہ گلگوں قبا کے واسطے
تکمۂ یاقوت پر موتی جماتی ہے بہار
آخرش وو ہی خزاں اور ووہی نالاں عندلیب
کیا ہوا دو دن اگر گل کو ہنساتی ہے بہار
لالہ نہیں ہے باغ میں، اُس یارنافرماں کودیکھہ
کھول سینہ داغ دل اپنا دکھا تی ہے بہار
تھیرتے نہیں شعلۂ گل کے اُوپر ، ہیں بیقرار
بلبلوں کے پاؤں کو شاید جلاتی ہے بہار
جب چمن میں وو مرا گل پیرہن کرتا ہے سیر
آنکھہ کے تئیں اُس کے نرگس نظر لاتی ہے بہار
میرے نافرمان لالے کو چمن میں دیکھہ کر
پوست میں اپنے یہ پھولی نہیں سماتی ہے بہار
گلبدن ، نسریں قبا ، نرگس نین ، کاہے کہ اب
میرے سے اُس کی بنا کیا صفت جاتی ہے بہار
اس بسنتی پوش کے آنے کے بیچ ......
کیا گلال و رنگ تیسو کو اُڑاتی ہے بہا
'سامی' اس موسم میں اب مانند مظہر لاعلاج
" ہم کئے ہیں توبہ اوردھوم میں مچاتی ہے بہار "

ہے خبر گلشن میں اب تشریف لاوے گی بہار
بلبلوں کے تئیں رلا گل، کو ہنساوے گی بہار
دم غنیمت ہے ارے گل دیکھ لے دو دن کے بعد
جس طرح رنگ حنا، ہاتوں سے جاوے گی بہار

باغباں! ہم سے تو کیوں دلگیر ہوتا ہے عبث
ہم نہ آتے، کیا کریں ہم کو بلاتی ہے بہار
ہے سخن سرسبز ان کا عندلیبوں پر مدام
طوطیوں کو آرسی شاید دکھاتی ہے بہار
کرکے روشن تختۂ گل کے چراغاں باغ میں
بلبلوں کو روز پروانے بناتی ہے بہار
یار اس موسم میں نہیں، اس واسطے جاتا ہے جی
دشمن جانی ہماری کاں سے آئی ہے بہار
سبزۂ و گل اور نافرماں سے اے 'سامی' تمام
فرش بوقلموں زمیں پر کیا بچھاتی ہے بہار

عندلیبوں کا چمن سے دل اُچٹ جاوے تمام
آج دیکھیں گر ہماری شعر خوانی کی بہار
وقت پیری میں فلاطوں نے کہا 'سامی' سے یوں
سب سے بہتر ہم نے دیکھی ہے جوانی کی بہار

بلبلوں کا دل چمن میں کس طرح سے جا لگے
یہاں کے لڑکوں کے بغل میں ہے گلستاں کی بہار

مو پریشاں اُڑے ہیں آنکھ اوپر — خوب مجھ سے پھسے ہے چالوں میں
آرسی دیکھ کر بھی کہتی ہے — خوب روئی ہے تیرے گالوں میں

دیکھہ وو خال گال پر سامی، خوب ہے اتفاق خالوں میں

دوا ہے رام کی دم نہیں ہوا آھو نین جب سے
مری وحشت کے زخم دل کو سیتا ہو کے سیتا ہے
ہوے ہیں سرخ رو معشوق رنگ زرد عاشق سے
عنادل کا لہو گلشن میں شاید گل ہی پیتا ہے
چکارا تھا رقیب من ہرن کے یہاں نہ آنے میں
سکوں سے اپنا ماتا ہے پھر اب کیا دل میں جیتا ہے

جو قدرداں ہیں سو کہتے ہیں تو غنیمت ہے
تمھارے نزد اگرچہ ہوں بے وقاروں میں
صنم کی جلد سواری ہے مرکب رہوار
اے آہ خوب تو پہنچی جلیب داروں میں
یہ بلبلوں کو تو کانٹوں میں کیوں لٹاتا ہے
اے باغباں نہ پرو گل کو آج ہاروں میں

توں آپ میرے حال پہ کر رحم ورنہ اب
کاں ایسے اہل دل ہیں جو میری خبر کریں
اے گل تو جان صحبت بلبل کو مغتنم
ہے خوشنما چمن میں جو یہ شور و شر کریں

اگرچہ سروقد مصرع یہ تیری فکر عالی ہے
ہماری آہ کے قطعے میں بھی مضمون خالی ہے
پریشاں صورت و معنی میں ہے بحر طویل زلف
برنگ موج بیچا بیچ بحر پرتگالی ہے

ترا پنجه مخمس هے یه دیوان حنائی کا
سخن تیرے دهاں کا هم کو تو نظم زلالی هے
توں ان افراد انسانی میں موزوں فرد هے از بس
ترے ابرو کا مصرع بهت دیوان هلالی هے
قصیدہ هجر کا، تشبیب غم میں، کاں تلک بولوں،
مجهے ترجیع بند یار سے شیریں مقالی هے
همارے مستزاد شوق کا شعله هے یاں تک، گرم
شرار باغ، ابراهیم کے گلشن کا مالی هے
رباعی چار ابرو حسن کی خوش خط کیا قادر
که اسکو دیکهکر دلبر نے اب کچهه سده سنبهالی هے
هوا هے رنگ کاهی، سبز مژگاں، اشک کا بارش
سجن مجهه طرف تجنیس هوائے برشگالی هے
رم وحشی غزالاں کو بهی اس بیت الغزل میں اب
قسم مجنوں کی، کیا پابندی و الفت سگالی هے
عبارت ریختہ کی یا هے خاتم بند کام اس کا
مرے اس ریختے کی طرح گرچه لا اُبالی هے

پهنچے کسو طرح خبر اُس گل کے کان میں
بهیجا هوں وقت صبح کتابت صبا کے هات
آساں نهیں هے یار کے پابوس کا خیال
اے دل اگر یه عزم هے پس جا حنا کے سات
مجهکو جلا کے خاک کرو سرمه کی مثال
شاید لگاوے آنکهه میں وہ توتیا کے سات

موے محبوب کے طرّے کے سودے بیچ پیچاں ہو
اُدھر مجنوں تڑپتا ہے' اِدھر لیلیٰ ترستی ہے

حقیقت اس دل بریاں کی سن اور چشم گریاں کی
اِدھر پانی برستا ہے' اُدھر آتش برستی ہے

کہو یہ صید دل آ کر پھسا ہے سو کہاں جاوے
ادھر خنجر پلک مارے' ادھر تو زلف کستی ہے

ارے قاصد! مجھے کر ذبح یا ہمراہ توں لے چل
کہ میں ہجراں میں یہاں مرتا ہوں وہاں مکتوب جاتا ہے

مرے دیوانے دل کو دیکھ 'سامی' کہتے ہیں طفلاں
یہ کیفی خوب جاتا ہے' یہ شہدا خوب جاتا ہے'

سنا میں سرو کے سایے میں گل پر رمز مرغاں کو
سوال فاختہ کو کو' جواب قمریاں ہو ہو

کیوں نہ ہوئے دیوانگی کا جوش حیرت سے مجھے
میں دوانہ اور گلے میں یار کے زنجیر زلف

چمن میں اس صنوبر قد کے بن 'سامی' کے رونے سے
کیا گل نے گریباں چاک' بلبل توں بھی ماتم کر

مطابق گر تری تدبیر کے تقدیر ہو جاوے
تو کیا اس شیشۂ دل میں پری تسخیر ہو جاوے

مرید اس سلسے کا زلف کے ہووے اگر سنبل
بجا ہے دیکھ شجروں میں گلوں کا پیر ہو جاوے

مرے دیوانۂ دل کی کروں گر وصف کو انشا
قلم سیتی جو نکلے حرف سو زنجیر ہو جاوے

ارے اے بے قرار و شعلۂ خم میں مہوّس بن
جلاؤ دل کے تئیں شاید کبھی اکسیر ہو جاوے
مصوّر کھینچے گر تجھ سات میری شکل اے قاتل
عجب نہیں ہات میرا وہاں بھی دامن گیر ہوجاوے

چاہ ذقن کو دیکھ مرا دل گیا تھا ڈوب
زلفوں نے تیری کس کے اُسے کھا سنبھا لیا ں
نہیں ساحر آنکھیں تیری تو پل مارنے میں کیوں
اس طفل دل کو کر کے اشارہ بلا لیا ں
نہیں عرض پہنچتی ہے کبوتر نے کیا کرے
ہو کر نڈار گھر کے، بجا تا ہے تا لیاں

نہیں چراغاں قبر مجنوں پر چلو تم دیکھ لو
آتش دل سے ہمارے سب بیا باں جل گیا
فاختہ یک آن بیٹھا سرو پر مجھ آہ کے
جامہ خاکستر ہوا، طوق گریباں جل گیا
"بشنو از نے چوں حکایت میکند" اے مولوی
عشق کے آتش ستی سارا نیستاں جل گیا

عاشق ہو ہمیں اے دل بد نام نہ کرنا تھا
کیا کام کیا توں نے یہ کام نہ کرنا تھا

تعبیر میری غیر خموشی نہیں ہے کچھ
وہ خواب ہوں کہ خاطر دل سے رمیدہ ہوں
'سامی' نہ پوچھ حال کو میرے خموش رہ
القصہ ہوں سو ہوں، غرض الفت رسیدہ ہوں

بسملوں کے رقص پر تجھکو عجب شادی ہوئی
ہم سے کہتا ہے عبث قاتل کہ بیدادی ہوئی
شور کوکو کر رہی ہے پہنکر خاکی لباس
فاختہ! کہہ باغ میں کس پر تو فریادي ہوئی

طفل مجھہ اشک کا جس وقت میں گریاں اٹھے
حشر بر پا ہووے اور نوح کا طوفاں اُٹھے

اگر وہ ماہ رو اب ان دنوں میں کم نما ہے گا
یہ آخر چاند ہے ' فرہ بتانے پر رہا ہے گا
مرے دیوانے دل کو باندہ کر زنجیر گیسو میں
مکرتے ہو کہ یہ مدت سے آپی مبتلا ہے گا
یہ دل گر پھر گیا کافر بتوں کی آشنائی سے
ارے ' سامی ' تجھے کیا فکر تیرا بھی خدا ہے گا

سنبل ہرا اور ' کالا ہو کیا سچ ' کہتا ہے شبّو سے یوں درد اپنا
چھوٹتی ہیں لہریں ' دیکھا ہوں جب سے زلفوں کا تیرے میں ناگ کالا
تیری جدائی میں روتا ہے ' سامی ' سو آنسو نہیں ہیں گے آنکھوں میں اس کی
جپتے ہیں دن رات آنکھوں کی مردم پلکوں کی انگلی سے موتی کے مالا

سیر دریا کا اگر عزم ہے دیکھو آکر
چشم گریاں میں مرے نوح کا طوفاں یہاں ہے
اے سکندر تو عبث ظلم میں ظلمت کے نہ جا
یار کا دیکھہ دہن چشمۂ حیواں یہاں ہے
کیوں نہ یوسف رہے خوش چاہ میں تجھہ دلبر کے
چاہ کنعاں تو نہیں چاہ زنخداں یہاں ہے

دیکھو دلبر کو اگر باغ کا ھے دل میں عزم
سنبل و سرو و گل و غنچۂ خنداں یہاں ھے
'سامی' اب خوف نہ کر زلف کی گر ھے شب تار
چہرۂ یار ستی شمع شبستاں یہاں ھے

دل دیکھہ تیری چشم تئیں مبتلا ھوا اے شوخ چشم آنکھہ کا جادو بلا ھوا
جوے فرات خون شہیدوں سے بہ چلی میدان تجھہ گلی کا عجب کربلا ھوا

خوب لگتی ھے زلف میں کنگھی کن کھجورا پھسا ھے ماروں میں
شکر للہ کہ یوں کہا صیاد ایک "سامی" بھی ھے شکاروں میں

کاں تک کوئی فراق میں تیرے جیا کرے
یہ تلملا کے تیرے بنا جی دیا کرے
کھا وے کہاں تلک کہو غم کی غذا یہ دل
پانی کی جاے گھونٹ لہو کے پیا کرے
قربان ھوں میں نام پہ اُس کے ھزار بار
جو کوئی تیرے نام کو ھر دم لیا کرے
دل میرا بے ادب ھے پن اب اس کو کیا کروں
تیرا نہ لیوے نام تو پھر کیا کیا کرے
برسیں ھیں میری آنکھوں سے ساون کی سی جھڑی
جس وقت میں یہ پاپی پپیھا پیا کرے
دل کو حوالے زلف کی ناگن کے کر دیا
'سامی' بغیر کون یہ ایسا ھیا کرے

مخمس

جس وقت تم جمال کو اپنے دکھائے ھو
زلفوں کے دام میں دل وحشی پھسائے ھو
ھجراں کی اور وصل کی الفت چکھائے ھو

مانند ابر و برق همیں زور بائے ہو
ہم کو کبھی رولائیے کبھی تو ہنسائے ہو

ثابت ہیں ہم، جفا سے نہیں ہمکو اضطراب
اس دفتر جنوں کا کہاں تک کریں حساب
کیا کیا تمھاری زلف کے سہتے ہیں پیچ و تاب
گہ غمزہ، گاہ عشوہ، کبھی ناز، گہ عتاب
کئی کئی طرح سے تم نے ہمیں آزمائے ہو

آباد شہر دل تھا سو ویراں ہوا تمام
دل بستگی میں صرف ہے آوارہ گی سے کام
آرام جمعیت کا گئے بھول ہم نے نام
یارب تمھاری زلف پریشاں رہے مدام
جس طور تم نے ہم کو پریشاں بنائے ہو

کس نے روا رکھا ہے بتادو جفا کے تئیں
بے دل کیا ہے جس نے عزیز آشنا کے تئیں
دیکھو بری لگیں گی یہ باتیں خدا کے تئیں
بدنام کرتے ہوگے عبث تم حنا کے تئیں
میرے لہو سے ہاتھ کو مہندی لگائے ہو

ترچھی نگاہ ہم نے تمھاری پچھانیاں
نادان ہو کے باتیں کرو مت سیانیاں
عاشق کے حق میں خوب نہیں بدگمانیاں
ہم پائے ہیں تمھارے لبوں سے نشانیاں
یعنی ہمارے قتل پہ بیڑا اُٹھائے ہو

سنیو یہ گوش دل سے نصیحت عجیب تم
درد دلوں سے خلق کے ہو بے نصیب تم
کس طور سے بنو گے جہاں میں غریب تم
شاید ملے ہو اپنے سگوں سے رقیب تم
دل دار کی گلی میں یہ غوغا مچائے ہو

لاگے سے آنکھہ دل نے خرابی زیست کیا
دریائے غم کی لہر نیں آغوش میں لے لیا
'سامی' کی بات ہے یہی تو جاں لے چلا
طوفان گر بتاں ہیں لگا کر یہ تو تیا
جب سے کہ تم نے آنکھوں کو سرمہ لگائے ہو

میر محمد، "سعید" سعید تخلص

ریختہ را هموارمی گوید و تا حالت این تحریر به همین گلزمین بسرمی برد. با فقیر اخلاص می دارد. یک ملاقات سرسری در اثنای راه دست داده بود، مرد سخن فهم و منصف دریافته شد - حق تعالیٰ سلامت دارد - این نمونۀ افکار اوست :—

کوئی دھن کا ترے عاشق ہے کوئی زلفوں کا
کوئی دل جمع یہاں ، کوئی پریشان یہاں ہے

مرا دل مبتلا ہے ان دنوں میں سریجن پر فدا ہے ان دنوں میں

جب ستی وو عین مردم مردموں سے دور ہے
مجھہ کو آنکھوں کی قسم نور بصر جاتا رہا



باب العین

خواجه برهان‌الدین 'عاصی'

شاعر و مورّخ عدیم‌المثل بود، در شمشیر شناسی دستے داشت، و فکر ریختہ بنہایت شستگی و رفتگی می نمود -
این دو سه گل از چمنستانش میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان می چیند :—

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمّل تھا
ہزاروں بلبلوں کی بھیڑ * تھی اور شور تھا، غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا، وہاں گل تھا،

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہ گیا

شاہ عزیزاللہ 'عزیز'

عزیز مصر نازک خیالی است † —

ڈرتا نہیں ہوں نوک کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھہ تری ہل گیا ہوں میں
کان نمک ہوا ہوں ترا حسن سبز دیکھہ
لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

* (ن۰) فوج † تذکرۂ گردیزی —

معتبر خان ''عمر'' * تخلص

از تربیت کردہ ہاے ' ولی ' دکنی است ۔ مقال مسیحا خصالش در مردہ دلان روح تازہ از معانی رنگین می دمد ' و طبع خضر مثالش سکندر طالعان را آب حیات سخن شیرین می بخشد —

مست وو ھے کہ روز محشر میں | اُٹھ کے پوچھے یہ غلغلہ کیا ھے
گر تمہیں میرے صید کے قابل | تل بنانے کا مدّعا کیا ھے

این ابیات از هر دو تذکرہ ماخوذ شد :—

اُتری رونے سے مرے ابرو کماں کی بھوں سے چلہ
کس طرح ٹھیرے کماں اس بارش و برسات میں

اپنی آنکھوں اُپر نگاہ کرو | آج مخمور ھیں پیا کیا ھی

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو | کیا اسیروں کو مار ڈالو گے
ایک رسوا بہت ھے ' شہرے کو | جمع کر کیا اچار ڈالو گے

تل میں دل لے کے یوں مکرتے هو | کہ گویا اِن تلوں میں تیل نہیں

مجھے زلفیں دکھانا کیا سبب تھا' میں نہیں پوچھا
اُلجھنا اُس میں دل کا وقت شب تھا' میں نہیں پوچھا

باغ میں صر صر سے ھوتی ھے خزاں آخر گو دیکھ
عاقبت عاشق کی آہ اے گلبدن بر یاد نہیں

سیتا رام '' عمدہ '' تخلص

عمدۂ رنگین مقالان وسر آمد نازک خیالان است - مضامین فکر سوزومعانی دل فروز بسیار دارد' و مشاطۂ تقدیر شاهد

---

* (ن) تذکرۂ گردیزی —۔

هستیش را در جلوه گاه کشمیر جنّت نظیر محل فرسود، و ناخن فکر رسایش هزاران گره مضامین تازه و معانی دلچسپ در تتبّع 'یقین' بکشود - در تذکرۂ فتح علی خان این اشعار تحریر بود، نوشته شد :—

نہ اپنے مبتلاؤں پر غضب اے نوجواں رہئے
اُنھوں کی دلبری کیجئے، انھوں پر مہرباں رہئے

مدام کیونکہ مرا جی رہے نہ صہبا میں
کوئی شراب سی شے دوسری ہے دنیا میں؟
یہ تو توڑے سخن سخت سے، وہ پتھر سے
میرے سے دل کی کہاں نازکی ہے مینا میں

کسی تونے نہ کی اے باغباں میرے ستانے میں
نہ پایا چین میں نے ایک آن اِس آشیانے میں
چمن میں اُس کے آنے نے منغّص کردیا مجھکو
خلل صیّاد نے ڈالا مری دھومیں مچانے میں

گلی تک یار کی چلتے اُسے آزار پھونچیگا
کہاں دارالشفا تک یہ دل بیمار پھونچیگا
مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی
کہ میری نعش پر وو سرو گل رخسار پھونچیگا

اس نے نہیں کیا کبھی ہم سے برائیاں
مرجائیے جو یار کرے بے وفائیاں
تونے ہمارے دل کو ستایا تمام عمر
کرتا ہے کوئی کسو ستی اِتّی برائیاں

پھنساکر آپ کو بالوں میں اِس شانے نے کیا پایا
پہن کر پانوں میں زنجیر دیوانے نے کیا پایا
کہے گا یار سے اے دل غم اپنا تو ' تو کیا ہوگا
دکھہ اپنا شمع سے کہہ کہہ کے پروانے نے کیا پایا
نہ کیجو خاکساری ہیچ گہ اے 'عمدہ'! تو ہرگز
ملا کر آپ کو ماتی میں ویرانے نے کیا پایا

کسی کے سینے میں ہرگز مرا سا داغ نہ تھا
مرے چراغ سا روشن کوئی چراغ نہ تھا
چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گل رخاں مجھہ کو
وگر نہ سیر چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

نہیں آزادگی عاقل میں ' دیوانے میں ہو تو ہو
تلاش سوختن کس میں ہے ' پروانے میں ہو تو ہو

ممکن نہیں کہ جائیں ہم ان گل رخاں کو چھوڑ
جاتی ہیں بلبلیں بھی کبھو گلستاں کو چھوڑ
اے دل گلی سے یار کی کرتا ہے کیوں سفر
کیوں کر جئے گا ایسے سجیلے جواں کو چھوڑ
مرنے کے وقت یار نے مجھہ سے کہی یہ بات
اے 'عمدہ' تو چلا ہے کدھر اس جہاں کو چھوڑ

دل ہمارا دشت ہاموں کا ہے دیوانہ ہنوز
مرچکے ہیں تس پہ خوش آتا ہے ویرانہ ہنوز

حکم کیا ہے اسے ' راتوں کو ترے کوچے میں
دل مرا نالۂ و فریاد کرے یا نہ کرے

'عمدہ' اب ہم تو اُسے یاد بہت کرتے ہیں
یاد ہم کو وہ پری زاد کرے یا نہ کرے

خراب مجھ کو نہ کر جان! آشنا کر کر
برا کرے ہے کسو سے کوئی بھلا کر کر

صیاد کے ہاتھ تو کہاں تک نہ آئے گی
بلبل قفس سے کب تلک اب دل چھپائے گی

رباعیات

ناصح کا یہی کام ہے تدبیر کرے — جو ہووے دوانا اسے زنجیر کرے
اس میں وو جئے یا مرے لازم ہے اسے — تدبیر کے کرنے میں نہ تقصیر کرے

تک ایک تو کر انتظار جاتا ہے کہاں — تک ایک تو پکڑ قرار جاتا ہے کہاں
اتنی بھی ارے دل تو نہ کر بے صبری — آتا ہے وہ دیکھ یار جاتا ہے کہاں

ناحق تو بتاں سے آشنا ہوتا ہے — کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے
مطلق نہ مروت ہے انہوں میں نہ وفا — مجھ سے بھی عبث دل تو جدا ہوتا ہے

رہتا ہوں خوش اپنی جان محزوں سیتی
رکھتا ہوں میں اختلاط ہاموں سیتی
جس طرح بھرا ہوئے جنوں سے صحرا
کب دشت تھا آباد یوں مجنوں سیتی

"عراقی"

از معاصران 'ولی' دکنی است' چنانچہ 'ولی' در دیوان خود او را یاد می نماید و می گوید :—

تیرے سخن کے نغمۂ رنگیں کو سن 'ولی'
ڈوبا عرق کے بیچ 'عراقی' عراق میں

ازوست :—

جس کے نین جاری نہیں سو دل سرا ویران ہے
معمور ہو کیوں کر بسے جس گانوں میں پانی نہیں

محمد عارف 'عارف'

اشعار رنگین، و سخنہاے شیرین دارد * - این دو بیت میر محمدتقی 'میر' و فتح‌علی‌خان بنامش می نویسند :-

دختر رز کو کہہ کہ اُس سے ملے ورنہ 'عارف' افیم کھاوے گا

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے 'عارف'
اگر زلف سیہ کا پیچ اُس کے منہ پہ کھل جاوے

محمد عارف 'عارف'

عارف مضامین شیرین، و واقف خیالات رنگین است - شعر فارسی بلطافت تمام و کبت را بنہایت عذوبت می گوید - دو سہ جز اشعارش بدستخط او متضمن بر انتخاب غزلیات فارسی و دوہرہ و افراد ریختہ و تواریخ وفات بعضے اعزّہ بنظر در آمد - این یک رباعی ازان انتخاب زدہ می نگارد،

---

* متصل دہلی دروازہ می باشد شاگرد میاں 'مضمون' است
(نکات‌الشعراء)

و ترجمهٔ احوالش را از تذکرهٔ 'سرو آزاد' بجنس نقل بر می دارد
که "محمد عارف متخلص بعارف' از اولاد مخدوم محمد
رکن‌الدین بلگرامی است' قدس سره که ذکر شریفش در دفتر
"اولیاءالله" گذارش یافت - تولد محمد عارف روز جمعه
نهم ذی قعده سنة اثنین و عشرین و مائة و الف دست
داد - جوانی است سنجیده و عندلیبی است بو رسیده' اول
شخصے که از دودمان مخدوم رکن‌الدین چراغ سخن افروخت'
و طرز موزونی از مبدا فیاض آموخت' اوست - از عنفوان
شعور بگلگشت کوچهٔ سخن خرامیده' و در فن فارسی و
هندی کمالے بهم رسانید - سیّماً شعر هندی که این فن را
خوب ور زیده و غزالان تازه در دام کشیده' برخے از سبزان
هند در فصل ثانی نقاب از رخ می کشایند - با فقیر محبت
تمام دارد' و همیشه بنامهٔ و پیام مرهم بر دل ریش
می گزارد" - انتهی - ازوست :— رباعی

رهتا هے غضب مجهه سیں توں هر شام و پگاه
کرتا هے تو ثابت مری گردن په گناه
تمهید نهیں اتنی بهی ظالم درکار
مطلوب اگر سر هے مرا بسم الله !

'عشاق'

از قوم کهتری هندوستان است' از تخلص او معلوم می‌شود
که بهرهٔ از علم نمی دارد' در تذکرهٔ فتح علی خان و 'میر'

این بیت او دیده شد :—

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا　　آخر خزاں نے کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا

'عاجز'

از شعراے ہندوستان است' جودت ذہن 'عاجز' دکن مشہور آفاق و شوخی مزاج 'عاجز' ہندوستان از ہمین بیت او ہویدا است - ظاہرا تخلص 'عاجز' را شرف است' سواے این بیت 'عاجز' که بتذکرۂ 'نکات الشعراء' تحریر است' دیگر بسمع این عاجز نرسید :—

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی! تم بھی اب لے کر گلستاں دوڑیو

محمد عطا 'عطا' تخلص

از اوباشان عہد خلد مکان بود - وقتیکه در حضور بادشاہ رفت این دو بیت بر خواند :—

باورنگ غازی چو یکدل شوم　　بعباس رفته مقابل شوم
سر و ہا بسنگم تراشا کنم　　قزلباش را پاش پاشا کنم

پادشاہ او را بخبط منسوب ساخت و از سر او گذشت - می گویند که مادر او مدام او را دو روپیه یومیه می رساند - روزے کسے او را پرسید که اے 'عطا' گذران تو بچه گونه می شود که وجه کفاف ہیچ نداری - گفت که در خانۂ ما یک ماده مرغے ست' او ہر روز دو بیضه می دہد' برو گذران است -

این سخن رفته رفته بمادرش رسید ، وجه او را موقوف ساخت . چون دو سه روز بعسرت گذشت ، این بیت بمادر خود تحریر نمود :—

عطا در مفلسی کے توک رهتا سمجھتے بوجھتے پہچانتے رهو

از آن که مهر مادری مشهور است ، روز ینهٔ او را باز موافق معمول جاری داشت- می گوید :—

گر من دگله بپوشم نصد دنه کشم (؟)

ارجن و بهیم چه چیز است که فلاطوں لرزد

میر محمد تقی ' میر ' این بیت بنامش می کرد :—

اے در نبرد حسن تو کشته بچهار چشم

زیر مژه نهفته چو آهو بچهار چشم

میر یحییٰ ' عاشق ' تخلص

المخاطب بعاشق علی خان ' از دارالسرور ' برهان پور ' است ' و در معنی تلاشی باشعار ایهام مشهور . از منصب داران سرکار نواب مغفرت مآب بود ' و در همین لشکر ظفر پیکر گذران می نمود . اشعار ایهام از و بر پایهٔ عالی رسیده ' و او بهمین وسیلهٔ غریب جرعهٔ شهرت در محافل خواص و عوام چشیده —

اُٹھاهے ابر برق انداز کیا طوفان لاویگا کروسب یار مل سامان شیشه گاوُ دادو کا

جام کو لب سے آشنا مت کر نام اُس کا پیا ! کٹورا هے

جنس گهر میں جب تلک تهی بیچ کها تا تها فقیر

اب تو کچھه باقی رها نهیں ' کیا مگر بیچوں خدا

میں کہا تیرے بدن پر کیا بھلی لگتی ہے را کھہ
ہنس کہا جوگی پسر نے، خاک لگتی ہے بھلی

جیت میری ہے عشق بازي میں جب سے دلبر نے مجکو هار دیا

نشے اُترے محبت کے هماري گھٹاؤ خط کی سبزی کو پیارے

چاهتے هو جو رونق وصلی خط کو اصلاح دے کے صاف کرو

تیل کھا کھا کے هو رهی کُپّی دیکھو تیلن کی کہا پلی، هیگی

خوش لگا لیتدا سنارن کا جس کے سونے میں 'بارہ' پانی هے

مجھہ کلیجے میں کھٹک تجھہ بِگ برہ کی هول هے
حال اپنا کیا لکھوں پیارے یہاں یہ سول هے

کرتک ایک رفع کدورت، اِس گھڑي اُڑکے نہ جا
تجکو اپنے پیر کی سوں اے جواں لڑ کے نہ جا

لب شکر رخسار کے چومے کا وعدہ هے، سودے
نہیں تو مجکو جانتا هے هونت مل کر لیوں گا

هر یک سافر کے پیچھے چوسنا پستہ دهن اُس کا
گزک 'عاشق علی خاں' کو اِسی مستی میں بھاتی هے

گشت کتوال کی کرو موقوف آج کی رات جام بھرنا هے

جب نقش اُس صنم کا نقاش کھینچتا هے
بازو کے کھینچنے میں وو هات اینچتا هے

جس وقت جان نکلی مجھہ پاس کوئی نہ آیا
شمشیر تیری ایک دم بیٹھی تھی میرے سر پر

سلونے سجن! تیرے کوچے ستی شب و روز عشاق کا شور هے
رقیبوں کو دیتا هے بالی همیش پہلوان کا چھوکرا زور هے

دیکھہ " کھو کر پتھان" کالر کا   صبر اور ھوش کھو کر آیا ھے

خیّاط تین تھان میں ایک تھان کچھہ * گھٹا
درزن کے آگے' تیرے پیچھے کر گیا ھے پونچھہ

اری درزن ! جو مانگے گی سو دوں گا
شتابی سے مرے سینے کو لگ جا

منتظر بیٹھا ھوں پا جامے بنا درزن کو کہہ
کام ھے مجکو شتابی سے مرے سینے لگے

فتح علی خان این ابیات می نویسد :—

ھیں شہید کربلا سب سرخ پوش   مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ھے

رزالا یار جب بولا مرا آنا روپے پر ھے
تو ھم بولے کہ منہ دیکھو روپے کے سولہ آنے ھیں

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں   ایک منہہ دیکھی آشنائی ھے

یار کو دیکھہ میں ھوا قربان   اِس تجارت میں مجکو وارا ھے

نکلے ھیں اجلے بال' چناتے ھیں تب سے ھم
بوڑھوں کے بیچ ھم بھی جوان چندہ ھیں †

ھات پر ھات مرے دھر کے چلے آئے سات
دیکھہ طالع کی مدد آج پڑے میرے ھات ‡

کیونکہ برہ کے روز کٹیں اے کمھارنی
اب تو ھزار سال کے بدھنے لگے گھڑے $

---

* (ن) کیوں ؟ † (ن) چنندہ جوان ‡ (ن) میرے ھاتھہ پڑے
$ (ن) لگی گڑی ؟ —

سید عبدالولی "عزلت" * تخلص

فرازندۂ نوائے سخنوری و سخندانی ، طرازندۂ بساط معنی پروری و شیرین بیانی - جوہر مرات سخنہائے برجستہ، فروغ شمع مضامین شستہ - مجلس آرائے بزم نکات رنگین ، انجمن پیرائے خیالات متین - ساقی شراب جادو مقالی ، جرعہ چش رحیق نازک خیالی - عندلیبیے است ہزار داستان ، و طوطی است شکرّ بیان- سرویست از باغستان خیال، وتہ رویست

* سید عبدالولی "عزلت" تخلص

خلف سید سعداللہ درویش سورتی، جامع اقسام فضائل است، ملامتیہ مشرب دارد ریش و بروت تراشیدہ بوضع رندان می باشد - از فہم عالی اشعار فارسی وہندی خوب میفرماید - در علم حقائق و معارف بحر موّاج است ، دیوانے ترتیب دادہ، این اشعار آبدار فکر رسائے او ست :—

جن کے دلوں میں درد حسین علی نہیں
ابلگ پکڑ رہے ہیں وہ سنّت یزید کی

بنی امیّہ کے دامن لگے ہیں جتنے لوگ
وسب یزید کے پنچھوں خلاص ہوویں گے

زاہد بجا ہے شعلۂ آہ فقیراں سوں
مبادا اِن کی پشم ریش کا پولا بھڑک جاوے

شیخ بڑّے ہی ہیں دراز زباں صبح کوکیوں نہ دیوے وہ ضابانگ

(تحفۃالشعراء) از سورت‌اند ...مشق فارسی ہم کردہ اند، لیکن مزاج ایشاں میلان ریختہ بسیار دارد - تازہ وارد ہندوستان ، کہ عبارت از شاہ جہاں آباد است، شدہ اند (نکات‌الشعراء)

از کوهستان کمال - ضمیر صفا پذیرش جامے است جهان نما ' و فکر سریع السیرش ماهتابے است آسمان پیما - سخن رنگینش مرهم بخش دلهاے حزین ' معانی شیرینش مونس اشخاص غمگین - شعر فارسیش گوهر یست آبدار ' و نظم ریخته اش لولویست شاهوار - نکات رنگین به یمن انفاس مسیحا یش زنده ' و خیالات شیرین بر طبع چالاکش نازنده - در مصوری قدرتے دارد که مانی و بهزاد پیش او مانند پیکر تصویر در بند حیرت می مانده' و در موسیقی وسنگیت دستے (دارد) که صاحب کمالان این فن بنامش دست بگوش می گذارند - در علم دوهره و کبت دریائی است مواج' و بحریست متلاطم - شعر خوانی گلو سوزش جانے از سامعان می برد ' و سخن گوئی دل فروزش روحے تازه عطا می کند - میرزا 'صائب' علیه الرحمه قبل ازین چند سال در حق آن جناب می فرماید ' و حرف ولایت تصفیهٔ باطن را باین حسن وجه ادا می نماید :—

درین زمان که عقیم است جمله صحبتها

کناره گیر و غنیمت شمار 'عزلت ' را .

راقم سطور هر گاه که به حیدرآباد رفت' ربط از آن جناب پیدا کرد - چنانچه هر روز بلا ناغه بخدمت می رسید' و آن جناب هم اکثر گاه بغریب خانه قدم رنجه می فرمودند - فقیر سوال (؟) به انعام آن جناب به دستخط نواب مستطاب نواب صلابت جنگ بهادر رسانیده' بنظر انور گذرانید - الحال سلسلهٔ ترسیل مراسلات از جانبین گرم است - کلیات همه بیت چارده هزار خواهد بود - کلیات ریخته اش که قریب دو هزار صد است مع

ساقی نامه که در جواب درد مند گفته، و رباعیات و بارا ماسی (.........) و پہیلی ها و کبتها و دوهه ها و جهولنه که دران نرگس تخلص می کند، به نظر در آمد، و این ابیات انتخاب یافت - در ساقی نامۂ خود که سی صد و سی و یک بیت است، و در یک روز گفته و "بیان ظهور" که همین نام و تاریخ است - میگوید :-

جو ایمان ہے درد کا دے تو جام — کہ ترسا نا می سے ہے ترسا کا کام

بھلانا مجھے تجکو یاد آئے گا — مرے بعد مل هات پچتائے گا

مرے پر مری خاک دے گی صدا — ارے مے پلا، مے پلا، مے پلا!

تجھے جھوٹی سوگند کھانے کی سوں — مرا مصحف دل اُٹھانے کی سوں

جرس وار میں تو ہوں خاموش یار — کروں کیا جو اس دل نے تالی پکار

از بارا ماسی اوست :-

دل بے عشق عالم میں کہاں ہے — جو سچ بولوں تو نام عشق جاں ہے

چکوریں ماہ کی قرباں ہیں باشوق — گلے میں قمریوں کے سرو کا طوق

سمندر کو ہے آتش، آب حیواں — گل کمدن(؟) کا دلبر ماہ تاباں

جو بلبل ہے تو گل اوپر فدا ہے — پتنگا شمع کے منہ پر جلا ہے

ہوا ہے کوہکن شیریں کا مفتوں — ہلاک جلوۂ لیلی ہے مجنوں

دیا مہیار دل چندر بدن کو — نظر کر ماجرائے نل دمن کو

ذرہ تو آهن اور آهن ربا دیکھہ — کتان و ماہ، کاہ و کہربا دیکھہ

سسے اور نیو، گوپی اور کنہیا — زلیخا اور یوسف ہیر و رانجھا

کوئی عالم میں بے معشوق ہے کد — خدا عاشق ہے، شاہد ہے محمد

مزا عاشق کو گرچہ وصل تک ہے — جدائی، عشق کو آب و نمک ہے

نہ رکھہ اے رب! کسی عاشق کو پی بن
نہ کریو خاک پر سر تن کو جی بن

(ماہ اساڑہ) جھلاتی ہوں میں جھولا سانس کا ہاے
جو پی آویں تو دل کا طفل سکھہ پاے

(ماہ ساون) یہ ساون کال من بھاون میں آیا
مرے رونے نے سکھہ کا گھر ڈوبایا

(ماہ بھادوں) اُٹھے ہے ہوک، جب کویل اُٹھے کوک
ھلکتی ہوں کہک کر موڑدے بھوک

(ماہ اسو) ترے بن کنٹھہ لگنی اے رنگیلی
جو ماری سنگ ہوگئی کنٹھہ نہلی

(ماہ کاتک) مجھے سونا تو اب سپنا ہوا ہے
میں اُس سے بچھڑی پل سے پل جدا ہے

(ماہ اگھن) نگہ پی بن چبھے دیدے میں جوں پھانس
رھی ہے جوں حباب آنکھوں میں اب سانس

(ماہ پوس) تصور کرکے پی کو دل میں جب لانو
بگھولے سے میں اپنے وارنی جانو

(ماہ ماگھہ) کوئی بھاتا نہیں ہے مجکو بن پی
کہ میں بھاگوں ہوں اپنی چھانھہ سے بھی

(ماہ پھاگن) لگے جوں تیر غم دل کے ہدف کو
بجاوں کوٹ کر سینے کے دف کو

(ماہ چیت) دیکھے ہے میرے چھاتی کا تو لاہاے
اُٹھی ہے چوں چھنا جوں اشک پرچاے

(سالا بیسا کھہ) وہ آتش رو جبھی دل سے گذر جاے

مری فریاد سے بوے کباب آے

مری لاگی بھر کنے آنکھ بائیں ملےگا پیر اکھرائین سائیں

پیا پردیس سے مجھہ گھر کو دھائے نکل دل سے مری آنکھوں میں آئے

واھن بھیگا سبھی سنگار (مکری) موتی بھاگ جگاؤں ھار

مو سر چڑ ھو پی لاگے نیکا ارے کوئی ساجن نا سکھی ٹیکا

سوال: - پانی کیوں باسی ھے - سوال: - من کیوں اداسی ھے —

جواب: - پیا نہیں —

سوال: - نتھہ کیوں نہیں پہنتے - سوال: - دارو کیوں نہیں پیتے —

جواب: - پیارا نہیں —

سوال: - ٹیکے کے نگ اکھڑے ھیں —

سوال: - پیتم سوت کے دھام گئے پر سیج سنواری —

جواب: - جڑاے دیو —

انتخاب ریختہ جات: —

عبث توڑا مرا دل ناز سکھلا نے کے کام آتا

یہ آئینہ تھا، تجھہ خود بیں کے اترانے کے کام آتا

لئے 'عزلت' کے موے سر بیاباں کے ببولوں نے

جو بچتا یہ چندور، جاروب ویرانے کے کام آتا

سیہ روزوں میں میری قدر کو احباب کیا جانے

اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ھے گا

مت نکل جا جی، تو شادی مرگ ھوکر دام میں

اس قدر تو تک تڑپھہ جو خوش ھو جیو صیاد کا

قتل 'عزلت' سے نہ منکر ہو کہ گل کے مانند
لب پہ ہنستا ہے ترے خون نمایاں میرا

سفلہ رسوائی سے خوش شہرت کی لالچ جیوں نگیں
منہہ ہوا کالا بلا سے نام تو روشن ہوا

میں صحرا جاکے قبر حضرت مجنوں کو دیکھاتھا
نہیں اس سال وہ خونی نین بھورے الک والا
زیارت کرتے تھے آہو بگولا طوف کرتا تھا
لگے لالے کو آگ اور ہو جو نافرماں کا منہہ کالا

اے صبا رفتار گل! غنچے کے رنگوں باغ میں
جوں ہی تجھہ پر آنکھہ کھولی ہاتھہ دل سے جاچکا

آج دل بیقرار ہے میرا کس کے پہلو میں یار ہے میرا

جوں صبا خانقھوں میں جو کبھو جاتا ہوں
قصد ہے غنچہ عماموں کو کچل جانے کا

عشق گورے حسن کا ' عاشق کے دل کو دے جلا
سانولوں کے عاشقوں کا دل ہے کالا کویلا

خواب میں بوسے کو میرے ان لبوں سے جنگ تھا
صبح کو دیکھا تو ان لعلوں کا توتا رنگ تھا

کئے ویراں مرا دل ' دلبروں کے ہات کیا آیا
یہ بیت الله توڑے سے بتوں کے ہات کیا آیا

مرے نزع کو مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
کہ دل دہندہ جیو یا مرو ہوا سو ہوا
سرمہ کش چشم وو گلرو کے ہیں بیمار صحیح
نہل کا اس کے گلے بیچ بند ہا گنڈا تھا

سر پہ پڑی ہے مرے اب فکر قوت
جن کو کہوں دیو سو ہو جاے بھوت

ہنستے کیا ہو مرے رونے پر اے دلدار بہت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہت

وو زلفوں سے نہ گزرے بلکہ اپنے جی سے ٹل جاوے
کہو میرے دل صد چاک کو شانے سے کیا نسبت

ہے گلال ابر کہہ میں دو بادہ رنگیلا، سا ڈولا
لالہ اور مہتاب پر ڈالے ہیں دل ہولی کی رات
یہ گلال اور ارگجا اور، زعفراں، عزلت نہیں
لال نیلے پیلے ہو گئے اس رنگیلے بن بسنت

غیر آہ سرد نہیں داغوں کے جانے کا علاج
جز صبا کیا ہے چراغوں کے بجھانے کا علاج

عشق کامل سے نمایاں ہوے آخر حسن یار
بید مجنوں میں ہے لیلیٰ کے کھلے بالوں کی طرح
میرے جنوں کی ہے نوبت اے مجنوں تو افسوس کی، دستکیں، جہانجہ سے سن
سرنامے نالوں میں غم کا اڑانا بھی دل کی تڑپھ ہے ٹکوروں کے مانند
بہت منہہ پر وہ زلفیں آج بکھراتا ہے اے، عزلت،
وہ گالوں پر کسی کا زخم دنداں ہے لگا شاید
ہم رکھتے تھے پرزے دل کے جانے کی خبر
آہ نے اڑنے سے کچھہ کہی اس دوانے کی خبر

یار کا کت ناچنا شاہد تھا میرے حال پر
رات میرا شیشہ دل ٹوٹتا تھا تال پر

دیکھہ کر میرے رنگیلے کے سلام ناز کو
منفعل ہو شاخ گل کا سر نواتی ہے بہار

میں شروع زندگی سے ہوں گرفتار بتاں
جوں خطوط کبک ہے جزو بدن میرا قفس

(قطعہ بند) ملی تھی خلد میں 'عزلت' سے کوہ کن کی روح
کہا میں اس کو ارے سر چڑھے یہ کیا تھی ہوس
ترے تو سر میں بھرا تھا خیال شیریں کا
نہ مارنا تھا تجھے تیشہ اُس پر اے بیکس
کمال عشق نہیں کھونا جان کا ورنہ
مریں ہیں شیریں پہ ہر روز لاکھہ مور و مگس

گرد سے چہرہ بھرے آئے چمن سے دوڑتے
میں نے منہ چوما تو کہتے ہیں تمھارے منہ میں خاک

عذاب قبر سے دے گا نجات عشق علی
کہ زیر خاک ہے آخر ابو تراب سے کام

پھیر کر منہ ہم سے کہتے ہو بلاتا ہوں تمھیں
ہاے مت باتیں بناؤ ہم سے ہو بیزار تم

کس منہ سے دل کا دعوی اے آئینہ رو کروں
محضر نہیں، سند نہیں، کوئی گواہ نہیں

جیوں بگھولا ہوں میں طوفان جنوں کا گرداب
سر کہیں، ہاتھہ کہیں، پانو کہیں، راہ کہیں

میں کہا "پستاں ہیں تیرے سخت خوب"
مسکرا بولے کہ "پتھر خوب ہیں"

بلا گرداں ہو پروانہ جل بجل کے راکھہ لیکن
دکھالے شمع ہی شعلہ کا پتنگا یہ کہ پروا نہیں (؟)

اگر اُس سنگدل کی سختیاں خاطر میں لیاؤں میں
نہ ٹوٹے شیشۂ دل ایک مو گر اُس پہ سل دھردوں

پستہ جو ہنسے تیرے دہن پر تو چبا جاؤں
دم مارے جو عناب ترے لب سے تو کھا جاؤں

عقل کی تدبیر کیا مجنون سودائی کے تئیں
باغباں! درکار کب ہے نخل صحرائی کے تئیں

سچ کہا لالا کو نافرماں نے گلشن میں کہا
ایک داغ دل ہے تجھکو، میں سراپا داغ ہوں

آتش لالہ زمیں سے ہر برس کرتی ہے جوش
گلرخوں کے دل جلوں کو خاک میں بھی چین نہیں

غنیمت بوجھ لیویں میرے درد آلود نالوں کو
یہ دیوانہ بہت یاد آئے گا شہری غزالوں کو

اُس سیہ چشم کا مقتول ہوں میں خونیں دل
قبر میری کوئی لالا کے چمن میں کیجو

برس مت ابر مت جاگا بگھولا خاک. مجنوں کا
خدا کے واسطے دشت جنوں کی ناک رہنے دے

موا ہوں داغ سے اس گیسوے پریشاں کے
مری لحد کرو کیاری میں سنبلستاں کے

کہلا کے دل جیسے پیالا سوہے مراوالی — جناب پاک جنوں مدظلہ العالی

ہے بزم بتاں سے شیخ محروم — جنت میں حمار کیونکہ جاوے

شانہ اُس زلف میں پھرتے یہ سخن کہتا تھا
بات کہتے میں شب وصل چلی جاتی ہے

کہو یہ دل مرا آرام کس طرح پاوے
نہ پانو پانو میں ٹہرے نہ ہات ہات آوے

دھوپوں میں پی جو نکلے، تب آب‌پاشی کرنے
دیگ و دوال والے ہوویں پکھال والے

مرنا بھلا، لحد بھلی، محشر بھی صلح ہے
بیدرد سے کسی کو نہ حق آشنا کرے

بچا دل زلف کے عقرب سے تو کیا   یہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

(قطعہ بند)

گیا میں فصل گل میں، میکدے، عشرت کے ساماں تھے
اِدھر تو زمزمے قلقل کے، اودھر شور باراں تھے
نہ تنہا سجدہ گرداں مغبچے تھے دور ساغر سے
کہ ساجد چو طرف سے قبلہ گاہ خم کے مستاں تھے
سنا جب میں نے یغما محتسب کا، پھر گیا ایک دن
تو کیا دیکھوں کہ چاروں گوشے میخانے کے ویراں تھے
بھر آئی چھاتی میری دیکھہ وو عشرت کدہ خالی
کہا میں کیا ہوا، کیدھر گئے وہ یہاں جو مہماں تھے
گریباں پھاڑ رو رو کر کہا مجکو گلابی نے
کہ یہاں پیالے تھے، وہاں شیشے تھے یہاں خم تھے سبو وہاں تھے

بسے ہے تجھہ میں دل، پر دل کے تو جلنے کو کیا جانے
شرر پر جو گذرتی ہے، سو پتھر کی بلا جانے

شکستہ کرکے مرا دل * نظر نہ کر مجھہ پر
یہ ٹوٹتے آئینے میں منہ تری بلا دیکھے

---

* (ن) گر ہو مرا دل ۔

اُڑانا خاکساروں کا غبار اتنا خوش آتا ہے
دھلنڈی پنچمیں کے دن وہ بے پروا مچاتا ہے
نظر کر چاک دامن یار کا ، دل پھٹ گیا میرا
نہ جانو ہائے کس کی سیج پر دھومیں مچاتا ہے

زاہدوں پر نقال لال گلال چاہئے پاس شرع ابر کھہ لے

جلی ہے موسم ہولی میں بلبل اُس گل بن
کوئی گلاب کی پچکاری بھر کے مارے اُسے

نہ مارو قمقمہ تم آنکھ پر مری اے لال
تم اس میں بستے ہو دیکھو کہیں تمہیں نہ لگے

زخمی ہونے سے ترے ہات مجھے ہے شادی
زخم دل ہنس کے تجھے دے ہے مبارک بادی

یک قلم دفتر جہاں ہے جھوٹ بارے عالم میں سانچ ہی یہ ہے

میرا رنگیلا دیکھ کے گل سے پھرا کے منہ
"تو جی میاں تو جی میاں" بلبل یہ بک اُٹھے

مانگ کا اُس کے ہے سیندور دیکھو معجز حسن
رات آدھی ہوگئی لیک شفق باقی ہے

سر جدے ، اور تن جدے ، اعضا جدے ، آل علی
حشر میں آویں گے سارے مصطفیٰ کے سامنے

فتح علی خان و میر محمد تقی 'میر' این ابیات میر صاحب انتخاب می فمایند :—

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے ، تو میرا خرقہ بھگوا ہے

نخل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

مقام زندگی سے کوچ کر گئے جلد یار اپنے
وو منزل پہنچے اور ہم باندھتے رہگئے ہیں بار اپنے

اسیری بے مزہ لگتی ہے بن صیّاد کیا کیجے
قفس کے کنج میں تنہا عبث فریاد کیا کیجے
پٹکتا سر جو سنگ صورت شیریں سے بہتر تھا
عبث شیشے کے سر خوں دے گیا فرہاد کیا کیجے

ہم راستوں سے بھی جو کچھہ اقرار تھا سو ہے
نا آشنا صحیح و دل آزار تھا سو ہے

پی کیف میں ہے چور نہ جانوں کرے گا کیا
دونا ہوا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

دو زلفوں میں پھنسا تھا پھر خبر نہیں دل پہ* کیا گذری
غبار مشک تھا اِس راہ میں گھایل پہ* کیا گذری
اُڑا تھا جیوں شرر دل اپنے دود آہ میں 'عزامت'
مسافر پر پڑی تھی شام غم منزل پہ* کیا گذری

سب آشنا ہوے پی کے بچھڑتے بیگانے ہوی ہے بے کسی اب یار دیکھیے کیا ہو

اے قاتل قبر پر میری کبھو بھولے گذر کیجو
جو یاد آجاؤں ہنستے ہنستے ایک پل چشم تر کیجو

جہاں کی آنکھہ سے جوں اشک جو گرا ہووے
تو اُس کا غیب سے طالع کا عقدہ وا ہووے

---

* (ن) تینوں مصرعوں میں (پہ کیا گذری) کی جگہ (کی کیا گذری)

وو گلرو کیا ترے بلبل اُپر بیداد کرتا ھے
کتئے * جب بال وپر تب وار کر آزاد کرتا ھے

ھر دم وو صنم گر مرا خوں خوار نہ ھوتا
با للہ کہ جینا مجھے درکار نہ ھوتا

بیقدری سے روشن دل اگر داغ نہ ھوتے
ھرگز کسو آئینے پہ زنگار نہ ھوتا

ھوش و دل لے کر ھمارا اب نہیں لیتا سلام
دے جواب اے بے مروت ھم نے تیرا کیا کیا

مت جھٹک ھم جلوں اُپر دامن
بات سن راکھہ لے اُڑا مت دے

وو سخت تر اول سے ھوا سن مری فریاد
نالوں کا مرے پتھر اثر ھووے گا یارب

اگرچہ یار میں وحشت ھے، کچھہ حیا بھی ھے
ھے اس کی وضع تو بیگانہ، آشنا بھی ھے

اے تلخ گو ترے لب شیریں میں سحر ھے
تو جس کو گالی دیوے وہ تجکو دعا کرے

حشر میں قبر سے کہتا ھی اٹھے گا میکش
کہ کہاں مے ھے، کہاں جام، کہاں ھے شیشہ

سوجھہ بوجھہ ان کی نہ ھوکیوں، نہ رھی میخواری
چشم ھے جام و دل بادہ کشاں ھے شیشہ

بندے ھیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے، سنبل سے بال والے

---

* (ن) گئے —

مت ہو تو نہلا پہلا بخت سیہ کر اُجلے
اے الفی شال والے، بھگوے رومال والے

میرا غبار دل میں اسے پیشتر کیا
خاموش ہوں کہ نالوں نے کیا خاک اثر کیا

بہاروں میں نہ جکڑو مجھکو اس گلرو کا مجنوں ہوں
مرے زنجیر کرنے کو گلا بی ہار بہتر تھا

سب سے آزاد و گرفتار ہوں کن کا ان کا
بندۂ فدوی سرکار ہوں کن کا ان کا
ڈھا کے دیوار تحمل، میں اڑا مثل غبار
اب تو گرد رہ رفتار ہوں کن کا ان کا

یار عاشق کا خریدار کہاں ہے کہ نہیں
مہربان ایک وہ باریک میاں ہے کہ نہیں
مجھکو گلرو نے خموشی سے کیا قتل سو کیوں
بلبلو! تم کہو کیا منہ میں زباں ہے کہ نہیں

جلا یا مصحف دل تو نے کیوں برق تغافل سے
جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

کیا دن پڑے ہیں مجھکو تری صبح وصل میں
بخت سیہ کی کہتے بتہا رات ہو گئی
تنہا چلا میں یوں طرف وادی جنوں
زنجیر پانوں پڑ کے مرے سات ہو گئی

اے سالک انتظار حج میں کیا تو ھکا بکا ہے
بگولے سا تو کرلے طوف دل، پہلو میں مکا ہے

چراغ گل کو روشن کر دیا آهوں کے شعلوں سے
هزاروں درجے بلبل خام پروانے سے پکا هے

جوهے هر سنگ میں پنهاں سو آتش لعل سی چمکی
سبهی میں حق هے پر عارف میں گیا رسوا جهمکا هے

نیم بسمل هوا میں ' تیغ نگه تب رکهه لی
کس بهلے وقت برا هو گیا جلاد که بس

کب لگ احباب کا غم مجهکو دکهاوے گا فلک
خاک هوگئے هیں بہت اور هیں چلن هار کئی

دیکهه کر موتی وو بالی کا بتوں نے پکڑے کان
شمع رو میرا یه سب آتش رخوں کی ناک هے

خاطر یاراں میں هے هم خاکساروں کا غبار
صاف هے شکوه ' دلوں میں کہا محبت خاک هے

اس آهن دل کا جوهر مثل خنجر خوں فشانی هے
صفاے دل کا وو هر چند دم مارے ' زبا نی هے

بگولا هو کے راه بیستوں میں کو هکن اب لگ
سم گلگوں کی ماتی هات مل مل چهانتا هے گا

چشم رکهتا هوں ' کوی یک پل نه رووے میرے بعد
آپ کو جوں شمع میں مرنے سے آگے رو چکا

جنون گلرخاں میں مثل لاله خوش رها کریے
جگر پر داغ کها کر خون دل پی کر هنسا کریے

جو راہ کعبۂ وحدت بگھولے کی طرح سوجھی
ہمتا کثرت کے جادوں کو طواف اپنا کیا کریے

پیر ہو شیخ ہوا ہے دیکھو طفلاں کا مرید
مردہ بولا ہے کفن پھاڑ قیامت آئی

غضب ہے وو صنم آنکھیں دکھا نظریں پھراتا ہے
یہ دل دینے کے عصیاں کی سزا ہے، حق دکھاتا ہے

جو ہم یہ طفلوں کے سنگ جفا کے مارے ہیں
بتوں کا شکوا نہیں، ہم خدا کے مارے ہیں

جوایک دم منہ لگاوے اُس کو بھی گھٹ جاے کیا تیرا
گیا حقے سے بھی کیا یہ دل فریادکش میرا

میں وہ مجنوں ہوں کہ جیوں گل چمن محشر میں
ہوگا دامن یہ میرا پھاڑے گریبان کے ہات

ہوا ہے قحط الفت تب تو دیوانوں کو طفلاں سے
بجز دشنام سنگیں اب تو پتھر بھی نہیں ملتے

جلد مرگئے تری حسرت میں ہم   پر ترا دیر کا آنا نہ گیا

جوں موج آب ہے یہ جنوں جزو تن مجھے
زنجیر کی صدا ہے دم زیستن مجھے

ایک بوسہ دے اے کافر بت خدا کے واسطے
مر رہے ہیں ہم اِسی آب بقا کے واسطے

سیہ روزی اے شیریں لب میں شعر آہ سے کاٹی
وو پربت سی شب ایسی تیشۂ جانکاہ سے کاٹی

گئے سب مرد، رہ گئے رہزن، اب الفت سے کامل ہوں
اے دل والو میں اِن دل والیوں سے سخت بے دل ہوں

ہر آن جوں نفس سفری ہیں جہاں کے لوگ
جاتے ہیں پیش وپس چلے اس کارواں کے لوگ

پر زنگ ہے آئینۂ دل ہند سے 'عزلت'
گر چاہے صفاہاں تو صفاہاں کو پہنچ تو

موے پر بھی توجہ ہے جنوں کی میری عزت پر
بنا پتھر اُسے طفلوں کے گنبد میری تربت پر

فصل گل میں چاک چاک اپنا گریباں کیجئے
دل سے ٹانکے عشق کے اُدھڑیں اگر تک سیجئے

جنوں سے ربط ہے جوں موج اب اتنا مرے جی کو
کہ نقش زندگی مت جا نہ پھاڑوں گر گریباں کو

جلدا ہوں، اشک باری جو اب نہیں تو پھر کب
اے چشم دوستداری جو اب نہیں تو پھر کب

نیز در شان حضرت امیرالمؤمنین علیہ الصلوٰۃ و السلام واقع شدہ است :—

واسطے اس شاہ کے فراش قدرت ہر سحر
کھینچتا ہے خیمۂ خورشید سے زریں طناب

جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اس کو پہونچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دشمن ستی سدا ہو گا

'عزلت' گماں یونہی تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھ
پھر دود آہ دل نے مرا دیدہ تر کیا

اے بلبل اتنی روکے دعا ہر سحر توں مانگ
حق تیری آہ سوں چمن کی صبا کرے

نہ بوجھو یہ بگھولا ہے مرا ہم تول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانوا ڈول صحرا میں
ہوی لیلی کے سر چرہ اشک مجنوں نیل کی نیکی
یہ موتی خاک کوں لیتا نہیں کوئی مول صحرا میں*
بیاباں کے گلوں سے بوے رنگ درد آتی ہے
ارے بلبل چمن سے دل اٹھا، آ بول صحرا میں

صحیح اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو، دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

چون ابروے سجن سے مزاجی الجھا ہے
دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپولا ہوا عمامۂ شیخ
یا رب اس بزم سے یہ زہر کا مکر جاوے

سدھارے گل کہاں، سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلاکر آشیاں اپنے

نہ بوجھو یہ کہ کیفی چشم پہ سرمے نیں گھیری ہے
گریباں گیر ظالم، بے سخن فریاد میری ہے
تجھ قبا پر گلاب کا بوٹا دل بلبل گو یا ابھی توٹا

---

* دونوں تذکروں میں نہیں ہے —

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

"عارف الدین خان * عاجز †"

پہلوان شہ زور سخنوری ' و رستم سلح شور معنی

---

* تذکر تین میں "عارف علی خاں ہے" —

† عارف الدین خان عرف مرزائے 'عاجز' تخلص اورنگ آبادی - بلخی الاصل است. پدرش در زمان سلطنت عالمگیر بادشاہ از بلخ بہندوستان آمد - غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ بمنصب سرافراز کنانیدہ با خود داشت . بعد ازانکہ پدرش وفات کرد، خان مشار الیہ صغیر بود از آنجا کہ رب حضرت کریم و رحیم بندہ ہاے خود را ضایع نمی گزارد بہ فضل عمیم از فہم و دانش بہرۂ وافر بخشید، چوں بسن تمیز رسید، بدستگیری و عنایت نواب سید لشکر خان بہادر نصر جنگ صوبہ دار اورنگ آباد بعطاے منصب و خطاب خانی سرافراز گردید ' بہ جاگیر قلیلے اوقات بسر می برد ' دریں روزہا بخدمت بخشی گری رسالۂ سواران کہ نواب نامدار مذکور سر بلند فرمود ' سر گرم خدمت و مستعد جان فشانیست ' نشۂ شجاعت ہم دارد و با فقیر حقیر از طفولیت ہمدم و یکدل است ' از روے اشفاق بدیدن احقر تشریف ارزانی می فرماید - در کوتوال پورہ بلدۂ اورنگ آباد احقرالعباد مکانی ساختہ، روزے قدم رنجہ داشتہ بود - فقیر از راہ شوخی جرات نمود کہ دعواے تاریخ گوئی دارند تاریخ این مکان ہمیں زمان بدیہہ برزبان آرند، تبسمی کرد و گفت چہ صلہ خواہند داد، گفتم ہرچہ بخواہند ، لمحۂ سر در گریبان فر و بردہ بخود وجد نمود

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اے بلبل اتنی روکے دعا ہر سحر توں مانگ
حق تیری آہ سود چمن کی صبا کرے

نہ بوجھو یہ بگھولا ہے مرا ہم قول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے تانوا ڈول صحرامیں
ہوی لیلیٰ کے سرچڑہ اشک مجنوں نیل کی نیکی
یہ موتی خاک کوں لیتا نہیں کوئی مول صحرامیں*
بیاباں کے گلوں سے بوے رنگ درد آتی ہے
ارے بلبل چمن سے دل اٹھا، آ بول صحرامیں

صحیح اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتاہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو، دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

چین ابروے سجن سے مزاجی الجھا ہے
دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپولا ہوا عمامۂ شیخ
یا رب اس بزم سے یہ زہر کا مکّر جاوے

سدھارے گل کہاں، سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلاکر آشیاں اپنے

نہ بوجھو یہ کہ کیفی چشم پے سرمے نیں گھیری ہے
گریباں گیر ظالم، بے سخن فریاد میری ہے

تجھہ قبا پر گلاب کا بوتا   دل بلبل گویا ابھی توتا

---

* دونوں تذکروں میں نہیں ہے —

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا

سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

" عارف الدین خان * عاجز † "

پہلوان شہ زور سخنوری ، و رستم سلح شور معنی

---

* تذکرۂ ہندی میں " عارف علی خاں ہے " —

† عارف الدین خان عرف مرزائے ' عاجز ' تخلص اورنگ آبادی - بلخی الاصل است. پدرش در زمان سلطنت عالمگیر بادشاہ از بلخ بہندوستان آمد - غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ بمنصب سرافراز کنانیدہ با خود داشت . بعد ازانکہ پدرش وفات کرد ، خان مشار الیہ صغیر بود از آنجا کہ رب حضرت کریم و رحیم بندہ ہاے خود را ضایع نمی گزارد بہ فضل عمیم از فہم و دانش بہرۂ وافر بخشید ، چوں بسن تمیز رسید ، بدستگیری و عنایت نواب سید لشکر خان بہادر نصر جنگ صوبہ دار اورنگ آباد بعطاے منصب و خطاب خانی سرافراز گردید ، بہ جاگیر قلیلے اوقات بسر می برد ، دریں روزہا بخدمت بخشی گری رسالۂ سواران کہ نواب نامدار مذکور سر بلند فرمود ، سر گرم خدمت و مستعد جان فشانیست ، نشۂ شجاعت ہم دارد و با فقیر حقیر از طفولیت ہمدم و یکدل است ، از روے اشفاق بدیدن احقر تشریف ارزانی می فرماید - در کوتوال پورہ بلدۂ اورنگ آباد احقرالعباد مکانی ساختہ ، روزے قدم رنجہ داشتہ بود - فقیر از راہ شوخی جرات نمود کہ دعواے تاریخ گوئی دارند تاریخ این مکان ہمیں زمان بدیہہ برزبان آرند ، تبسمی کرد و گفت چہ صلہ خواہند داد ، گفتم ہرچہ بخواہند ، لمحۂ سر در گریبان فرو بردہ بخود وجد نمود

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پروری - نہنگ دریاے شیریں مقالی ، ضیغم نیستان رنگیں خیالی - شاعر یست زبردست ، و معنی آفرینیست صاحب قدرت - زمینہاے سنگ لاخ ریختہ طرح میکند ، و قوافی تازہ و دلچسپ بکار می برد ، و ہیچ جا عاجز نمی ماند - چنانچہ خود می گوید :—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۳)

و این قطعۂ تاریخ بدیہہ فرمود -

(قطعہ)

منزل عیش بہ از چار محل | کرد بنیاد چو مرزا افضل
گفت تاریخ بنایش 'ہاتف' | منزل جاہ و مکانِ افضل

فہم عالی دارد، بطبع رسا در اشعار فارسی و ریختۂ ہندی از نازک خیالاں است - و در تاریخ گوئی بے بدل - دیوان فارسی و ریختہ ترتیب دادہ ، ایں چند اشعار آبدار زادۂ طبع اوست -
اشعار ریختہ کہ سابق دریں بحر کسے نگفتہ ودر دیوان از ریختہ در ریختہ قافیۂ مشکل و زمین سنگ لاخ دارد —

دل کا چمن میرا جب سیں جلادیا تیرے شرار جفا نے اے سر کش
دم بدم آھوں کے شمعوں کے نخلوں سیں جھڑتے ھیں گل جیسے شعلۂ آتش
ابرو کمانوں نے سینے کوں میرے بنا کے نگاھوں کے لسوں کا تودا (؟)
دل میرا قربان کر آنکھوں پر اپنی ھی پلکوں کے تیروں کا ترکش (؟)

خاصہ سجن میرا گلبدنوں میں لباس کوں جب سیں کیا ھیگا نیں سکھہ
دل میرا پرکالی ھوتا ھے سینے میں سر کوں پٹکتا ھوں ھاتوں کے مل مل
خمار نگاھوں کی مستی کے وصفوں جب میں کہتا ھوں چمن میں
نرگس شہلا کے بینائے نے سیں سنا ھوں گا چوسیں نغمۂ قلقل

ترے رنگ تبسم سوں بتوں کو دانت کلی ھے
ترے عارض کے تل سیں گلرخوں کوں تاپ تلی ھے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کہتے ہیں سنگ لخ زمینوں میں ہم تو شعر
پانا ہماری شوخی معنی کو ہے 'مکت'

روزے در 'حیدرآباد'، با فقیر ملاقات کہ ملاقات اول همون بود، دست داد۔ اشعار خود بسیار خواند، گفتم کہ باوصف غلبیت تخلص عجز از بہر چیست' کاشکہ غالب می شد'

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳٦۴

مری رنگیں ادا سیں باغباں! گل کوں ہے کیا نسبت
کہ ہم سہتے ہیں تیری باغ کے پھولوں میں ہے پھکڑی

بہار آنے سیں شبنم نے کیا ہے گل کا بستر تر
چمن میں چل کر اس کوں فرش اے خورشید پیکر کر

دل کوں میرے اے صنم کاکل کے خم سیں کھینچ لے
زہر مہرا ہے اسے افعی کے دم سیں کھینچ لے

رات اس مہ رو کے جب لگ تھے ضیافت باغ میں
خوان گل کو چاندنے کی تھی دو بھری بستنی
زال دنیا سیں محبت مت کروائے مرد حق
بیوفائی میں تو یہ مہیا ہے کسبی کنچنی

ہمارا خوش تبسم باغ میں جب مسکراتا ہے
کلی کوں باغباں کہتا ہے کوئی دم مت ہنس اے خفدی

تری آنکھوں کی گردش سے فلک پھرنے لگا ظالم
زمانہ چرخ میں آیا، ہوا ہے آسمان گردی

بال اس کاکل مشکلیں کے نپٹ کالے ہیں
ناگ کے بیل سیں شاید کہ اُسے پالے ہیں
تیرے غم سیں مری انکھوں میں جھڑی لگی ہے
کیا کہوں پلکوں کے احوال کہ پرنالے ہیں

(تحفۃ الشعراء)

فرمود که در ظلمات انکسار آب حیات غلبیت موجود است و این بیت میرزا صائب علیه الرحمه بر خواند :—

افتادگی ز خاک بر آورد دانه را

گردن کشی به خاک نشاند نشانه را

اکثر اشعارش چه از فارسی و چه از ریخته بنا بر بے پروائی او تلف شده ' وکسانے که هرچه بزبانی او شنیده بصفحهٔ قرطاس نوشت باقی مانده ' ورنه او دماغ تحریر مسودات خود نمیداد - و طبع زاد خویش را نزد سامعان یاد میخواند - بے شائبهٔ ریب در شعر ریخته میرزا بیدل وقت است' در بحر جهولنه وکبت واشلوک ودیگر ابهارتازه ریختهاے متعدد دارد و می گوید که (ع) :- بدستم هرچه آید می نوازم هیچ آتش زبانے در دکن نیست که باو بمقابله بر خیزد ' وکسے چرب بیانے درین مرز بوم نه که پیش او شورے بر انگیزد - موزونان این سر زمین بید ست شده بنامش ازچشم گوش می گیرند' و فصیحان این جا بدهن بستن خود از پا افتاده خط بر بینی می کشند - مورخ بے بدل است - قصهٔ " لعل و گوهر " جمله پانصد بیت بنظر در آمد' گواهر گران بهاے معانی تازه مرصع نموده ' مطلع او اینست :—

الٰهی دے مجھے رنگیں بیانی — عطاکر مجھ کو یاقوت معانی

سخن کا لال دے میری زباں کو — درمعنی سے بھر میرے بیاں کو

سخن کے در کا مجھ کو جوھری کر — سخن سنجوں کو میرا مشتری کر

درجائے که لعل فقیر میشهٔ راه شهر نگینه گرفت ' آں جامی گوید :—

جنوں کے دشت کا بن کر بگولا — خرد کی راہ کو وحشت سے بھولا

سراپا باد بن مانند جھکڑ | چلا آندھی کے سر پر مار جھکڑ
سحر سے شام لگ مانند خورشید | طلب کے فرق پر رکھہ پاے امید
تردد کا قدم رکھتا تھا گن گن | نہ ھوتا تھا کھیں کوئی لحظہ ساکن
غزالوں کی طرح سرگرم رم تھا | بیاباں اُس کو گلزار ارم تھا
برس دو لگ چلا جب راہ میں راہ | نظر میں اُس کے آیا دشت جانکاہ
کروں اُس دشت کی کیوں کر صفت کو | زباں پر کس طرح ڈالوں نپت کو
وھاں ھرگز نہ تھا پانی کا آثار | اجل کا کھیت تھا وو دشت خونخوار
بیابان عدم کے تھا برابر | وھاں تھا جاتے عزرائیل کو ڈر
وھاں کی ریت ھیرے کی کنی تھی | وھاں کے کانٹے بھالوں کی انی تھی
وھاں کی گرد تھی پانوں کی دارو | وھاں کی خاک تھی دوزخ کی بالو
وھاں کی باد تھی شوریدہ صرصر | وھاں کے کنکرے تھے مثل اخگر
بگولا تھا وھاں دن رات قائم | وھاں جھکڑ سدا آندھی تھی دائم

دیوان ریختہ هایش کہ جملہ ایک هزار بیت کسرے زیادہ است بہ نظر در آمد ، و این ابیات ماخوذ شد :-

پانوں میں پلکوں کے گھنگروں اشک کے قطروں سیں تھے
درد کے ھاتوں میں جب لگ درد کا مردنگ تھا

نہیں چھوڑا انھوں کا نام مجھہ دل میں ترے غم نے
نہیں باور تو ظالم ! چوک مت ، جر دے کتار اپنا
ارے ناصح عبث کرتا نصیحت ترش رو هوکر
کھٹائی کا مجھے پرھیز ھے ، مت بیچ اچار اپنا
تجھے جلنے سے اور رونے سے میرے کیا ارے مطرب !
پکا کر دیپک اپنا ، اور الاپا کر ملھار اپنا

.... نہ جاوں کیوں کہ پھر پھر کوہ و صحرا میں
وھاں فرھاد اپنا مونس ، اور مجنوں ھے یار اپنا
بڑا پگڑ ، بڑا شملہ ، بڑا کلہ ، بڑا ڈاڑھا
بڑا یا ھے بڑی محنت سے زاھد نے وقار اپنا

تجھہ بن اے لال اشک آنکھوں میں ھمارے سرخ ھیں
دل نھیں پھوٹا تو اُس پانی کے پل میں کیا ھوا
محتسب کو دیکھہ سارے مست اُٹھے مینا کو توڑ
پھر نہ دیکھے خم کا حال اس چل بچل میں کیا ھوا

سحر اُس حسن کے خورشید کو جاکر جگا دیکھا
ظہور حق کو دیکھا خوب دیکھا با ضیا دیکھا

پھر مت پاکی کو خط پر حسن اب بس ھوچکا
کیوں عبث گھنستا ھے موں لوھے سے پارس ھوچکا

شوخ مسجد کو چلا ، شیخ شتابی چھپ جا
دیکھہ ھووے گی ترے دیں کی خرابی چھپ جا
محتسب آج خرابات میں آتا ھے خراب
دختر رز کو بغل مار شتابی چھپ جا

جب پان کھا کے لب پر کرتے ہو رنگ دونا
آنکھوں میں میرے پل پل ہوتا ھے اشک چونا
اوتن کبوتروں سا دل کیوں نہ پھر پھڑا وے
تیری نظر ھے ظالم شاھین کا ستونا

ادا سیں گر ھماری بزم میں وو فتنہ ساز آوے
بجا کر مہر کا دف چرخ کھا کھا کر گرے زھرا

لیا ہے دل ہمارا جس نے 'عاجز' ہے وو خوبوں میں
ہٹیلا بت بڑا منصوبہ گر ' عیار ' البیلا

دو بات سیں خالی نہیں ہے اشک کا جلنا
آنکھوں کا کہیں لگنا ہے یا دل کا اٹکنا

خوبروئی اس سے کیا ہووے گی خوب   جس نے دیکھا تجھ کو سر کو دھن گیا

خوب رویوں کو ارے دل خوب ہے پہچاننا
جان اگر چاہیں تو دینا ' حکم ان کا ماننا
طبع کی چھاتی سے ہم پر زور رکھتے ہیں سخن
فکر کے مگدر کو ' عاجز ' جب سے سیکھے بھاننا

مری آہ دل سوزاں کو سن کر مت ہنس اے زاہد
کہ یہ شعلہ لگائے گا تری مسواک سیں دھنوا

فتنہ ساز آیا مرے گھر میں ارے مطرب بجا
اس طرح باجا بجا ' ہلی جو وو بولے بجا

الہٰی کب دل غمگیں ہمارا شاد ہووے گا
یہ اُجڑا شہر یارب کس گھڑی آباد ہووے گا
بہار آنے سے سارے عندلیبوں نے کہے مل مل
کہ یہ غوغا تمہارا رہبر صیاد ہووے گا
کہے مستوں نے میرے نالۂ دلسوز کو سن کر
کہ یہ آواز کوئی میناے چکنا چور کا ہے گا

عاشقی کی راہ میں سر رکھہ قدم کو بھول جا
راہ جا نجا زوں کی ہے مت بھول دم کو بھول جا

بھول جا سب کو، کہے تھے ہم نے تمکو اے سجن
یوں نہ بولے تھے کہ اے کج فہم ہمکو بھول جا

سدھہ نہیں ہم کو تری شوخی سیں اے آھونگاہ
ہم تو بھولے چوکڑی آ تو بھی رم کو بھول جا

مہربانی بھی کبھی کرتا رہ اے ظالم مزاج
کون کہتا ھے کہ توں بالکل ستم کو بھول جا

عیش کی مستی کی خاطر شیشۂ غیرت نہ توڑ
دل کو ساغر کر، لہو پی، جام جم کو بھول جا

اے پری 'عاجز' کی باتیں ھیں گلستان سخن
دیکھہ رنگیں فکر، گلزار ارم کو بھول جا

جب اس کی زلفوں کے وصفوں کو لکھتا ھوں بیتاب ھو شاخ سنبل قلم کر
ھر حرف بنتا ھے لہروں بھرا ناگ، پر نقطہ بنتا ھے ناگن کا انڈا
خوش قامتوں کے طپش عشق سے بستر غم میں دل جب سے ھے آہ سوزان
قمری پلیتا جلا سرو کا میری گردن میں باندھا ھے طوقوں کا گنڈا
'عاجز' ترے دل کے پامال کرنے کو سینے میں اترا ھے داغوں کا لشکر
آنسو کی بھیگی طنابوں سے قائم ھے آہ رسا کا کلیجے میں جھنڈا

ھے سینۂ پر سوز مرا عشق کا آوا
دل داغوں سے ھوگا جلی اینٹوں کا پجاوا

ناگنوں کو باندہ لٹکا بولتا ھوں مار مار
جب سیں دیکھا ھوں تری زلفوں کی لٹ کا چھوٹنا

تری آنکھوں کی گردش دیکھکر اے خوش نگہ بن میں
ھرن نے کھا کے چکر رم کو چوکا، چوکڑی بھولا

میرے لہو کا رنگ نہیں تو کہو شتاب
تھی اس طرح سے لال تمہاری رکاب کب

———

ترا ذقن ہے اگر لال باغ حسن کا سیب
ہے تیرے چاہ زنخدان منے ہزار آسیب

———

اے زاہدو یہ بوے ہو کیا تخم بند گی
شطرنج کی طرح تو تمہاری ہے خشک کشت

———

تمہارے پنجۂ رنگیں کو گر چمن دیکھے
اُڑے گلوں ستی رنگ بہار ہا توں ہات

ریختہ از ریختہاے بحر طویل کہ بطور لف و نشر مرتب گفتہ این است :—

سجن کا تبسم، سجن کا تکلم، سجن کی ادائیں، سجن کی یہ قامت
ہے فردوس غنچہ، ہے باغ فصاحت، سراپا لطافت، قیامت قیامت
سجن کی جبیں پر، سجن کے رخ اوپر، سجن کے بھواں پر، سجن کی کمر پر
ہے زہرہ تصدق، ہے خورشید مائل، ہے قربان کمانیں، فدا ہے نزاکت
تری کالی آنکھیں، تری کالی زلفیں، تری کالی پلکیں، ترا خط مشکیں
سیہ مست آہو، ہے ناگن کا جوڑا، سیہ تاب نشتر ہے، ریحان جنت
ہماری زباں ہے، ہمارا سخن ہے، ہمارا قلم ہے، ہمارا رقم ہے
ثنا خوان بلبل، معانی کا گلشن، نہال مقطع، مرصع زراعت
ہماری جوانی، ہماری ضعیفی، ہمارا قد خم، ہمارا تواضع
ہے معدوم، عاجز، ہے آثار رحلت، ہے دام ہلاکت، ہے ہمدوش تربت

اگر این ریختہ باین ترکیب خواندہ می شود، درست می گردد :—

سجن کا تبسم ہے فردوس غنچہ، سجن کا تکلم ہے باغ فصاحت
سجن کی ادائیں سراپا لطافت، سجن کی یہ قامت قیامت قیامت

ہماری آہ کو سمجھو کہ ہے بڑی بل بند
وو گرز ہے کہ جو توڑے فلک کے ساتوں کھنڈ
تمہارے قد کے مقابل ہے سرو یوں بیڈول
نہال سرو کے آگے ہے جیوں درخت ارنڈ

جب سے تم اے نازنیں نتھ کو سجے ہو تب سیں ہے
جی ہمارا ناک میں، غصہ تمہاری ناک پر

ساقی مرا چمن میں کرے گر نگاہ قہر
نرگس کے جام چشم میں ٹپکے شراب زہر

روز محشر میں بچاویں گے تجھے بارہ امام
مت سقر کے ڈر سیں 'عاجز' فکر سات اورپانچ کر

اُٹھا کر نعمت دنیا سے دل کو بھاگ رے 'عاجز'
کہ بہتر ہے تجھے حق کے کرم کا ساگ رے عاجز

جہاں آباد میں گرمی سے کوئی ظالم نہیں ملتا
سمندر درد کا ہے تو وطن کر آگ رے 'عاجز'

کہا کانٹوں کو یوں پامال، میں پھر پھر کے صحرا میں
کہ مجنوں آ کر میرا قدم پکڑا، کہا بس بس

لکھا ہوں یوں بتوں کو(......)جیوں صندل طرح 'عاجز'
دیا قشقہ جبیں پر برہمن میرا قلم گھس گھس

جو دنیا دار کھینچے عشق زر سیں آہ بیماری
اُسے مغز فلوس اور شربت دینار ہے نافع

بجلی کڑکنے لاگی، لگا گڑگڑانے ابر
بن جان، دین آہ کا دھوں دھوں بجا دریغ

محتسب کے ہوش کو دارو سیں دیتے ہیں اُڑا
قلعۂ مینا کو جب مستی سے ہلکاتے ہیں ہم

مسجد میں اذان و بتکدے میں ناقوس
وصف اُس کے کمال کا کہاں ہے کہ نہیں

لالے کی فصل شاید آئی ہے گلشنوں میں
سب گلرخوں نے لب پر مسی جمائیاں ہیں

بخشی عشق نے چہرہ ہمارا لکھا کے کیا شاہ حسن کا نوکر
داغوں کی مہروں کے واسطے لاگے ہیں دل کی کچہری میں غم کی براتیں
پہاڑوں میں کوہ کن آہ نہیں ہے، نہیں ہے دریغ بیاباں میں مجنوں
سنسان پڑے ہیں گے دونوں مکاں وہ کدھر کو گئے ہیں دوانوں کی ذاتیں

'شاہ' سامی کہ ذکرش گذشت، ریختۂ این دو بیت را کہ بالا مذکور شد، مخمس نمودہ و خوب گفتہ۔

آیۃ ''لا تقنطوا من رحمۃ اللہ'' دل میں بول
کوچۂ یار دل بے رحم میں غوغا کروں

فوج آہو میں نپٹ رم ہے مگر لاگے ہیں
شوخ چشموں کی نگاہوں سے بیابان میں بان

مت ستا محتسب اب ہم کو کہ بے جام و شراب
ہم تو کوئی نرگس مخمور کے متوالے ہیں
اُس کے ہم دام محبت میں پھسے ہیں 'عاجز'
بال جس شوخ ستمگر کے گھنگر والے ہیں

جب سوز دل سے جل جل آہیں نکالتا ہوں
دوزخ کی سرزمیں میں بھونچال ڈالتا ہوں
اے غنچہ لب ترے بن ہر سال فصل گل میں
سینے میں گیند جیسا دل کو اُچھالتا ہوں
جب بحر اشک میرا کرتا ہے جوش طوفاں
ساتوں فلک کی چادر تر کر کھنگالتا ہوں
جب اپنی آہ دل کی کرتا ہوں میں ضیافت
بجلی کی مچھی* 'عاجز' دم میں اُبالتا ہوں

دل کے (.........) کو اپنے سیماب کے ورق پر
بجلی کی کلک لے کر یک سر شرار کھینچوں

کیونکہ آویں شہر کے نزدیک صحرا کے غزال
ہے انوں کی چوکڑی میں رم ہماری آہ سیں
شمع کے شعلہ کو کیا طاقت جو پہنچے اُس کا زور
برق کے اعضا میں ہیگا خم ہماری آہ سیں

جادو نظر ہو خوش نظروں میں ارے میاں
نازک بدن ہو سو کمروں میں ارے میاں
تجھ بو ہمت گردوں دوں کے وصف مت پوچھو
کہ یہ دیتا ہے (..............) دونوں کو

اے شوخ تری آنکھیں سرشار نظر آویں
دل لینے کے سودا میں ہشیار نظر آویں
دل تیری نگاہوں کے تیغوں کی لگا ہوں اہیں
کچھ وار نظر آئیں، کچھ پار نظر آویں

---

* مچھلی۔

هم آنکهیں تری دیکهیں اور تهری بهویں دیکهیں
خوں ریز نظر آویں ، تروار نظر آویں

آج آیا هوں سخن میں شعرا ! عشق الله
بت بنا ، زور قلندر هوں بنا عشق الله

لکهوں جب اپنی آه داغ دل کے سوز کو عاجز
قلم توپ اور سیاهی بس بهری باروت بن جاوے

کیفی نگاه بن دل رنجور هو رها هے
یه شیشه مے کی خاطر سب چور هو رها هے

خیال اُس شوخ کا کب مجهه دل بے تاب میں ٹهہرے
کہاں بجلی کا سایه چشمهٔ سیماب میں ٹهہرے

یه کیا دهارے کے قبضے میں پڑا هے زاهد اے رندو
که گر پاکی کا دم مارے تو نا معقول بن جاوے

وو چنچل ناچ میں جب چرخ کها کها کر تهرکتی هے
کنارے اس کے در دامن کے دامن سے جهمکتی هے
جب اے چانچل ترے بن کهینچتا هوں آه سوزاں کو
تڑپ کها کها کے بجلی جا کے دوزخ میں دهکتی هے

محبت کے چمن کا گل جو بویا هے ؛ یهی دل هے
بهار عشق کا بلبل جو گویا هے ، یهی دل هے

جدائی کے سخن کو جب گریباں پهاڑ لکهتا هوں
قلم فی الفور قینچی هوکے کاغذ کو کترتا هے

مرے نازک سوں کیا نسبت تری لیلی کو اے مجنوں
که میں دیکها هوں تصویر اُسکی وو بهی خوب مستنڈی

کیوں پری رویوں کو کرتی ہے مسخر اشرفی
جیوں مسخر دیو کو مہر سلیمانی کرے

ہمارے دل کا گھر ہے اُس ولی کے زور سیں قائم
کہ جس نے قلعۂ خیبر کا دروازہ اُکھاڑا ہے

چمن میں جا کے (.........) مسکراتا ہے
گلوں سیں رنگ اُڑ کر (......) جنگل کو جاتا ہے

سنگ طفلاں سے گیا شہر سیں تڑ کر مجنوں
ہم رہے ' ہم کو کہاں اتنی یہ دانائی ہے

دل ہے سکوری ' آہ ہے بتی ' لہو ہے تیل
سینے میں میرے عشق کا روشن چراغ ہے

(.......................) قلم پانی سیاہی ہے
سخن ہے تخم ' معنی خوشہ 'عاجز' کے یہ کہتے ہیں

میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان این ابیات می نویسد:-

مینہ کے برسنے کی باد چلی ہے ' اب آنکھوں سے جان بن اشک چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رولیں گے
تخت جنوں میرا وحشی دیوانوں نے سر پر اٹھایا ہے ہیں شوروں سے 'عاجز'
اب میاں مجنوں بیولوں کے مورچھلوں کو خرابے سے آپ ہی جھلینگے

اے زرد پوش تم ہو اگر شاخ زعفراں
'عاجز' بھی باغ عشق کا رنگیں پلنگ ہے

تری برگشتہ مژگاں کا خیال آتا ہے یوں دل میں
دکن کی فوج جیوں بھالے پکڑ بنگالہ پر آوے

* (ن) ملکے † (ن) لے —

تری بانکی گلی میں ہم گذر کر سر سے بیٹھے ہیں
خدا وہ دن کرے قاتل کہ تو اُس راہ پر آوے

جنجال زندگی سے، کیا ہو گیا، جو چھوٹے
'عاجز' ابھی پڑا ہے ملک عدم کا جھگڑا

تری سمرن سیں اے گلرو، ہمارے اشک خونی سے
پلک کے ہاتھ میں یاقوت کے دانوں کا مالا ہے

وہ دوانا ہوں کہ اب شہر کو صحرا سمجھوں
چتر شاہی کو بگولے کا چھلاوا سمجھوں
یار کے کاکل و رخسار بن ایسا ہوں دنگ
کہ اندھیرے کو نہ جانوں، نہ اُجالا سمجھوں

اگر اُس شعلہ خو کی بزم میں جیوں شمع جل سکئے
پتنگے کی طرح جی سے فدا ہونے کو چل سکئے

ہماری شرح بیتابی کے تئیں تحریر کر سکئے
جو بجلی کے تڑپنے کی طرح تقریر کر سکئے

نگہ کی مارتا برچھی چلا آتا ہے وہ ظالم
کلیجا چھن گیا، دل چھد گیا، کیونکر کہ ٹل سکے

مصور نے مرے آنسو بھری آنکھوں کے نقشے کو
نپٹ رو رو کے آب گوہر غلطاں سے کھینچا ہے

مری چھاتی ستی جب آہ کی باہر نفیر آوے
جگر کو چھید کر، جی کو جلاکر، دل کو چیر آوے

اگر کیف سخن میرا نہال تاک کو پہنچے
صراحی شاخ ہو جاوے، شراب انگور سے ٹپکے

وو چنچل کھول زلفیں ناز سے شانے کو پھری ہے
ارے دل کیا خبر تھی، کہ آنکھوں میں اندھیری ہے

پڑیں میرے گلے میں قمریوں کے طوق کے حلقے
اگر وو سرو قد زلفیں کھلی مجھہ بزم میں آ بیٹھے

ھنسے جب کھل کھلا کر وو رنگیلا پھول بن جاوے
نظر جب تیز کر دیکھے، پتی کی ھول بن جاوے

عجب شور جنوں ہے اِن دنوں میرے خیالوں میں
کھوں مجنوں کو دو دن چپ رہے مجھول بن جاوے
اُڑاؤں جب چمن میں خاک سر پر اُس رنگیلے بن
سروں پر بلبلوں کے نکہت گل دھول بن جاوے

دوانو! کوہ و صحرا پر جنوں میرا ھوا حاکم
کوئی جا کر کہو فرہاد و مجنوں کا وکیل آوے

مجھہ سے بے دل کی اگر تصویر کھینچا چاہئے
اے مصور صورت دل کھر کھینچا چاہئے

نور محمد عاصی " تخلص "

از خاک پاک ' برہان' پور است ' طبع موزوں و ذھن ثاقب

شیخ نور محمد ' عاصی ' تخلص

برہانپور یست' مدتے نوکر نواب نصیرالدولہ بہادر عمری خلد منزلت آصفجاہ صوبہ دار برہانپور بود- و خدمت دارغگی قمادان داشت' بعد فوتش در فرقہ ملازم آصفجاہ گشت' الحال تعیناتِ میر عبدالحی خان 'وقار' دیوان صوبۂ برار است' طبع نظم درست دارد (تحفۃ الشعراء)

دارد ، فکر فارسی هم بنهایت عذوبت می کند ، و از غزل گوئی بسیار محظوظ است - فکر ریختہ کم می کند ، و با راقم سطور طور مودت درست می دارد. ایک دو مرتبہ بغریب خانہ تشریف آوردہ بود ، الحال در لشکر نواب مستطاب، معلی القاب، نواب نظام الدولہ بہادر ادام اللہ اقبالہ، بسر می برد - اشعارش بوقت تحریر این مزخرفات بفقیر نہ رسید - ناچار این ابیات از تذکرۂ فتح علی خان ماخوذ شد :—

سمجھے ہیں ہم کہ اب کہیں تم نے بھی دل دیا
بیٹھے کہیں ہو ، بات کہیں ہے ، نظر کہیں
آتا تھا تیرے منہ کے مقابل ہو آفتاب
ایسا گرا کہ تیغ کہیں ، اور سپر کہیں

کیا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے آہستہ سے ہو زخم ہیں دل کے آلے
ترچھی وہ نظر گزر گئی سینے سے ورنہ تیرے بہت ہیں دیکھے بھالے

مرزا عاشور بیگ ، عاشق ، تخلص

از تلامذۂ شاہ ، سامی ، است ، فکر ریختہ خوب، و با محرر این سطور اخلاص می دارد و گاہ گاہے از ملاقات مسرور می سازد - از ریختہ جات اوست :—

جو مست جام و شیشۂ صہبائے سبز ہے
بر جا ہے اُس کو ہووے اگر یہ خمار سبز

دشمنوں کی کیا مگر آئی ہے موت چمٹیوں نے پر نکالے الحفیظ

اگر این بیت باین حسن تغیر یابد احسن است —

خال پر لب کے اُگا ہے خط سبز — مور نے اب پر نکالے الحفیظ
عشق کے کشور کا جو سلطان ہے — اُس پہ ہردم مہر و مہ قربان ہے
چشم بیمار بتاں گلشن میں دیکھ — نرگس حیران کو یرقان ہے

مرزا جمال الله 'عشق' تخلص

ابن محمد داؤد- طبع موزون می دارد، و از صغر سنی قدم بزمین شعر می گذارد، و بیشتر اصلاح سخن از شاہ 'سامی' می گرفت و 'احسن' تخلص می نمود. الحال در حیدرآباد رفته بسلک تلامذۂ سید عبدالولی صاحب 'عزلت' منسلک شد- و 'عشق' تخلص خود قرار داد- اکثر گاہ بغریب خانه تشریف ارزانی می فرمایند، و اشعار طبع زاد می خواند —

دیدیم کتب خانه هفتاد و دو ملت
غیر از سخن عشق نشد منتخب ما

الغرض خوب کسے است، حق تعالیٰ سلامت دارد- این چند ابیات از ان ست :—

چشم بیمار مرے حال سے ہیں واقف حال
درد ہجراں میں گرفتار ہوں کن کا، اِن کا

جس روز ہم مریں گے وہی دن ہے حشر کا
جب تک ہماری جان ہے، تب تک جہان ہے
میری آہ گرم نے ڈالی ہے کیا رونے میں شور
اِس سوا دیکھا نہیں کہیں آگ کا پانی میں زور

سرد مہروں ستی پالا نہ پڑا تھا ، سو پڑا
پاؤں یخ میں مرے دل کا نہ گڑا تھا ، سو گڑا
آج کچھہ غم کی خزاں اور طرح آئی ہے
کہ گل عیش چمن سے نہ جھڑا تھا ، سو جھڑا

اگر گلزار میں ، میں اپنے اُس گلرو کو نا لاتا
نہ بلبل شور میں آتی ، نہ گل کا رنگ رو جاتا
گلستاں میں نہ دکھلاتا اگر توں خال کو اپنے
نہ نافرماں سیہ ہوتا ، نہ لالہ داغ غم کھاتا
نہ ہوتا گر مرے رونے کا شور آفاق میں تجھہ بن
نہ بجلی رقص میں آتی نہ بادل راگ کو گاتا

ہیں زخم مرے دل پر کاری ترے ابرو کے
اغیار کے تئیں ناحق دکھلانے سے کیا ہوگا

سرشار ہیں ساقی کے ، نہیں جام کی کچھہ حاجت
ہم چشم کے مستوں کو پیمانے سے کیا ہوگا
مشہور مثل ہے یہ ، اس عشق کے سودے میں
ہشیار تو ہیں 'عاجز' دیوانے سے کیا ہوگا

باب الفا

اشرف علی خاں ''فغان'' تخلص

از اُمرایان درگاہ احمد شاہ بادشاہ بود، و اکثر گاہ چمنستان قلوب را از نسیم لطیفہ‌گوئی و ظرافت مطرا می‌نمود - در شعر فارسی اصلاح سخن از قزلباش خان 'امید' می گرفت - فغان فغان، چنین است:-

هم تو مرتے هی تڑپتے پڑے زندان کے بیچ
مفت لپٹتی هے بهار آه گلستان کے بیچ

مسکرانا ترا کیا کم هے میاں! تیغ نہ کهینچ
کہا مرا جی نہ نکل جاویگا اِس آن کے بیچ

میرے سر صاف دوانے کے نظر آتے هیں
کہا مگر خاک نہیں آج بیابان کے بیچ

میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف
شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ

غل اُٹھا مصرع 'حشمت' کا 'فغاں' زنداں میں
پھر ہے زنجیر کی جھنکار مرے کان کے بیچ

میر محمد تقی 'میر' و فتح‌علی خاں این ابیات می نویسد:-

ساقی! نہ میں یہاں آپ سے کچھہ چشم تر آیا
دل دیکھتے هی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ، پریشان و شکستہ دل بدنام
سنتے تھے 'فغاں' جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ کرے ہے کیوں تو مرے اشک سرخ کا
کب آستیں تری مرے لہو سے بھر گئی

این شعر راکہ میرزا رفیع 'سودا' در ریختۂ خود قطعہ بند کردہ، در احوال میرزا 'سودا' تحریر یافت —

ہستی کی خرابی جو نظر آتی عدم میں
ہرگز کوئی اِس خواب سے بیدار نہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے
تو چاہئے تسبیح میں زنار نہوتا

'شاہ فضلی' *

از اکابراں عصر بود، و گوی معنی از ہمسران سی ربود۔ اشعار ایہام بسیار میدارد و ابر خامسۂ او چنین گوہر می بارد:—

---

* شاہ فضل اللہ نقشبندی 'فضلی' تخلص

پسر سید عطاءاللہ اورنگ آبادی است، درویش صفاکیش و عارف کامل جمیع علوم بود۔ مدتے در لشکر غازی الدین خاں بہادر فیروزجنگ مرحوم بموجب حکم حضرت رسول مقبول ماند، و ہمین سبب بود کہ خان فیروزجنگ اکثر از قلت جمعیت بر بسیارے مقہوران فتح و ظفر می یافت۔ نواب عضدالدولہ بہادر کلام اللہ خط مبارک حضرت امام رضاعلیہ السلام کہ از کتاب خانۂ امیرالامرا حسین علی خاں یافتہ بود، بایشان سپرد، الحال آن قران مجید در قلعۂ دولت آباد دکن است کہ میاں محمدی پسرش ہدیہ نمود۔ آثار کمال درویشی بر چہرۂ مبارک نورانی او ظاہر بود، جامعیت داشت، رسالۂ "زادراہ" در علم سلوک از و یادگار است۔

بقیہ بر صفحۂ آئندہ

فوج غم آئی ہے دل پر بھاگ رے
فوج غم میں شہ ملیں تو بھاگ رے

بقیہ حاشیۂ صفحہ ۴۸۳
قصۂ " برہ‌بھبوکا " و قصۂ " پریم لوکا " بزبان ہندی گفتہ و ایہام خوب دارد، اشتہار یافتہ اند، و در فارسی و ہندی نیز اشعار او صاف و شیرین است - این چند اشعار (فارسی) و ہندی از فکر اوست —

(ابیات ایہام)

مکھہ سوں اپنے عرق توں دور نکر — حسن کا عطر مجھہ کوں لینا ہے
دو بھواں دیکھہ کر کہا میں یوں — دوگھڑی رات دن میں آئی کیوں

بہوت عاشق ہیں، مار کھاتے ہیں (؟)
مجھہ کوں ترے فراق میں دن کاٹنیں لگے

* جب تلک تھی جنس گھر میں بیچ کھاتا تھا فقیر
اب تو کچھہ باقی رہا نہیں، ہے مگر بیچوں خدا

طبیب عشق سیں پوچھا زلیخانے علاج اپنا
کہا تجھہ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا

اے کبوتر جاکے کہہ یوسف کوں کنوئیں سوں نکل
تجھہ بنا رو رو زلیخا ہورہی ہے باؤلی

در تعریف رقص

ناچ تو منحصر ہی چنا پر — نام جس کے میں ناخ بھرتا ہے (؟)

تیری انکھیاں میں کیا بلا کچھہ ہے — اب تلک یار ہات ملتے ہیں

تجھہ ملاحت کے لوں کی لذت — جس کا دل ہے کباب سو جانے

دیکھہ کر تیری پانوں کی مہندی — مجھہ کو تلووں سوں آگ لاگے ہے

پھو کے مکھہ کی صفائی کے آنگے — موں دیکھو آرسی کی صافی کا

* یہ شعر میر یحییٰ 'عاشق' کے یہاں بھی درج ہے-(تحفۃ الشعراء)

جان جانے سے جان جاتا ھے　　　جان جانے سے جان جاتا ھے
یار کا دیکھنا خدا دکھلائے　　　یار کا دیکھنا خدا دکھلائے

فتح علی خان این ابیات می نویسد:—

مصور گر تری تصویر کو چاھے کہ اب کھینچے
لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو

سجن کو میں کہاتک منہ تو دکھلا　　　کہا آئینہ رو نے بیٹھہ منہ دیکھہ

زلف کے سلسلے کے طالب کو　　　پیچ دے کر مرید کرتے ھیں

تیرے رخسار کی صفا آگے　　　موں دکھو آرسی کی صافی کا

(فدا *)

احوالش بفقیر فرسیدہ - این، قطعہ فتح علی خان در تذکرۂ خود نوشتہ بود، بقلم آمد:—

مست شراب بند قبا وا کیے ھوے
پوچھا میں اس طرح سے چلے ھو کہاں میاں
کہنے لگا لے تیغ کو غصے سے ہات میں
سنتا ھے بے یہ کون زباں ھے مئیاں میاں

---

* رضاطلب خاں ' فدا ' تخلص شاہجہاں آبادی
از ھندوستان ھمراہ نواب نظام الملک آصف جاہ بدکن آمدہ بخدمت قلعہ داری سرفرازی یافت - نجیب و شریف است - بقوت طبع قابلیت فکر شعر دارد ' —

شیخ احمد ' فدا ' تخلص اورنگ آبادی
از قوم نوایت است، ناظم شهر ستاں و خوب معنے یاب بود۔ فکر شعر داشت ' (تحفۃ الشعراء)

"فخری"

احوالش معلوم نیست، میر محمد تقی میر این یک بیت از و می نویسد:—

جب دیکھوں میں تجھے تو چکا چوند لگ رہے
ہرگز کنھیں نے دیکھا نظر بھرکر آفتاب

میر فخرالدین اورنگ آبادی

ترمذی الاصل، از سادات حسینی۔ "فخرالدین" تخلص می کند، نواسۂ حاجی عبداللہ جنید ثانی و داماد سید محمد حیات درویش است- متصل دروازۂ بارہ پلہ اورنگ آباد تکیۂ اوست، درآغاز شباب بکسب سپاہ گری بمیان سپاہیان کمربست، بعد چندے بحکم "الفقر فخری" بر مسند فقر بنشست، از مجاہدات شاقہ بمقصد خود پیوست، و بفقرو قناعت ممتاز گشت- حضرت سجن صاحب مرحوم کہ درویش کامل و عارف بود، از حالش خبرداشت، بوقت دم آخر خرقۂ خویش عطا فرمودہ- فکر اشعار می نماید، از وست:—

یار ہر شان عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
بے نشاں عین نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
مکھہ کے مُصحف منھں ہر چند تھے آیات کبیر
نازکشاف بیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
ضعف ہمت ستی دل ہوش طرف چھپتا تھا(؟)
شوق خود تازہ جواں تھا مجھے معلوم نہ تھا
"فخردیں" عمر سوں تھا جسکے بدل سرگرداں
اس تعین میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جب سوں مجھہ دل کا نصیبہ عشق ہے تقدیر سوں
ہر نفس ہے شعلہ زن تجھہ شوق کی تاثیر سوں

(بقیۂ بر صفحۂ آئندہ)

" فدوی "

بلبل خوش بیان و طوطی رنگین زبان است - این دو سہ ابیاتش کہ بفقیر رسیدہ اینست: —

میں دیا جان کے تئیں جان کے جاناں اپنا
جان من جان جہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
چپ عبث عمر گنوا یا میں، تلا عشق سے دل
عشق یوں فیض رساں تھا مجھے معلوم نہ تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۶)

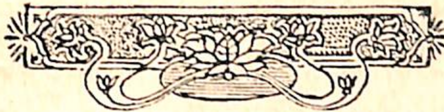
ابر نہیں ، تیری ہوا میں اے بہار ستان حسن
آسماں پر دود ہے مجھہ آہ کی توفیر سوں
برگ گل پر ہر سحر شبنم نہیں اے گل عذار
آسماں ہے زار میرے نالۂ شب گیر سوں
یک بیک دل عشق میں پیدا کیا دیوا نگی
پائی بندی نہیں اسے جز زلف کی زنجیر سوں
جیب جاں صدچاک ہے تجھہ شوق میں اے گلبدن
کیا چلے اب پنجۂ عشق گریباں گیر سوں
ناز کے خنجر کا بسمل ہوں، تغافل مت کرو
جان جاتا ہے مرا اگ آن کی تاخیر سوں
آرزو بندے کی لکھنے میں قلم ہے سینہ چاک
شوق کا قصہ مبرا بسکہ ہے تحریر سوں
فخر دیں، اب یار پر قربان کر توں ننگ و نام
عشق نے فارغ کیا تجھہ ، عقل کی تدبیر سوں

سهم مژگاں سے کیا تن کو مشبک مہرے
شوخ دل ابرو کماں تھا، مجھے معلوم نہ تھا

میر هاشم ' فقیر ' تخلص

از خاندان گرامی ' و از یاران شاه ' سامی ' است بااین فقیر ربط خاص میدارد ، و گاه گاه بفقیر خانه تشریف می آرد - ازوست :—

اٹھا ہے جوشش حسرت عجب خون شہیداں سے
وو قاتل شوخ شاید وہاں حنائی دست وپا گذرا



باب الصاد

محمد نظام الدین احمد " صانع " تخلص

از شعرای بلگرام و معنی آفرین شیرین کلام است - ترجمۀ احوالش از تذکرۀ " سرو آزاد " می طرازد ، و جواهر گران مایۀ اشعارش از بیاض میر اولاد محمد صاحب ' کامیاب ' فرا گرفته حوالۀ قلم در افشان می سازد که " صانع " بلگرامی نظام الدین احمد همین نام تاریخ تولد اوست ، مطابق سنه تسع ثلثین و مائة والف - جوانے است از عشیرۀ قضاۃ عثمانی ' - مهذب و مؤدب ' در حداثت سن کلام الله رایاد گرفت - و در خدمت میر نوازش علی سلمه الله تعالی تربیت یافت - مشق سخن از خدمت ' میر ' میکند - ذوق سلیم و ذهن مستقیم دارد ' و از قبیلۀ قضاۃ عثمانی اول کسے که شعر درست انشا کرد ' ولآلی دلپسند بسوز فکر برآورد ' اوست - ایزد سبحانه عمرش بیفزاید وپایۀ سخنش را ترقیها کرامت فرماید—

قید میں تیری نپٹ دلگیر هیں صیاد هم

خوش گذرتا تها همارا جب که تهے آزاد هم

گل یہ خواب ناز میں ، اور باغباں نازک دماغ
ہاے کیونکر صحن گلشن میں کریں فریاد ہم
سیر گلشن کی نہیں دیتا ہے رخصت باغباں
کس طرح اِس سال میں دل کو کریں گے شاد ہم
عشق تیرے سوں جنوں میں بسکہ کامل ہیں ہمیں
روح مجنوں کے تئیں کرتے ہیں گے ارشاد ہم
گر خدا ہوی اُس طرف پھیرے منہ اُس کا دیکھہ کر
روز محشر کس ستیں چاویں گے 'صانع' داد ہم

فتح علي خان این ابیات می طرازد :—

کیا رخصت سگ لیلی کو دے کر استخوان اپنا
نہ چھوڑا ہاے کچھہ مجنوں نے صحرا میں نشان اپنا
مجن کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل 'صانع'
نہ تھا معلوم ہو جاوے گا وو نا مہربان اپنا

مغل خاں " صنعت " تخلص

از اقرباے نواب مغفرت مآب است ، آفتاب احوالش از مطلع خفا سر نہ کشیدہ و انوارش کہ عبارت از اشعارش باشد ، بجز این دو بیت کہ در تذکرۂ فتح علی خان مسطور است ، بفقیر نرسید :—

سینے میں آہ ، دل میں طپش ، اشک چشم میں
شہرہ یہ عاشقی کا مرا گھر بہ گھر ہوا

یا رو گھر جاتا ہے یار و کیا کروں   ہاے گھر جاتا ہے یا رو کیا کروں

قافیهٔ این بیت درست نمی شود، مگر بجاے یار ماه قرار دهند و بجاے هاے آه مقرر نمایند، لیکن فصاحت کو؟ —

غمزے سے مارتا ہے، جلاتا ہے ناز سے
کہا ملک حسن کا صنما تو خدا ہوا

میر محمد صابر 'صابر' تخلص

شهر یار اقلیم سخن، و تازه ساز مراسم این فن است - شعر را بنهایت عذوبت می گوید - حاجی میر علی اکبر رمال که ذکرش گذشت، از ملاقات او فائز شده است، نقل می کرد که عجب مردے شیرین گو و خوش خلق بنظر در آمد، ما درهی هم فکر سخن می نمود، و 'خفیه' تخلص خود قرار داده بود۔ از وست :—

اپنا سخن ہے دل میں سمائی ہو جائیگی
جو منہ سے نکلی بات پرائی ہو جائیگی
میرے بوسے سے تیرا تو کچھ گھٹ نہ جائیگا
پر میری عاشقوں میں بڑائی ہو جائیگی

میر 'صابر' هم درین زمین ریخته بر میدارد، و این چند ابیات از انست :—

کب جانتے تھے تم سے جدائی ہو جائیگی
غم کی مٹھائی دکھ کی دوائی ہو جائے گی
گر سینہ صاف ہو، کھلے بندوں گلے ملو
اتنے سے دل کی کام روائی ہو جائے گی
راوت بچے کا چشم کا دنبالہ قہر ہے
واقف نہ تھے پھسلنے کی کھائی ہو جائے گی

ابرو کی چین دور کر آخر ھنسوگے تم
یہ ترشی ایک روز مٹھائی ھو جائے گی
'صابر' یہ بات جس نے کھی آفریں اُسے
جو منه سے نکلی بات پرائی ھو جائے گي

چون احمد شاہ ابدالی در سنه احدی و ستین و مائة و الف از شهزادۂ والا اقتدار یعنی احمد شاہ بادشاہ در میدان سرهند شکست خوردہ بطرف قندھار بگریخت، بزبانی بعضے اعزہ معلوم شد که این تاریخ از میر سر زدہ :—

محمد شاہ کا اب بخت جاگا   ندا ھاتف نے دی افغان بھاگا

طرفه این که مادۂ تاریخ فارسی هم کلمه "آفت رفت" بحساب درست می آید - الحاصل میر صابر از اجلۂ ارکان لاهور است - این چند اشعار آبدار او که از زبانی حاجی صاحب مرقوم مسموع شد، درین جریدہ التقاط یافت، لیکن بعضے اشخاص این جا ریختهاے میر 'صابر' را در مولود وغیرہ بنام میر عبدالحی 'تابان' می خوانند، محض بیجاست، زیرا که آن اشعار از زبانی اعزۂ معتبرہ کہ بار ملاقات میر 'صابر' یافته اند، بسمع رسید که از مناسبت آن اشعار تا حین تحریر در دیوان تابان هم دارد —

کیوں هر کسی کے سات دل اپنا لگائیے
هر بے وفا کے کاھے کو عاشق کھائیے
هم مار مار آئے ھیں پیروں کی منتیں
گر آ ملیں سجن تو نیازیں چڑھائیے

'صابر' کی بات اپنے تو خاطر میں یاد رکھ
اے یار اپنے دل کو خدا سے لگائیے

محمد صادق 'صادق' تخلص

از دوستان راقم سطور است - مشق سخن ریختہ نو می کند، ازوست :—

خوف سے صیاد کے طاقت نہیں پرواز کی
کس طرح گلشن میں جانے کی تمنا کیجئے

لچھمی نراین 'صاحب' تخلص

مؤلف این نسخہ کہ ذلہ بردائدہ خوران سخن، وریزہ چین خوان ہر فن است - اگرچہ باوجود موجود بودن درجۂ صف نعال نشینی چہ جرأت کہ در جرگۂ سخن سنجان ہم پہلو نشینند، و باوصف پیدا شدن خط غلامی کجا مجال کہ معانی معنی پژوہان اسم خداوندی گزینند - لیکن از توجہ موجہ بزرگان کہ از راہ احترام نابینا را بصیر، و زنگیء را کافور می گویند، باین تخلص بلند آوازہ گشت، و در صف شعراے فصیح بیان ہم زانو بنشست —

تب سے میرا نام 'صاحب' گھر ہوا مشہور یہاں
جب سے اے دل میں غلام شاہ مرداں ہوگیا

مخفی نماند کہ والد ماجد فقیر لالہ منسارام مدالعہ ظلہ و ادام اللہ اقبالہ، از مدت سی سال تاحال تحریر این نسخہ بر تعلقۂ

پیشکاری صدارت صدرالصدور دکن سرگرمی می دارد، و قبل ازین چندے از توجه نواب صمصام الدوله مرحوم بخدمت پیشکاری بخشی الممالک سرفرازی داشت، حق سبحانه تعالی سایهٔ ذات والا را برسر (...) کسان تا یوم القیام سلامت و خورم دارد - بتاریخ دوم شهر صفرالمظفر سنه ثمانیة و خمسین و مائة و الف هجری این هیچ مدان جامهٔ هستی پوشید، و در عمر یازده سالگی بخدمت قبلهٔ برحق حضرت شیخ عبدالقادر صاحب سلمه‌الله تعالی کتب متعارفه سند کرده، از سواد و بیاض واقف گردید - ازان جا که شعر را دوست می داشت، بسلک تلامذهٔ قبلهٔ دین و دنیا حضرت میر غلام علی 'آزاد' مدظله العالی در آمد و بتقابل میر عبدالقادر 'مهربان' که یکے از مهرهٔ تابان آن جناب است، پوشیده 'صاحب' تخلص قرارداده دیوان غزلیات مردف قریب دوهزار بیت مرتب ساخت - چون رتبهٔ لاقدری حیثیت پیدا کرد، و باصطلاح شعرا و قواعد شعر ماهر گردید، ساختهٔ و پرداختهٔ سابق را محض تقویم پارین دیده، یک قلم برهمه ها خط کشید - الحال که سال هژده از عمر گزشته باشد، چون مطلع شد که میرمحمدمسیح 'صاحب' تخلص در فارسی گذشته است، بجناب فیض مآب حضرت میر صاحب و قبله التماس تخلص نمود. آن جناب از راه شفقت تخلص 'شفیق' عنایت فرمودند - لیکن از آن جا که ریخته جات فقیر درین جا بعوام و خواص اشتهار یافته 'صاحب' تخلص در ریخته برقرار داشته شد، و در بعضی بحور که 'شفیق' نمی گنجد ناچار تخلص 'صاحب' آورده می شود - تاریخ

مرحمت تخلص ، تخلص نو ، یافتم ، و مصرعے دیگر که ازو هم اعداد سنه سال مستخراج می شوند ۱۱۷۶ قطعه نمودم :—

از حضرت فیض بخش ' آزاد ' گردید مرا تخلص انعام

تاریخ باهل بزم گفتم امداد شفیق شد مرا نام ۱۱۷۶

امید از سخن سنجان و ترصد از بالغ نظران این که این چند نتائج طبع ناقص را که عرض می دارد ، تا از خورده چینی دور بوده اصلاح فرمایند و بنظر شفقت ملاحظه کرده ، بعیب پوشی جهد بلیغ نمایند :—

وو کمان ابرو جب آ شمع شبستاں هوگیا

دل مرا اُس پر پتنگے سا هی قرباں هوگیا

اس بھووں سے خوب هی زاهد ... گوشه لیا

ورنه جو دیکھا کمانیں په سو قرباں هوگیا

شمع پر پروانه جل کر راکھه هو عاشقی کا نام روشن کر دیا

اس وفاؤں کا یه بدله هے جفا یا قسمت

هم چلے تم کو تو اب کرکے دعا یا قسمت

هم ترستے هی مریں ، لوٹے مزه یوں پرویز

کوه کن چیر کے سر کو یه کہا یا قسمت

مہر اور لطف و تسلی هے رقیبوں کے نصیب

هم په یه جور و ستم اور بلا یا قسمت

دوستی میں کون هے گا کوه کن سا دل جلا

بات کہتے هی دیا هے جان هے رے اتحاد

جس گھڑی لیلیٰ کی کھولی فصد آ فصاد نے

خون نکلا قیس سے اُس آن هے رے اتحاد

میں ازل سے ہوں قدرداں حسن کا لاریب فیہ
کون جانے ہے تری اے نستعوں رخسار سار

تیرے بس میں ہیں ، ہمیں تو چھوڑ دے یا قید رکھ
آپھنسے اب دام میں تک بھر کرفا کیا ضرور

خط پہ آویزاں نہیں یہ زلف تیری پیچدار
مارنے کو مور کا لشکر مگر آیا ہے مار
سرو کی سولی پہ چڑھ قمری کہی بچوں سے بات
تم تو برخوردار ہو ، گر ہم ہوے منصوردار

قتل پر کس سے چلا ہے یہ ستمگار کہ بس
آستینوں کو چڑھا کھینچ کے تلوار کے بس
آخری دم ہے تک ایک دیکھ بھلا اے قاتل
بے طرح آج تڑپتا ہے یہ بیمار کہ بس
حق تعالیٰ نہ کرے کس کو کسی پر مائل
میں نے دیکھا ہوں گرفتار ہو آزار کہ بس

بس تجھی رہنے دو یہ بات میاں مت بولو
ہم تمہیں دیکھ لیا اور تمہارا اخلاص
بات کہتے ہی گئی جان تصدق تم پر
ہم پہ یہ کچھ ہیں وہ یہ کچھ ہے ہمارا اخلاص

باغباں ہم کو نہیں واللہ کچھ گل سے غرض
ہیں گے مشتاق صدا ، ہے شور بلبل سے غرض

کم رکھے جی دل میں اپنے گل رخاں کا اختلاط
جی ہی لے چھوڑے گا ورنہ ان بتاں کا اختلاط

ہے یہ تحقیق کہ تم کو نہ رہے گا وو غرور
اب ہوا ہے گا نمودار تمہارا یہ خط

بہار آئی جنوں نے سر اٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

ہمارے قتل کرنے کو نگہ قاتل کی کیا کم تھی
جو اس نے نیمچہ بھی ساتھ لایا ہے خدا حافظ

مزاج باغباں معلوم ہوتی ہے کہ بلبل نے
چمن میں شاخ گل پر گھر بنایا ہے خدا حافظ*

بہار آنے سے اب کے باغ میں اے ناصح مشفق
دوانے دل نے کچھ سن گن تو پایا ہے خدا حافظ

جیوں جلا آگ، کا آتش ستی ہوتا ہے بھلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا ہے گا عشق

مرے سے وعدہ کرکے پھر مکرنا — تری باتیں بنانے کے تصدق
مرا دل لینے ہی تک آشنا تھا — ترے آنکھیں پھرانے کے تصدق

شیخ جی آتے ہیں کس ڈھب سے پکڑ تسبیح کو ہاتھ
مارئے گردن میں ایسا جائے جو منکا ڈھلک

دل اُلجھتا ہے مرا جیوں جیوں کہ سلجھے ہیں وو بال
کیا مچے گی دیکھئے کاکل کے کھل جانے میں دھوم

کس طرح بیمار دل کی ہم شفا چاہیں کہ آج
پڑ گئی ہے اُس کی آنکھوں سیتی میخانے میں دھوم

---

* مزاج گل نپٹ نازک ہے اور مالی ہے بے پروا
چمن میں بلبلوں نے غل مچایا ہے خدا حافظ
(اصل دیوان میں)

هم بغل ہوتے سجن کے ہوگئی آنسو کی بھیڑ
جیوں مچاتے طفل ہیں گے عید کے آنے میں دھوم
کوئی گریباں چاک بیدل کاں بسے گا، صاحبا،
کوہ میں فرہاد، و مجنوں کی ہے ویرانے میں دھوم

عجب ہے یہ کہ ہم کو داغ دے کر   کہاتے ہو تم اب لالہ جہاں میں

نہیں ملتے جو خوں اپنا قدم سے آج قاتل کے
بروز حشر دیکھو تم حنا کے وہ کنوڈے ہیں

کیا کریں عرض حال تیرے پاس   ہم کو دل نہیں تجھے دماغ نہیں
کوی بچارا تجھے کہاں ڈھونڈے   ایک جا کا ترے سراغ نہیں

ہم تو حاضر ہیں، نہ کرتے ہیں ترا حکم عدول
خون دل تو جو پلاتا ہے پلا بسم اللہ

آب حیات حق میں سخن گو کے ہے سخن
باقی ہے میرے بعد یہی یادگار کچھ
اس طور تجھ گئے ہیں نین کس کی یاد میں
نرگس کو ہے چمن میں مگر انتظار کچھ

اب لٹک سے کہو جاتے ہو کہاں متوالے
کئی دنوں سے تو دئے پھرتے ہو آلے بالے

اثر اس کو نظر کا ہے مگر ساقی شرابی کی
کہ پانی ڈھولتا ہے پیمٹ میں اب یوں گلابی کی

کاں ہے دل سوز وو پروانہ کہ آکر دیکھے
شمع سے مجلس رنداں میں رمق باقی ہے

کہو باتیں بنا تم اب ولیکن   تمہارا دل کہیں جاتا رہا ہے

ہمیں کنج چمن میں چھوڑ کر صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے یا ناشاد جاتا ہے

جی میں ہے جاکر چمن میں بادہ نوشی کیجئے
یاد کر وو سرمئی انکھیاں خموشی کیجئے

میں جاتا ہوں گلشن میں سونے کو کھولے
کہ تا داغ لالہ بتانے نہ پاوے
تک ایک پھر نظر کر ترحم کی اس پر
یہ بسمل ارے تلملانے نہ پاوے

چھایا ہے ابر چار طرف سے چمن کے بیچ
ساقی! کدھر ہے جام، کہاں وو رحیق ہے
لائے جواب وہ کوئی 'صاحب' کے شعر کا
جس کو کہ ذہن ثاقب و فکر دقیق ہے

دوستی کر تم سے ہم بیکس ہوں ہے رے دوستی
ہم تمھیں دل دے کے یوں بے بس ہوں ہے رے دوستی
گالیاں بھی کھا چکے، جھڑکی بھی تیری سہ گئے
یہ تمھاری دوستی کے جس ہوں ہے رے دوستی

مدت کب سے اُمید واروں میں ہیں
ہمیں ایک بوسہ تو انعام ہوے

اگر وہ شعلہ خو تک منہ سے پردہ دور کر دیوے
پتنگے جل مریں اور شمع کو بے نور کر دیوے
مرے ہو خون کے پیاسے، نہ چابو ہونٹ غصے سے
مبادا یہ عقیق اِس تشنگی کو دور کردیوے

جان ! جنگل میں یوں نہ جاؤ تم ‏ ‏ دل جلا کوئی سانس بھرتا ہے

خاک سے اُس کی نرگس اُگتی ہے ‏ ‏ جو ترا منتظر ہو مرتا ہے

ایسے بندوں پہ جانی * دیکھو بھلا ‏ ‏ کوئی اس طور ظلم کرتا ہے

جب کھلے بندوں گیا اور رسمسا تو باغ میں

تیری ایسی طرح پر سب گل بھی خنداں ہوگئے

ہر جہت بادصبا کے یہ قدم کا فیض ہے

مرقد بلبل پہ گل جو یوں چراغاں ہوگئے

---

* جان (اصل دیوان)



باب القاف

محمد قائم ' قائم ' تخلص

ذهن سلیم و فکر مستقیم دارد ۔ اشعار آبدارش محتوی لطافت ' و ابکار افکارش حاوی ملاحت —

آدم کا جسم جن کے عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رهی تهی سو عاشق کا دل بنا

قائم هر ایک کوچے میں هے طرفہ تعزیہ
یوسف ترے کی گرمی بازار یک طرف
دلال ایک سمت سے منہ کو ملیں هیں خاک
سر پیٹتے پهرے هیں خریدار یک طرف

میر تقی ' میر ' و فتح علی خان این ابیات می نویسند:—

دریا هی پهر تو نام هے هر ایک حباب کا
اُٹھ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
کیوں چھوڑتے هو درد تہ جام سے کهو!
ذرہ یہ بهی هے آخر اُسی آفتاب کا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا — آہ چپ بهی رها نہیں جاتا
جاے ماتم کو نت مرے دل میں — اس نگر سے دها نہیں جاتا
هر دم آنے سے میں بهی هوں نادم — کیا کروں پر رها نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

الہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور
پر اس مزے کو سمجھتا، جو تو بشر ہوتا

بناوے کوئی عمارت سو کس توقع پر
پڑا ہے قصر فریدوں، بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کر لے ' قائم '
پھر امید نہیں یہ کہ جواں ہووے گا

کو نوحہ گر، کہ خاک پہ میری ہو گرم شور
تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کدھر اے صیاد
کاش تیں ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

صحرا پہ گر جنوں مجھے لاوے عتاب میں
کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حباب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا، گر میں بو کروں

کھولے * ہے چشم دید کو تیری پہ جیوں حباب
اپنے تئیں میں آپ نہ آیا نظر کہیں
رہنے دو میری نعش کو ہوجاے تا غبار
لے جاے گی اُڑا کے نسیم سحر کہیں

---

* (ن) کھلتی—

اے دل برنگ غنچہ نہ مل گلر خوں سے توں
اپنی گرہ میں اُن کے کھلانے کو رز نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھہ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہگذر میں پڑا ہوں برنگ نقش قدم
تیں چھوڑا کس کے بھروسے پہ کارواں مجکو

(قطعہ بند)

یارو بے فائدہ کیوں بکتے ہو مجھہ سے جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے ' اتنی اُسے سمجھاؤ
وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا
یا کوئی جیوے مصیبوں ستی یا مر جاؤ

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو
میں کہا خلق تمہاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کبھی کچھہ ذکر بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہووے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

راہ پہنچے اسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام سے اب پھیر کبھو

---

* (ن) نعمن -

یارب کوئی اِس چشم کا بیمار نہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہووے

مخفی نماند کہ دیرن شعر همین قدر نزاکت است کہ شاعر بموجب تلفظ عام موزون کردہ و خطاب بدشمن دشمن نمودہ ' لیکن (و) :-

نباشد دشمن دشمن بجز دوست

جیو میں چھلیں تھیں جو کچھہ سوگئیں* اب یار کے ساتھہ
سر پٹکتا ھی بنا† اب در و دیوار کے ساتھہ
میں دیوانہ ھوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جاے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھہ

موقوف شغل گریہ مري چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے
پہلے ھی سوجھتی تھی ھمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ھے خدا ھی سحر کرے

تجھہ سے لگیں تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر ھے‡ کسو کی ' گرفتار ھے کوئی

دھن تیرے کو پایا بات کہتے — ھماری جزرسی میں کیا سخن ھے
نہ لگا دل کو اس کی مژگاں سے — اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے — بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
میں جاتا ھوں کعبہ سے اب دیر کو — بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

---

* (ن) توگئیں   † (ن) پڑا   ‡ (ن) تھی

نہ مرنے دیتے ہم "قائم" کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اُسے
دھوکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گذرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہمرہان پیش قدم! تم کدھر گئے؟

جیو تج چکا ہے ایسے حسینوں* کے ہات سے
دل دیکھنے کو لے کے یہ ظالم مکر گئے

افغان و آہ کُشتۂ بے داد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

(رباعی)

کیا چشم ہوں دنیا کے یوسب اہل نعیم
بے قدر کریں ہم کو جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم نہو برائے تعظیم

بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر — ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بہار عمر ہے "قائم" کوئی دن — اُسے جوں گل، پیارے! کاٹ ہنس کر

---

* (ن) جور فروشوں

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب بے درد پوچھے ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں اُنھوں کو عیش سوجھے ہیں

"روکے ہے کون تیغ" مرے عشق نے کہا
بولا اُدھر سے داغ جگر لے سپر "کہ ہم"

دل ڈھونڈتا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
یہاں راکھہ کا ایک ڈھیر ہے اور آگ دبی ہے

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سرشتہ جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

میر قدرت اللہ 'قدرت' تخلص

از شاہ جہان‌آباد است، قدرت سخن گوئی ازین بیتش کہ در تذکرۂ میر و فتح علی خان مندرج است، ظاہر می شود :-

قاصد شتاب جاکے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹ بری ہے دل بے قرار کی

'قدر'

قدر شعرش ازین بیت او کہ میر تقی 'میر' و فتح علی خان نوشتہ، ہویدا است: -

آے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

شاہ قاسم ، قاسم ، تخلص

مضامین صاف وشستہ می جوید، و شعر رابہ نہایت عذوبت می گوید - با راقم سطور در ' حیدرآباد ' ملاقات سر سری دست داد ، عزیز کسے بہ نظر آمد، حق تعالیٰ سلامت دارد ——

عجب اُس خوش ادا کے پاؤں میں سونے کے توڑے ہیں
گویا خورشید کے حلقے یہ قدرت نے جوڑے ہیں

بتقابل این بیت ، بیت حضرت میر صاحب و قبلہ میر غلام علی ' آزاد ' مدظلہ اللہ تعالیٰ این وقت بیاد آمد ، آزان جا کہ لطفے دارد ، دل بے اختیار خواست کہ بہ تحریر آید ، لہذا نوشتہ شد:——

نہ از خلخال زریں زیور آن سرو سہی کردہ
بپایش بوسہ زد خورشید و قالب را تہی کردہ

وو گلرو کی سیہ زلفوں سے ڈرتا ہے ہمارا دل
گلابی باغ میں یہ بے طرح کے ناگ چھوڑے ہیں

مرا دل خوف کرتا ہے تری بانکی نگاہوں سے
نہ ڈالے حق کسی کو کام ان چشم سیاہوں سے
رہوں کب تک میں ڈاواں ڈول ایسا ڈوبتا ترتا
نکالے حق تعالیٰ مجکو ان الفت کے چاہوں سے
اثر کرتا نہیں اُس سنگدل پر درد کیا کیجے
وگرنہ قلعۂ افلاک اڑوں دم کی آہوں سے

دل تمہارا مجھہ سے گر بیزار ہے خوش رہو میرا بھی اللہ یار ہے

نہ یارو! مجکو پہچانا کسی نے   نہ میرا درد دل جانا کسی نے

اس چشم پر خمار کو دیکھا جو خواب میں
نرگس کی نیند تب سے چمن میں اُچٹ گئی
بلبل چمن سے اُٹھہ کے * چلی تھی بہار میں
بو گل کی دوستی (کی) اُسے اُڑ کے لپٹ گئی

مت کسی سے تم اتحاد رکھو   یہ زمانہ ھے بے وفاؤں کا

دنیا میں دل کسی سے لگانا بھلا نہیں
اس دوستی کے پیچ میں آنا بھلا نہیں
جب تک وو لالہ رو نظر آتا نہیں مجھے
یہ داغ دل کسی کو دکھانا بھلا نہیں
بیتاب و بیقرار مجھے چھوڑ کر سجن!
اب ھم کو ایسے وقت میں جانا بولا نہیں
وو شوخ تند خو ھے، نپٹ زود رنج ھے
دامن کو اُس کے ھات لگانا بھلا نہیں
میں جس کو دل دیا سو وہ دشمن ھوا مرا
'قاسم' میں کیا کروں یہ زمانا بھلا نہیں

فقیر هم درین زمین ریخته ابیا تے چند بسلک نظم کشیده و مصرع مطلع 'قاسم' را تضمین نموده' این سه بیت از آنست (ابیات) : —

---

* (ن) روٹھہ —

مالی ہے مست خواب جگانا بھلا نہیں
بلبل کے حق میں شور مچانا بھلا نہیں
اے آفتاب دربدر اور زرد رو ہے تو
ہر روز کوے یار میں جانا بھلا نہیں
'صاحب' یہ واقعی ہے جو 'قاسم' نے اب کہا
دنیا میں دل کسی سے لگانا بھلا نہیں

فتح علی خان این ابیات بنامش می نویسد :—

دیکھہ مجھہ چہرۂ طلا کا رنگ   اُڑ گیا آج کہربا کا رنگ

میں ہار دیا، جان! تجھے مولسری کا
اک دام بھی تجھہ سے نہ لیا مول سری کا

مجھے اے سرو قد تجھہ ناز نے مارا نزاکت سے
بجائے گل ہماری قبر اوپر ناز بو رکھو

قاسم دوم *

احوالش معلوم نیست، میر تقی 'میر' این بیت می نویسد: —

گلی میں سرکے لٹ سیلی سوا ہے خال کا دانہ
ہوے جو گی تو کیا یہاں وہاں جدھر نکلے تدھر نکلے

قادری *

احوالش و اشعار بفقیر نرسید، مگر این یک بیت درتذکرۂ فتح علی خان دیدہ شد: —

---

* نکات الشعراء کے موجودہ نسخے میں نہیں ہے —

† سید خلوص - ریختہ را ہموار گوید و درد کن بسر می برد - (فتح الکردیزی)

خوش لگا جب سے فقر کا کمل   پشم کو بوجھتا ہوں دنیا کو

میرزا عزت بخش ، قربان ، تخلص

جوان قابل ، در فارسی ، سخن دان ، تخلص می کند ، مولد او خاک خجستہ بنیاد است . الحال بقلعۂ فیروز گڈھ ، می گذراند ، ازوست :—

حرف حق پر قتل واجب ہے نہیں اے جاہلو
ہاے مت منصور کو مارو خدا کے واسطے

مشکل تھا اُس کو بحر حمیت ستی عبور
کچکول کی جو کشتی نہ لگتی گدا کے ہات

میرزا رضا بیگ ، قمر ، تخلص

از موزونان خجستہ بنیاد است ، فکر سریع السیر و ذہن رسا دارد . فروغ ذاتش از انظار آفتاب طبع ، میرزا ، روشنی گرفتہ ، و اکثر ریختہاے ، یقین ، را تتبع نمودہ ، سخن بشستگی و رفتگی می گوید ، و با راقم سطور ارتباطے می دارد ، این چند ابیات ازو نوشتہ شد :—

ہزار شکر مرا مدعا ہوا حاصل
اگرچہ عشق میں کئی رنج اور بلا دیکھا

پابندی سے دل ہوکر آزاد بہت رویا
زنجیر کو زلفوں کے کر یاد بہت رویا

دل زلف میں جا اُلجھا اس شانے سے کیا ہوگا
کئی گرھیں پڑیں اِس میں سلجھانے سے کیا ہوگا

مغرور نہ ہو ساقی! توں مے کے اوپر ایتنا
لبریز کہیں تیرا پیمانہ ہو جاوے گا

ملتے ہو 'قمر' سے تم گر دل کی صفائی سے
زانو سے ملا زانو بیٹھو گے تو کیا ہوگا

مہاں! کس دھج سے آتے ہو اہا ہا ہا اہا ہا ہا
ادا سے مسکراتے ہو اہا ہا ہا اہا ہا ہا
کہیں سے چس رہی چولی، کہیں دامن ہوا ٹکڑے
بہت شوخی مچاتے ہو اہا ہا ہا اہا ہا ہا

ایک تم، کیا ہم نے سب عالم تو دیکھے بے وفا
کوئی دلبر نہیں ہے جس کے ساتھ دل بہلائیے
عرض کرتا ہے 'قمر' کچھ بات کہنا ہے ضرور
یا مجھے ہوے حکم وہاں پہ آپ یہاں تک آئیے

باب الراء

بندرابن ' راقم ' تخلص

راقم اشعار آبدار و ناظم لآلي شاهوار است - اصلاح سخن ز میرزا ' سودا ' می گیرد ' و در شاه جهان آباد بسر می برد - این چند ابیات از ' نکات الشعرا ' رقم می نماید :—

یهاں تک قبول کیجے خاطر تری جفا کو
تا سب کہیں کہ ' راقم ' رحمت تری وفا کو

میر تقی ' میر ' نوشته که " این معنی را در دیوان میر عبدالحی ' تابان ' مرحوم ' بتغیر ردیف بهمین الفاظ مطالعه کرده ام - ظن غالب آنست که این شعر از ' تابان ' مذکور است ' چرا که او از مدت مشق سخن می کرد و این نو مشق است - والله اعلم - " صاحب می گوید که بنظر فقیر بیت ' تابان ' در آمد ' عجب این که در تذکرهٔ ' میر ' بترجمهٔ ' تابان ' مسطور است و ' میر ' را ملاحظه نیافتاده - بیت این ست :—

جفا تو چاہئے اے شوخ مجھه په یهاں تک کر
که سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں

دل کنج قفس میں کر فریاد بہت رویا
ملنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا

* میرے اعضا میں تجھہ کمر سے میاں　　فرق ہرگز نہیں سر مو کا

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں　　موج دریا ہے شکنج آستیں

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کریں ہیں ابرو
یہ کہہ کے میں نے اُس سے جب دل کی داد چاہی (قطعہ بند)
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھہ غرض
مجھہ کو قسم ہے توڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں تک بیٹھہ کر کہیں

کس کے گلے کا قطرۂ خوں ہے تہ زمیں
جیوں تکمہ اُگتے ہیں گل اورنگ ابتلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھہ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سر زمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سلتے تھے ہم جہان میں اہل کرم کا ہات
آیا جو دیدہ میں تو کم از آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ میگساراں
رہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
سنا کن نے حال میرا کہ جیوں ابر وہ نہ رویا

---

* یہ شعر نکات الشعراء میں نہیں ہے—

رکھے ہے مگر یے قصہ اثر دعاے یاراں

بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل فہم نگہ کو
اُس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق مجھے کوئی طرح مار تا یار کہے کہ ہائے عاشق

کام عاشقوں کا کچھہ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے یا تری بخشش ہے بہت
اپنی رحمت کو نظر کر میرے عصیاں کو نہ دیکھہ

صیاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تونے کچھہ کہ دل و دیدہ کیا ہوے

نامے کا میرے اُس سے لےکر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد! شتاب پھرنا
ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھاھمیں میسر
گلشن میں سات اُس کے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے — اُڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہر مقصود اے دل — صدف کی طرح توں پاس نفس کر

'رسوا'

میگویند که هندو پسرے بود، ودر دبستان میخواند، که ناگاه دلش مائل زلف گره دار مسلمان پسرے شد، رفته رفته عشق از طرفین انضباط یافت. روزے منظورش طعام می خورد، و 'رسوا' حاضر بود، طلبید، و تکلیف طعام خوردن کرد - از آنجا که سرشتۂ محبت درست داشت، انکار را بر خود گوارا ندید، ناچار گشته این واسوخت که بر غزل حضرت مولوی 'جامی' است، بر خواند :-

(مسدس)

مجنوں نہیں کہ جاکے میں صحرا کو سر کروں
فرہاد نہیں کہ کوہ کو زیر و زبر کروں
تیری گلی میں آکے کدھی گر گزر کروں
یک عاشق ضعیف ہوں تجکو خبر کروں
"اے ترک شوخ ایں ہمہ ناز و عتاب چیست
بادل شکستگاں ستم بے حساب چیست"

کہتے ہیں شیخ یوں کہ تو اسلام کر قبول
اور برہمن یوں کہتے بتوں کے تئیں نہ بھول
رہتا ہوں روز و شب میں اسی فکر میں ملول
کس کا کہا میں مانوں اور کس کا کروں عدول
"از کوے تو بہ کعبہ روم یا بہ بت کدہ
اے پیر رہ بگو کہ طریق ثواب چیست"

مر جاؤں گا تغافلی سے مت دے گالیاں
آگے تو جانتا نہ تھا اب کن سکھا لیاں
پلکھیاں ھیں تیری نشتریں جب سامنے کیاں
لایا چھری ذبح کو مرے کیوں تو اے میاں
"خنجر کشیدہ در پئے قتلم شتاب چیست
خود کشتہ ام ہلاک ترا اضطراب چیست"

رو رو کے زور کا توں ھوں میں تجھہ بنا اے یار
اور شب تمام جاگ کے گھڑیاں کروں شمار
ہر چند اپنا حال کیا تجکو آشکار
تو بھرحم نہ آیا مجھے دے کے انتظار
"گفتی شبے بخواب تو آیم ولے چہ سود
ماخود در عمر خویش ندانم کہ خواب چیست"

مقطع این و اسوخت بفقیر نرسیدہ، لہذا نوعے بنا خن اشک دل را می خراشد، و میر تقی 'میر' نوشتہ کہ "پیشتر عاشق طفل ھندوے بود، او از قضا مرد، عاشقی او بہ ھوس مبدل گشت" انتہیٰ- غرض نو مسلم مقررے است و دیوانہ بکوچہ و بر زن خراب و خوار می گشت، مسلم از ان جا ست کہ 'رسوا' تخلص می کند- شعراے دھلی کہ در اشعار خود خطاب بہ شیخ می کنند و رسوائی او بیان می نمایند، اکثر کنایہ ازان است- اشعار درد مندانۂ 'رسوا' بسیار بنظر در آمد، این ابیات از وست:-

نہیں رو رو کے قاصد یار کی فریاد کرتا ھوں
ترا مکھہ دیکھہ کر اپنے کھے کو یاد کرتا ھوں

نہ جانو عیش میں کچھہ عمر اپنی صرف کرتا ھوں
جو کچھہ باقی ھیں دن میرے اُنھیں رو رو کے بھرتا ھوں

رو رو کے چشم ہجر میں بے نور ہو گئیں
جاری ہیں اشک، ہائے کیا ناسور ہو گئیں

قشقہ مجھے نہ مارو قاتل کا منہ دکھاؤ فصاد کیا کرے گا جلاد کو بلاؤ

جو کوئی چاہے کہ اُس کو جست وجو کر لائیے
یار کے کوچے میں یا صحرا میں رسوا پائیے

این ابیات فتح علی خان و میر محمد تقی 'میر' می نویسند:-

قفس سے واں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بے تاب ہو
اس دوانے دل کو 'رسوا' کس طرح سمجھائیے

ہر گلی گر گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت ہے برستا یا برستی ہے شراب

آرام تو کہاں کہ تک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

عبدالرحیم 'رحیم'

میر تقی 'میر' این بیت می نویسد:-

آیا فراق اب بہو کا سدہ بدہ گنوا مجنوں ہوا
جس بات وو لیلیٰ گئی اُس بات مجھہ جانا پڑا

فوراالدین حسین خان 'رنگین' تخلص *

---

* فورالدین علی 'رنگین' تخلص

پسر ضیاء الدین حسین خان است، کہ صدرالصدور مملکت دکن بود. مدت دو سال ضمیمۂ صدارت بخدمت خان سامانی سرکار نواب آصف جاہ امتیاز داشت - مشار الیہ بعد فوت پدر باضافۂ منصب و خطاب ضیاء الدین حسین خان سرفرازی یافت- جوان قابل است- (تحفة الشعراء)

اورنگ آبادی در حدت فهم و ذکاے طبیعت ممتاز، و بخطاب پدر خود ضیاءالدین حسین خان سر فراز - پدرش صدرالصدور دکن و واقف اکثر غرائب هر فن بود ، و والد فقیر پیشکاری او می نمود - رنگین جوانے بود که جامۀ رنگین بربالاے او دوخته ، و شمع نجابت از جبینش افروخته - بمصاهرت قاضی کریم الدین خان قاضی بلدۀ خجسته بنیاد علم امتیاز می افراشت، وبا میر 'مهربان' که احوالش گذشت ، قرابت قریبه داشت - شعر ریخته و فارسی هر دو می گفت ، اما در قسم غزل طبعش چندان مناسب نبود - دو مثنوی دارد، در کمال لطافت و تمام بلاغت - غزل فارسی او بهمه جهت شصت، و چند غزل آن هم بعضے بے مطلع و بر خے بے مقطع - در عین جوانی جهان فانی را وداع نمود ، و داغ تاسف بر دلهاے احباب افزود - ازین سبب مسودات او که دراصل قلیل و منتشر بودند، زیاده تر انتشار گرفتند - " روضة الشهدا " را بطور وقائع مقبل می خواست که بنظم آورد ، والله اعلم چه گذشت - مباحثۀ که میر 'مهربان' را با خان ' رنگین ' بظهور آمده بود ، در ترجمۀ 'مهربان ' مفصلاً تحریر نموده شد - اول ' رجا ' تخلص می کرد، بعده رنگین قرار داد - میر ' مهربان ' تاریخ و فاتش که در سنة اثنین و سبعین و مائة والف واقع شده ، چنین در سلک نظم کشیده (تاریخ) :—

از جهاں رفت خان رنگینے نتوان یافت میرزا ے چنین
سال فوتش شنیدم از هاتف باجل رفت از جهاں رنگین

اگرچه متحقق است که کسے بے اجل نمے میرد ، مرد مان

گفتند که کسے زهر داده باشد، ورنه موت این قسم جوان از جملۀ استعجاب ـ 'مهربان' در آن محفل حاضر بود؛ این مصرع بداهۀ گفت: (ع) باجل رفت از جهاں رنگین ـ چون عدد کردند، بے کم و زیاد تاریخ بر آمد ـ از ان جا که غرابت داشت، قطعه نموده شد ـ بعد اتمام 'چمنستان شعراء' بزبانی تو ابع 'رنگین' که بوقت موت او حاضر بودند، معلوم شد که بتاریخ بست و چهارم جماد ی الثانیه سنة سبعین ومائة والف، روز جمعه یک پاس روز برآمده در بلدۀ ایلچپور 'رنگین' بمرگ مفاجات جان بحق تسلیم نموده ـ فقیر بنا برین قطعۀ تاریخ انشا کرد، این است :- (تاریخ)

سخن سنج معنی گزیں خان 'رنگین'
چو شد بهر گلگشت گلزار عقبیٰ
ندا داد هاتف پئے سال فوتش
به مرگ مفاجات او شد ز دنیا
(۱۱۷۰ ه)

رنگ شعرش اینست :—

نهیں هے آواز سے خالی یه نیستاں میرا
آه کرتا هے سدا یه دل نالاں میرا
سبز نهیں جور ترا موسم خط میرے پر
دام میں مور کے نهیں هے یه سلیماں میرا
رشتۀ عمر کے نزدیک هے مقراض اجل
بے سبب چاک نهیں هے یه گریباں میرا

لال چند 'رنگین'

از قوم کایستان، مانند تخلص خود رنگین مزاج و شیرین

گفتار است - در عنفوان جوانی مائل بلهو و لعب و عیش و طرب بود - الحال چندے بخدمت شاه 'سامی' مشغول استفاده گشت؛ از بسکه ذهن و قاد وطبع نقاد داشت؛ باندک مایهٔ فرصت زبان دان و معنی شناس شد - گاه گاهے با راقم سطور برمی خورد؛ از اوست :—

آج وو شوخ رنگیلا جو چمن میں آوے
سرو چلنے کو لگے؛ غنچہ سخن میں آوے
ناصحوں کی بھی نصیحت نہیں اب اس کو قبول
بات کرتا ہے ووھی اس کے جو من میں آوے
زاغ کو کبک کی رفتار نہیں آنے کی
بوالہوس کو نہ کبھو عشق کے فن میں آوے
مردم چشم کا گھر ڈوب گیا رونے سیں
اشک کے طفل بلا کون نین میں آوے
جس کے تئیں ہوسکے خواھش سخن 'رنگیں' کی
ھند سے نہیں ہے عجب گر وو دکن میں آوے

عشق میں کوئی نہیں آج مرے آئین کا
کہ گرفتار ہوں میں سلسلہ پر تمکیں کا
کام میں اپنے ہوں سر گرم نہیں کس سے کام
ھجو سے دق نہیں' مشتاق نہیں تحسیں کا

'رضا'

از خاک لاھور است' والحال باراجهٔ 'شاپور' بسر می برد - این ابیات از بیاض حاجی علی اکبر رمال بقلم آمد :—

بازار محبت میں اے سہتگنو تم سے
زردار کا سودا ہے، بے زر کا خدا حافظ
دیکھا جو جہاں فانی، بولا یہ 'رضا' مصرع
دنیا تو گذرتی ہے، محشر کا خدا حافظ

محمد رضا بیگ 'رضا' تخلص

از تلامذۂ شاہ 'سراج' مغل چغتۂ برلاس است - جدش از 'بدخشان' در 'هند' آمده بود - و پدرش در 'شاه جہاں آباد' متولد شده، و بعدانقضاے ایام غفلت وارد 'دکن' گشته - مولد 'رضا' خاک 'اورنگ آباد' است - اشعار خوب خوب دارد - فقیر بوقت تالیف این کتاب رقعۂ متضمن طلب اشعار 'رضا بیگ' مصحوب شیخ احمد که خیلے مرد خلیق و هم دبستان فقیر است - نزد شاہ 'سراج' فرستادم - در جواب این قدر ابیات بقلم آوردند، نوشته می شود :—

یار کا جور وستم کیوں نہ میں برداشت کروں
اس سے آئندہ مجھے چشم کرم باقی ہے
بعد مرنے کے رہوں گا میں کفن میں بیتاب
بس کہ سینے میں 'رضا' یار کا غم باقی ہے

ہے کس قدر مرا صنم خود نما دو رنگ
آئینہ اُس کے سامنے آکر ہوا دو رنگ

چھپا و مت وو رخ بے نقاب پردے میں
نہیں رہا ہے کہیں آفتاب پردے میں

رکھا ہوں الفت ساقی کو اس طرح سے نہاں
کہ جس طرح سے پیئے کوئی شراب پردے میں

کار دنیا کیجئے یا فکر عقبیٰ کیجئے
عمر کا عرصہ نپٹ تنگ، اس میں کیا دیا کیجئے
گرچہ ہم کو جلوۂ دیدار کی طاقت نہیں
ایک دم جو دیکھہ ہی ہونا ہوے تماشا کیجئے

اے 'رضا' اپنی تمنا ستی بالکل اُتھہ جا
عشق کی راہ میں تسلیم و رضا لازم ہے

'رونق'

بر حالش اطلاع کما ہی دست نداد. امّا از طور کلامش آشکار می شود کہ زاد بومش سرزمین دکن است- این دوسہ ابیات از بیاض خان 'انور' تحریر شد:—

سبز جامہ بر میں پیو کے انگ پیدا ہے دکھو
شمع کافوری اُپر فانوس مینا ہے دکھو
حسن کے مہمان خاطر لا رکھے ہے حاضری
سبز خط لب کے نمکداں پر پدینا ہے دکھو
چشم کی پتلی ہوی ہے سرخ از خون جگر
خاتم سیمیں پہ یاقوت و نگینا ہے دکھو
موتیا رابیل پھولی ہے گلابی باغ میں
منہہ پہ اُس گل‌رو کے شبنم کا پسینا ہے دکھو



باب الشین

حسن علی ' شوق ' تخلص

شوق از بہم رسانیدن مضامین تازہ بسیار داشت ' و اصلاح سخن بدست سراج الدین علی خان ' آرزو ' میگرفت - اشعار طبع زادش دل نظارگیان را شوخی تازہ می بخشد - میر تقی ' میر ' و فتح علی خان این ابیات انتخاب می نمایند: —

قاصد پھرا نہ وہاں سے جواب تک تو آچکا
القصہ اُس گلی میں گیا جو سو جاچکا

اے یاس مجھ کو کام اجابت سے کیا رہا
وقتے کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اُٹھا چکا

کیا کیا ستم نہ تھے کہ دکھے چشم یار نے
جو سختیاں تھیں مجکو زمانہ دکھا چکا

———

اگر قاصد ترے کوچے سے تک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے! دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

———

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں! گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کے ادائے شکر کرتا ہوں

عبور بحر دنیا ' میں سبکساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

سراپا آرسی ہیں دیدۂ بیدار پر تو بھی
تری اِس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتے

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مرگذرا
مری فردائے محشر آج ہے، میں کل سے درگذرا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے
برنگ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گذرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ مری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تروار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مرچکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا فتنہ ایک ناز ہے
ہوچکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ہے

خبر لے 'شوق' کی ظالم! تری فرقت سے مرتا ہے
بد از تلوار ہے اُس پر جو کوئی دم گذرتا ہے

بجھی گی آتش دل ' ہم نے جانا تھا بہار آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

بجز سرور کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اُس کی زلف کو جانا بڑی ہے سودائی

آج ہی ملو تو بہتر' وعدہ غلط ہے کل کا
جیوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

آنکھوں کی سماہی بھی سفیدی کی نظر کی
رو رو کے تری یاد میں ہوں شام سحر کی

'شاغل'

شاگرد 'بسمل' است' میر تقی 'میر' و فتح علی خان این یک بیت بنامش مینویسند:—

جاتی نہیں ہے اُس سے تری فکر زلف و رخ
'شاغل' کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

میر سید محمد 'شاعر'

شاعر یست عالی مقدار و موزو نیست یگانۂ روزگار- قلم دوزبان را آن قدر قدرت نیست که فضائل آن جناب کماینبغی بر طرازد، ولسان ناقص بیان را آن چنان طاقت نه که تقرر کمال آن والا اقتدار کماحقه پردازد- بهتر آن ست که بجنس ترجمۂ که حضرت میر غلام علی 'آزاد' مدظله‌العالی در 'سر و آزاد' بتحریر آورده نقل نمایم' و از دوسه اشعار ریختۂ آن جناب که بدست خط خاص بفقیر رسیده' قلمی نموده' نظارگیان این گلشن را گلدستۂ تازه عطا فرمایم- "میر سید محمد المتخلص 'بشاعر' سلمه‌الله تعالی خلف الصدق حضرت میر غلام میر عبدالجلیل بلگرامی نورالله ضریحه از وجود همایون سابقاً چمن فضلارا بهاری تازه است' و اکنون گلستان فصحارا رونقی بے اندازه- آن جناب در تاریخ چهاردهم شهر ربیع‌الاول سنة احدی و مائة و الف' بشهرستان امکان

رسید۔ بمنطوق " الولدالحر یقتدي بابائه الغر" نسخهٔ جامع اصناف علوم است، و مرآتِ فضائل و کمالات والد مرحوم - خصوص عربیت و لغت و محاضرات که درین فنون رآیت یکتائی می افرازد، وگوے سبقت از اقران می رباید - کتب درسی نزداستاد المحققین میر طفیل محمد بلگراسی طاب ثراه گزرانید، و کمالات کثیره از والد ماجد خود اندوخت - پدرگرامی رانسبت بفرزند ارجمند ورای شفقت اُبوت، عنایتے و محبتے خاص بود، ودرحینے که علامهٔ مرحوم از بهکهر بدارالخلافهٔ ' شاه‌جهان‌آباد ' عطف عنان نمود، میر سید محمد را نزد خود طلبیده، و مقارن آن مصرعی را فرستاد که چندے توقف باید کرد، و انتظار طلب مثنی باید کشید - ' میر ' در جواب قلمی فرمود که " لن ابرح الارض حتی یأذن لی ابی" علامهٔ مرحوم ازین جواب حظے کرده و این رباعی رقم‌زدهٔ کلک جواهر سلک ساخت که:— (رباعی)

تا یاذن لی ابی بخطت دیدم گلهاے طرب از چمن‌دل چیدم
از غایت اهتزاز پروانه صفت اے شمعِ پدر گرد سرت گردیدم

دراواخر عهد محمد فرخ سیر علامهٔ مرحوم خود مستعفی شده، خدمات بهکهرو سیوستان را بنام والد ارشد گرفت - جناب میر سید محمد در سنهٔ ثلث و ثلثین و مائة و الف بمحل خدمات رسید و مسند حکومت را از ابتدا تا انتها بشیوهٔ تدین و حسن معاملت رونق بخشید۔ وضیع و شریف آن

دیار تا الآن یاد می کنند، و سبحهٔ ذکر خیر و حسن جمیل
می گردانند - 'میر' در سنة ثلث و اربعین و مائة و الف
کاتب الحروف را بسیوستان نائب گذاشته، خود بدار السلام
بلگرام تشریف آورد و چندے در وطن گذرانیده بنابر تخللے که
در خدمت راه یافته بود، بدارالخلافهٔ شاه جهان‌آباد حرکت کرد،
و بتوسل بعض امرا آن خلل را رفع ساخت - و در سنة خمس و
اربعین و مائة والف کرة ثانی بسیوستان تشریف آورد، و
بنده را در اواسط سنة اربع و اربعین و مائة و الف رخصت
هندوستان فرمود و خود بمراسم خدمت مرجوعه بدستور قیام
نمود - تا آنکه 'نادرشاه' بر دیار 'سنده' مسلط گردید، و سر رشتهٔ
خدمات پادشاهی گسیخت - اما خدایار خان مرزبان سنده 'میر' را
بگذاشت و باعزاز و اکرام تمام‌اندر 'سیوستان' نگاه داشت، و
از جانب خود خدمتها بتقدیم رسانید. چون هنگامهٔ نادر شاهیان
در آن دیار گرم شد و اوضاع ملک بر نسق سابق نماند، خاطر
اقدس از اقامت آنجا برخاست و از خدا یار خان خواه نخواه
رخصت گرفت، و بست و پنجم رمضان سنة خمس و خمسین و
مائة و الف از 'سیوستان' بر آمد، و از راه 'مارواڑ' متوجه وطن
شده - بعد طی مراحل به بست و هفتم محرم مکرم سنة ست و
خمسین و مائة و الف بوصول بلگرام مسرت اندوخت - 'میر' طبعے
وقاد و ذهنے نقاد دارد - چون از مطالعهٔ کتاب باز می پردازد،
عنان اندیشه بوادی سخن عطف می سازد - مهارت زبان عربی و
فارسی و هندی از حد افزون است، و اشعار السنهٔ ثلاثه در
خزانهٔ حافظهٔ عالی از حصر بیرون - سخن را اکثر اوقات موزون

می کند و جواهر آبدار در سلک نظم می کشد -

خورشید زرد رو ہے تجھ سیم تن کے آگے
موتی بھی ناک آیا تیرے سخن کے آگے
غنچے کا دل ہوا خوں تیرے لبوں کے دیکھ
گل چاک چاک سونہ، تجھ گلبدن کے آگے
شمشاد کو کرے گا فکروں سے بید مجنوں
جب ناز سوں چلے گا ملس کو چمن کے آگے
سو ٹوک ٹوک ہوکر جوں شیشہ پھوٹ جاوے
نالہ کروں جو دل سوں غم کا گلگن کے آگے

سید شریف الدین خان 'شرافت' تخلص

نسب او از ترجمۂ میر صاحب 'مہربان' کہ خلف رشید 'شرافت' است، ملاحظہ باید نمود. در پاکی حسب و نسب کالشمس فی وسط النہار محتاج تعریف و توصیف نیست. در شعر فہمی علم یکتائی می افرازد، و انشا را بطور خاص می طرازد. گاہ گاہے فکر شعر ہم می کند، و یک دو بیت جستہ جستہ می گوید - میاں خان 'شرافت' و والد مؤلف اتحاد متجاوز الحد است، و اکثر گاہ از راہ مہربانی تشریف شریف بغریب خانہ می آرد - بالفعل بتعلقۂ احتساب بلدۂ خجستہ بنیاد مامور، و بتالیف کتابے در مناقب غوث الصمدانی قدس سرہ العزیز مصروف است - این چند بیت از وست :-

میں روتا ھی رھا غم نے کیا جاری رواج اپنا
کہ ہے مد نظر ہر کس کو آخر کام کاج اپنا

بگولے کو نہیں ہے سر بلندی خاک بن ہرگز
سریر سلطنت کیا چاہئے ہم خاکساروں کو

ہوگئی آنے سے تیرے، دل کے میخانے میں دھوم
چشم میں مچتی ہے جیسے کیف کے آنے میں دھوم
وصل میں بھی نہیں ہے ہرگز چین بیتابوں کے تئیں
عشق نے ڈالا ہے دیکھو شمع و پروانے میں دھوم

میرزا منعم 'شورش'

نذر باری برادر زادۂ میرزا محمد اکبر 'طپش' است - این عزیز هم از نجباے 'بدخشان' و مرید خاص بلکه پسر خواندۂ حضرت شاه یسین قدس سره است. اگرچه 'شورش' شاگرد عم خود 'طپش' بود، اما بجودت طبع و ذکاے ذهن گوے سبقت از استاد خود ربوده، بلکه در اواخر 'طپش' تلمذ تلمیذ خود اختیار نمود - از بدو شعور تا مدت العمر لباس سرمئی پوشید، و چون سرمه در دیدۂ اهل کمال جا میگزید - بسیار مجردانه و قلندرانه زندگی بسر برده، و در علم موسیقی از سلف و خلف سبقت کرده - کبت بلطافت بسیار می گفت، و جواهر آبدار مضامین در سلک الفاظ هندی می سفت - اشعار ریخته و فارسی بسیار گفته، اما از کمال بے دماغی که داشت، مسودات بشمع و چراغ می سوخت، مگر همان قدر بدست آمد که میرزا محمد اکبر 'طپش' مخفی ازوے

اندوخت۔ و در سنۂ اثنین و سبعین و مائۃ و الف جہان فانی را وداع نمودہ۔ راقم الحروف تاریخ بریختہ می گوید (تاریخ) :-

شاعر خوب مرزا 'منعم' طرف جنت کے جب رکھا وو قدم

دل نے تاریخ کو کہا مجھہ سے مر گیا آہ 'شورش' ہمدم

از 'شورش' است:— (۱۱۷۲ ھ)

ہمارے پاس پی آیا نہ آیا بھروسا کیا ہے جی آیا نہ آیا

جب ستی پہرا ہے بر میں جامہ وو جلاد' سبز

تب سے پایا گلشنوں میں سرو نے ایجاد سبز

شیخ سلطان الدین 'شوریدہ' تخلص

آشنائے درست' و معنی یاب چابک دست است۔ زاد و بومش گلز مین برہان پور' و اشعار رنگینش بخشندۂ سرور۔ درین ولا از خانہ وحشت گزیدہ بامیر' دولت' کہ احوالش گذشت' باورنگ آباد آمدہ بود۔ با فقیر ملاقات متواتر دست داد' و طبع را حظے تازہ حاصل گشت۔ آخر الامر الحال باز معاودت بوطن کرد۔ خدائے تعالی بہ بدرقۂ افضال خود صحیح و سلامت رساند۔ خط نستعلیق خوب میطرازد' و در شعر فہمی علم یکتائی می افرازد۔ با راقم سطور طرفہ گرم جوشیہا نمود کہ می باید' و این طائر وحشی مزاج را بدام الفت خود بنوعی کشید کہ می شاید۔ بیشتر تخلص 'سلطان' قرار دادہ بود' بعد ازان 'تشہیر' مقرر ساخت۔ الحال باشارۂ فقیر تخلص 'شوریدہ' برگزیدہ' وچند ریختہ ہا

بھوون تخلص طرح نمود ، این چند ابیات از طبع زاد اوست :—

یک رنگ میں کئی رنگ بناتا ہے رنگیلا
ہر طرح سوں کئی طرح دکھاتا ہے رنگیلا
تجھ زلف کے دیکھے ستی سنبل کو گیا بھول
میں خودستی بیخود ہوا بس دل کو گیا بھول

رنگیں ادا سے جب تو گیا باغ میں سجن !
ہر نقش پا زمیں پہ نہ تھے گل کے دستے تھے

چشم دریا سے کیوں نہ ہوے طوفاں اشک باراں ہنوز جاری ہے

« شیفتہ »

بر احوالش کما ینبغی اطلاع دست نداد ، لیکن از مشاہدۂ اشعار دل آویزش حظے بغایت دل را حاصل میشود - خوش فکر و خوش خیال است ، چنین می سراید :—

جوش سودا کا ہوا چلئے اُجاڑوں کے بیچ
روئیے خوب پٹک سر کو پہاڑوں کے بیچ
تیری زلفوں میں نہیں ہے دل وحشی میرا
مجنوں بیٹھا ہے سجن ! بہد کے جھاڑوں کے بیچ

ترا جس وقت مجکو غم نہ ہوگا سجن! ایسا کوئی ایک دم نہ ہوگا
رقیب ایسا ہے اب مغرور گویا کبھی اس پر سجن برہم نہ ہوگا
پیارے! ایک دن آتا ہے ایسا ہم اور تم ہونگے یہ عالم نہ ہوگا

ستم سیں باغباں کے خوب روئی
گلے سے گل کے تئیں بلبل لگا کر *

***مولوی محمد باقر 'شہید' تخلص**

طہرانی الاصل است ، تولد او در گجرات شدہ - از چند سال در بلدۂ اورنگ آباد اقامت دارد ، بانواع فضائل متحلی است ، بتوکل میگذراند ، با ستعداد علمیت و قابلیت فکر اشعار دارد ، و صاحب دیوان است - این چند ابیات زادۂ طبع اوست :—

شہید! اوراق ہستی جمع کر جیوں بیرۂ پاں توں
یہ رنگیں بہوس سوں شاید کہ معنی یار کوں پہنچے

بہار درد کوں اس غنچۂ دل میں توں مخفی رکھہ
نہ کر پھر گل خزاں چہرہ سوں راز نہاں میرا (؟)

غنیم نفس کوں ہرگز نہ دے دست تصرف توں
خدا کے واسطے اے دل شرم رکھہ اپنی بستی کا

توں قانون عمل کا تار مت توڑ
کمر طاعت سوں خم کر چنگ ہو جا
شہید اس نفس کافر کیش کوں مار
حقیقت کا مظفر جنگ ہو جا

(تحفۃ الشعراء)

باب التاء

میر عبدالحی ، تاباں ، تخلص

طوطی است شکر بیان ، و بلبلے است هزار داستان ۔ آفتاب طبعش بنهایت درخشانی ، و لآلي گران بهاے سخنش بکمال رخشانی است ۔ می گویند که از وجاهت صوری نصیب وافر برداشته بود ، و متانت معنیش دل نازک خیالان را صید می نمود ۔ لیکن آخر در عین عنفوان شباب ورق زندگانی بگردانید و مؤجه گلگشت جاودانی گردایده آرے (ع) "طفلے که خوش محاوره افتد نه ماندنی است " —

میر تقی ، میر ، در تذکرهٔ ، نکات الشعراء ، اوراشا گرد محمد علی ، حشمت ، می نویسد ، و در دیوان خود اقرار تلمذ ، حاتم ، می نماید ، چنانچه می فرماید :—

اور هی رتبه هوا هے تب سے اُس کے شعر کا
جب سے 'حاتم' نے توجه کی هے 'تاباں' کی طرف

نیز می گوید :—

ریخته کیوں نه میں ، حاتم ، کو سناؤں 'تاباں'
اُس سوا دوسرا کوئی هند میں استاد نہیں

حاتم در دیوان خود اکثر جا یاد می کند :—

ریختے کے فن میں ہوں شاگرد 'حاتم' کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن 'تاباں' کی طرف

ظاہرا تحصیل علوم بخدمت 'حشمت' کردہ باشد' و اصلاح شعر از 'حاتم' می گرفت - روزے فقیر تذکرۂ میر تقی 'میر' می خواند کہ ناگاہ نظر بر احوال 'تابان' افتاد' و این بیت او بر خواندم :—

پاس تو سوتا ہے چنچل ! پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہے صبح

شخصے از یاران گفت کہ ازین بیت 'تابان' مخاطب ثابت نمی شود کہ کیست' فاعل است' یا مفعول ؟ - چون بہرۂ از وجاہت صوری می داشت' اغلب خطاب بعاشق نمودہ باشد. فقیر فی الفور این بیت کہ تحت آن بیت تحریر است' برخواند و جواب ادا نمود :—

جیومیں آوے سوکہے تو 'تاباں' کو لیس من فیک شئمنا بقبیح

الحاصل اشعار ہاے رنگین او بسیار آمد - بوقت تحریر این کتاب دیوان مختصرے قریب ہفت صد بیت بدست اُفتاد' این چند ابیات انتخاب یافت :—

نہ طاقت ہے اشارت کی' نہ کہنے کی' نہ سننے کی
کہوں کیا میں' سنوں کیا میں' بتاؤں کیا بیاں اپنا

بہت چاہا کہ آوے یار' یا اس دل کو صبر آوے
نہ یار آیا' نہ صبر آیا' دیا میں جی فداں اپنا

قفس میں بندھیں' بےبال وپرھیں' سخت بےبس ھیں
نہ گلشن دیکھہ سکتے ھیں' نہ اُڑ کر آشیاں اپنا

مجھے آتا ہے رونا اپنی تنہائی پہ اے 'تاباں'
نہ یار اپنا، نہ دل اپنا، نہ تن اپنا، نہ جاں اپنا

ترے غم سے نسیاں ہے یہاں تک کہ مجھ کو
اِدھر بات کہنا، اُدھر بھول جانا

'تاباں' کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کھوئی بہار خط نے تمہاری بھلا ہوا

بہتا بہوں کا عشق کے کرتا ہے کوں گلہ
'تاباں' اگر یہ دل ہے تو آرام پا چکا

جفا سے اپنے پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا
کہا کہ اب تو اِسے گاڑ دیو ہوا سو ہوا

یوسف کی کبھی گرمی بازار نہ ہوتی
گر اُس کا زلیخا سا خریدار نہ ہوتا

دنیا کے نیک و بد سے کچھ 'تاباں'! نہیں ہے غم مجھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا، گر ووں ہوا تو کیا ہوا

میں ہوں فرہاد سا مجنوں مجھے کیا شہر سے کام
میں سلامت رہوں اور کوہ و بیاباں میرا

مجھے جو دیکھتا ہے اب نہیں پہچانتا ہرگز
ضعیفی سے ہوا ہے اس قدر لاغر بدن میرا

اگر چھوڑ دے گا تو ہم کو قفس سے
تو صیاد کیا تیرا احساں نہ ہوگا

کیا بری ساعت تھی جو صیاد آیا باغ میں
ایک دم میں آشیاں بلبل کا ویراں ہو گیا

حسرت میں دیا جی کو محبت نہ ہوئی راحت
میں حال تیرا سن کر فرہاد ! بہت رویا
نشتر تو لگا تا تھا پر خون جو نکلتا تھا
کر قصد مری آخر فصاد بہت رویا
کر قتل مجھے اُن نے عالم میں بہت ڈھونڈھا
جب مجھ سے نہ پایا کوئی جلاد بہت رویا

سبب کیا ہے کہ تم روٹھے ہو ہم سے
بتاؤ کیا کیا ہم نے تمہارا
ظالم تیرے چہرے سے نمودار تو ہے خط
دیکھوں کہ ترا ظلم کوئی کیونکہ سہیگا
سجا ہے خوب کیا پھبتا آ ہا ہا ہا آہا ہا ہا
کہ ہل جاتا ہے جی میرا آ ہا ہا ہا آ ہا ہا ہا
نہ زلفیں ہیں نہ کاکل ہیں نہ خط خال ہیں ہرگز
تیرا کیا صاف ہے چہرا آ ہا ہا ہا آ ہا ہا ہا

میں خواب میں دیکھا ہے اُسے مہندی لگائے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج بہے گا

مت تو جایا کر چمن میں بار بار اے عندلیب
آخر اس مستی کا کھینچے گا خمار اے عندلیب

بیزار باغباں کو کیا تیرے شور نے
اے کاش تو نہ کھولتی میں منقار عندلیب !

ہوں مبّرا کفر اور اسلام کی باتوں سے میں
ہو بقائے کعبہ ویراں، یا ہو بت خانہ خراب

این سخت کلمۂ بے ادبی است، ارچنین می بود، نیکو می نمود (ع)

ہوئے بستی کعبے میں یا ہوئے بت خانہ خراب

اگرچہ درین مصرع ہم ہمین معنی برآید، لیکن درحقیقت نہ در شریعت -

غیر کے ہاتھہ میں اُس شوخ کا داماں ہے آج
میں ہوں اور ہات مرا، یہی گریباں ہے آج

جامہ زیبوں میں سجیلی ہے مرے یار کی سج
ایک چولی کی سج، اور پھنتۂ بلدار کی سج
پان کھاتا ہوا آتا ہے ادا سے جس وقت
ہول ہوتی ہے ایک عالم کو یہ خونخوار کی سج

کی ہم نے خوب سیر جہاں کی چمن کے بیچ
پائی نہ بو وفا کی کسی گلبدن کے بیچ

کس سے پوچھوں ہائے میں اُس دل کے سمجھانے کی طرح
ساتھہ طفلوں کے نکل پھرتا ہے دیوانے کی طرح

غارت کرے گی ہائے ترے ملک حسن کو
ہے فوج خط کی گرد نمودار بے طرح

تھا گھر ایک اور سارے بیاباں کا ہوا وارث
کوئی مجنوں سا عیارا نہ ہوگا دوسرا ہرگز

ہوں باوفا سے باوفا اور بے وفا سے کیا غرض
ہوں آشنا سے آشنا، بے آشنا سے کیا غرض

مجال کیا ہے جو صیاد باغ میں آوے
جو عندلیب کے تئیں ہووے باغباں سے ربط

بے طرح صیاد بیٹھا ہے تمھارے فکر میں
بلبلو! تم آج مت جاؤ گلستاں کی طرف
جب تلک مجنوں تھا اس وادی میں، ویرانہ نہ تھا
ہائے اُس بن خاک اُڑتی ہے بیاباں کی طرف

یہ زاہد بے خبر کیوں عاشقوں پر طعن کرتے ہیں
کہ کہلاتا ہے اے 'تاباں' پیمبر کا خدا عاشق

ارے وہ کیا ہوا جن نے لیا دل نہ دیکھی پھر کبھی میں اُس کی صورت
تمھارا ہر طرح سے ہوچکا دل اب اُس کو جان! تم چاہو نہ چاہو

ایسا نہیں عزیز کوئی گھر بگھر کہ تم
ایسا نہیں خراب کوئی در بدر کہ ہم

رات جاگا ہے کسی غیر کے گھر میں شاید
نشۂ مے سے تری چشم یہ مخمور نہیں

چھپ کر دکھا، جھجک کر دل لے کے بھاگ جانا
کیا اچھپلائیاں ہیں، کیا چنچلائیاں ہیں

گر زلیخا چاہ سے یوسف کو کہتی تھی عزیز
پر کوئی تجھسا نہ دیکھا ہوگا اُن نے خواب میں

مے ہے، مطرب ہے، ہوا ہے، ابر ہے، گلزار میں
تو بھی آ اس وقت اے ظالم شتابی باغ میں

ہم خان ماں فنا کر صحرامیں آرہے ہیں
مجنوں سے بھی زیادہ دھومیں مچارہے ہیں
پابوس کی تمھارے گر ان کو نہیں تمنا
تو کیوں چمن میں غنچے سر کو نوارہے ہیں

میرا ہی خان ماں نہیں ویراں ہوا کوئی
بہتوں کی، کی ہیں عشق نے خانہ خرابیاں

اے ہما مت کھائیو سب بال و پر جھڑ جائینگے
ہیں نمک سے عشق کے شوریدہ میرے استخواں

زاہد ہو اور تقویٰ، عابد ہو اور مصلیٰ
مالا ہوے اور برہمن، صہبا ہوے اور ہم ہوں

تو جور دلربا سے شاکی ہے کیوں کہ 'تاباں'
لیلیٰ نے قیس مارا، شیریں نے کوہ کن کو

ساقی ہو، اور ابر ہو، جام شراب ہو
یارب کبھی تو میری دعا مستجاب ہو
لایا ہمارے سر پہ یہ دل کیا خرابیاں
اس خان ماں خراب کا خانہ خراب ہو

گلے لگ رات کو وہ گلبدن جب سات سوتا ہے
ہمارا صبح کو جامہ بسا پھولوں میں ہوتا ہے

عاشق نے وقت مرگ کہا یار سے یہی
سمجھوں گا تجھہ سے حشر کے دن دیکھہ تو سہی
دیکھا جو میری نبض کو کہنے لگا طبیب
مجنوں موا تھا جس سے یہ آزار ہے وہی

ظالم نے جاں کنی میں مجھے دیکھ کر کہا
عاشق تو کیوں ہوا تھا سزا ہے تری یہی

این ابیات از تذکرۂ 'میر' و فتح علی خان فرا گرفته شد :-

ہے سوز عشق یہاں تئیں مجھ میں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقۂ کمان سا حسرت میں ہوگیا
تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھ میں، میں دیکھ کے سمجھا
'تاباں' تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے، لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں تری عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجھ کو دیکھا ہے مگر اُن نے لب بام کہیں

لے میری خبر، چشم مرے یار کی، کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے منہ پر ترے اُس وقت آجاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحے کو بھی گلرو رقیب سات
لاتا ہے خار قبر پہ میرے بجائے گل

آشنا تو مجھ سے ہے ایسا کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو، اور چمن ہو، مینا ہو اور ہم ہویں
باراں ہو اور ہوا ہو، سبزا ہو اور ہم ہویں
ایمان و دیں سے 'تاباں' کچھ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو اور مے ہو، دنیا ہو اور ہم ہویں

ملایا خاک میں گھر کوہکن کا ہائے خسرو نے
یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

دیکھنا ان ماہ‌رویاں کا تو اے 'تاباں' نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ 'تاباں'   ڈھونڈتے ہوں گے حضرت رمضاں

جیوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع سے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بجا 'تاباں'! جیوں شمع زباں تیری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہ گاری

سفیدی جو آئی ہے داڑھی پہ تیری
سمجھ شیخ یہ‌اں تار و پود کفن ہے

شیخ جی حج کو چلے چڑھ کے گدھے پر یارو!
زور نہیں، ظلم نہیں، عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جی سو ترے غم میں جا چکا
آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم! ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجھ کو 'تاباں' بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہووے گا* ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول کے نہایا تھا ایک دن ' اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجیو مرقد کا اپنی تو قندیل
کھلائیو یہ مری استخواں ہما کے تئیں
جفا تو چاہئے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے "رحمت تری وفا کے تئیں

بہے اشک ازبسکہ آنکھوں سے میری　　لب جو ہوا ہے کنار گریباں

خوان فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم' جلدی سے جان! پہنچو

میں کوئے فریباں پہ جاکر جو دیکھا　　بجز نقش پا لوح تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی 'تاباں' کی ہم نے پھر ظالم!
وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

---

* (ن) ہونے کا ۔

آرزو ہی رہی یہ ، دانۂ تاک قطرۂ مے کبھی نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز
رحم کر رحم ، کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں
جو تو نہ ہوئے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے
تجھے بے مروت ، مروت کہاں ہے
مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو
تری دل ربائی کی غیرت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرزا رفیع ' سودا ' مخمس این ریختہ کہ دوسہ ابیاتش بالا نوشتہ شد ، خوب گفتہ —

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک
قاصد پھرا نہ لے کر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے بر باد مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل! ہم نے بس چپ رہ

تو مے پی اس قدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے
ترا بیہوش ہو جانا ، ہمارا ہوش کھوتا ہے

تیرے ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

بتاں کے شہر نا پرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر ہاں اپنے ' بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھہ پہ کل کی رات اس کے هجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی ' وہ رات پھر آئی

(رباعی)

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
مجکو ہے خمار شب کا ' لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھہ کہ مے ہے باقی ساقی!

میاں صلاح الدین ' تمکین '

اوقات را بشاهجهان آباد بسر می برد ' از وست :-

دیکھہ درشن کو کہا دل نے خدارا عشق است
روح قالب ستی بولی کہ صدارا عشق است
جھک رہیں شوق سے تجھہ درس پہ میری انکھیں
جیوں کہ کعبے کی طرف قبلہ نمارا عشق است
دیکھہ ' تمکین ' تو ترے لب کو رہا تھا خاموش
شوخ گستاخ ' ہو بولا کہ حیارا عشق است

میر تقی ' میر ' و فتح علی خان این یک بیت ' تمکین ' می نویسند :-

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

میر عبداللہ 'تجرد'

از خاک پاک دکن است، چنین می گوید :—

کیا آج اُن لبوں کی ملاحت بیاں کروں

عالم میں شور ہے کہ نمک کو خبر نہیں

ویراں کیا ہے فوج تغافل نے ملک دل

اب لگ تری نگہ کی 'کو لگ' کو خبر نہیں

آنکھیاں سوں دل میں آج 'تجرد' خیال یار

آیا ہے اس طرح کہ پلک کو خبر نہیں

میر تقی 'میر' و فتح علی خان این یک بیت 'تجرد' می‌نویسند :—

تجھہ رو سے لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں

خورشید کہا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں



باب الثاء

شهاب‌الدین ' ثاقب '

از معمورهٔ هندوستان است ' میرمحمد تقی ' میر ' می نویسد که " مردے درویشے است متوکل - شاگرد میاں ' آبرو ' اکنون شعر خود را پیش سراج‌الدین علی خان ' آرزو ' می آرد ' و از چندے بوطن خود رفته که از مضافات بارهه است ' با فقیر آشنائی بسیار داشت ' تحفهٔ روزگار است ' در همه چیز دست دارد و هیچ نمی داند " - فقیر را احوال و اشعار ' ثاقب ' هیچ نرسید ' لهذا بر این اشعار آبدار که میر محمد تقی ' میر ' و فتح علی خان نوشته ' اکتفا نمود —

' ثاقب ' کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا
یہ کون مرگیا ہے ' کس کا ہے یہ جنازا ؟

قتل کا کس کے ہے اب قصد تمھارے دل میں
کیوں رکھاتے ہو میاں ' سان پہ تلوار کے تئیں
چھین کر دل کے تئیں درپئے ایذا ہووے
یار کیجے نہ کسی ایسے دل آزار کے تئیں

باب الخاء

حضرت امیر 'خسرو' دهلوی

خسرو ملک سخن، و فریدون بافر این فن است - فکر رسا و ذهن آسمان پیما می دارد، و طبع را در الفاظ عربی، و فارسی، و هندی، و ترکی، و معما، و صنعت فائکا بهید، و غزل، وجهپه، وکندلیه (؟) وغیره بدقت می گذارد، و معنی آفرین چنین متین خیال ذوفنون چشم روزگار ندیده، و گوش گردون دون نه شنیده - هرچه از کمال او شرح دهم در مقام کوتاهی، در شعر و املا صنعتها خرچ می کند، و غزال سخن را بر شتهاے گونا گون عبارت می بندد (ابیات)

بفکر دور دد پرواز دارد   نبی نبود ولے اعجاز دارد

درانواع سخن شورجهان است   بقدرت 'خسرو' صاحب قران است

مرید حضرت نظام الدین اولیا قدس سره است، راقم 'نفحات' رقم میزند که در بعضے مصنفات خود نوشته است که اشعار من از پا نصد هزار کمتر است، و از چار صد هزار بیشتر- و 'تقی' او حدی نوشته که اشعارش از صد هزار زیاده و از دویست هزار - کم الحاصل علامهٔ عصر بوده است - و فاتش در

سنہ خمس و عشرین و سبع مائۃ در شب جمعہ روداد '
عمرش ہفتاد و چار سال بود۔ مورخے می گوید—(تاریخ)

میر خسرو خسرو ملک سخن آن محیط فضل و دریاے کمال
نظم او دلکش تر از بحر معین نثر او صافی تر از آب زلال
از براے جستن تاریخ او چوں نہادم سر بہ زانوے خیال
شد " عدیم المثل " یک تاریخ او دیگرے شد " طوطی شکر مقال "

مشاطۂ طبعش اکثر بتزئین عروس غزل پرداختہ ' شرح
کمالاتش اگر برطرازم نسخۂ رنگین پیدا می شود ' لہذا موقوف
داشتہ و بعجزخود اعتراف نمودہ ' این دو بیت تیمناً می طرازد:—

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلم چو عمر کوتہ—
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں یہ کاری رتیاں
چو ذرہ حیراں ' چو شمع سوزاں ' بگشتم آخر بہر مہرو—
نہ نیند نیناں ' نہ انگ چیناں ' نہ آپ آوے ' نہ بھیجے پتیاں

میر تقی ' میر ' این دو بیت می نویسد:—

زر گر پسرے چو ماہ پارا کچھہ گھڑیے ' سنواریے ' پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھہ نہ گھڑا ' نہ کچھہ سنوارا

محمد یار ' خاکسار '

مسکنت از تخلص او پیدا ' و قماش سخن از کلامش ہویدا۔
' فتح علی خان ' احوالش می طرازد ' و حرف حق بیان می
سازد کہ " از خدم درگاہ قدم شریف است ' گویند بسیار برخود
می پیچد ' و خود را وراے شعراے مسلم محسوب می کند '
بہر حال شعرش خالی از موزونیت نیست ' و آن کہ بعضے

اعزہ سر باذکار موزونیت او آوردہ اورا از زمرۂ شعرا خارج
می‌کنند۔ ناشی از ستم‌ظریفی و بے انصافی است۔ و شعرش
نسبت بہ شعر اے مسلم بدرجۂ نازل البتہ است، لیکن انکار
موزونیت او بچہ راہ"۔ انتہی مولف این نسخہ را احوال و
اشعارش از خارج نرسیدہ، مگر این ابیات کہ 'فتح علی خاں'
و 'میر' نوشتہ، می نویسد:—

تیری زلف سیہ سے اے پیارے　　مجھکو یک سر ہزار سودا ہے

———

'خاکسار' اُس کی انکھاں کے کہے تو مت لگیو
مجھکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

———

کیا مست بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

———

دولے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اِس خانماں خراب کو چلتا خدا کرے

———

دل! شیفتہ ہوکے کیا کہا تیں　　اے خانہ خراب! کیا کہا تیں

———

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اُٹھینگے گورسے دلگیر ہم

———

کیاہے اس 'خاکسار' کی تقصیر　　یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

———

کیا ہے حاصل تجھے ناصح! مرے سمجھانے میں
آہ جیوں شمع ہے راحت مجھے جل جانے میں
'خاکسار' عاشق میخوار کو تکفی سکی کیا
ابھی دیکھا تھا میں اُس رند کو میخانے میں

———

واسطے چمن کے چا سیل سے لیوے گل کو
گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے! یہ ترا خاکسار جانے ہے
شانہ آہستہ کیجیو حجام تار اُس زلف کا رگ جاں ہے

' خوشنود '

میر تقی ' میر ' این بیت او می نویسد:—

سب رین جاگے سحر پڑہ تو بھی سجن آیا نہیں
جپ جپ کے دیکھے پات میں درشن کو دکھلایا نہیں



باب الذال

میر محمد مستعد 'ذہین' تخلص

شاعر ذہین و مستعد سخنہاے رنگین است - در عین عنفوان جوانی بخاک رفت و جا در عالم باقی گرفت - اشعارش بفقیر نرسید، مگر این دو سہ اشعارش از تذکرۂ فتح علی خاں التقاط یافت :-

ہمارے دل کو مت آزار دے اے باغباں ناحق
جلا مت آتش گل سے ہمارا آشیاں ناحق

ہاے کیا کیجے کہ پہنچی نہ 'ذہین'
کان تک اُس کے ہماری فریاد

ہو اگر کچھ یار کے تشریف فرمانے میں دیر
تو کریں کاہے کو اس دنیا سے ہم جانے میں دیر

جنوں کی ان کے قاصد کچھ نہیں تدبیر کرسکتا
چھٹتے پھرتے نہ دیوانے جو وہ زنجیر کرسکتا
کروں میں کیونکہ اُس کے روبرو شکوہ جفاؤں کا
حیا آتی ہے مجھ کو میں نہیں تقریر کرسکتا

باتیں ہماری راست انھوں نے نہ جانیاں
کیا کیا بتاں کے جی میں بھی ہیں بدگمانیاں
تھے دل! دفا کی راہ سے وہ لطف وہ کرم
کیدھر گئیں بتاں کی وے اب مہربانیاں

باب الضاد

محمد ضیاءالدین 'ضیا' تخلص

نشو و نمایش از خاک هندوستان جنت نشان است - این دو بیت 'ضیا' میر تقی 'میر' و فتح علی خان می نویسد :-

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گر یہاں و خاک اُڑاتا جیوں ابر و جیوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

محمد عطا 'ضیا' تخلص

ضیا گیر از تجلی کدۂ شاہ 'سراج' است، و شمع افروز مجلس ابتہاج - انشا را خوب می نویسد و شعر ریختہ را بہ نہایت عذوبت می گوید - چند ابیات کہ در خط بشاہ 'سراج' نوشتہ بود، بنظر در آمد و این ابیات انتخاب یافت :-

تجھے کیا یاد ہے ساقی وو عالم بے حجابی کا
اِدھر تو جام کا ہنسنا اُدھر رونا گلابی کا

کیا ہے یار کو اس ناز پرور نے سواری پر
سنبھالا ہے کا ائینے نے عہدہ آفتابی کا

اے ساقی دل میں پھرتا ہے خیال اس بے حجابی کا
وہ ہی ساغر کا چلنا اور کھڑا رہنا گلابی کا

اے ساقی غم کے ماروں کی تسلی کو شتابی سے
گلابی کا بھرا آتا ہے منہ وہ بے حجابی سے

تری آنکھوں کو ساقی! دیکھ شاید جان جاتی تھی
گلابی بیٹھی منہ میں جام کے پانی چواتی تھی

کرتا ہے حشر برپا، ساقی سے جلد کہنا
گردن اُٹھا اُٹھاکر مینے کا دیکھے رہنا

رہ گیا ہے اب تو باقی ایک دم کا اشتیاق
ناک میں جی آرہا ہے دیکھتے اُس کی بلاق

دیکھتے ہی اُس کے خط کی شان دل مرجھا گیا
اِس دھویں کو دیکھ آنکھوں میں اندھارا چھا گیا

رنگ اُڑ گیا سمن کا نرگس بھی تک رہی ہے
گلشن میں گلبدن بن کھچڑی سی پک رہی ہے

اُدھر تو تم بھووں کو تان کر تیوری چڑھاتے* ہو
اِدھر میں دل میں 'بسم اللہ' 'بسم اللہ' کہتا ہوں

---

* چڑھاتے

باب الظاء

خواجہ محمد خان ' ظاہر' تخلص-

ظاہر کنندۂ مضامین تازہ ' و بلبل صفیر سنج بستان دبستان میرزا ' مظہر ' است - این ابیات ' ظاہر ' از تذکرۂ فتح علی خان ظاہر شد :—

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی
جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

محبت کوہ کن کی رنگ اگر جاکر نہ پھیلاتی
نہ خسرو سرخ ہو آتا ' نہ شیریں زرد ہوجاتی

ناز سے تک اٹھا نقاب کے تئیں
دور پردے سیں کر حجاب کے تئیں

اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوتی
ممکن نہ تھا کہ اُس کے دل کو خبر نہ ہوتی

باطن میں گو کسو سے تجھے دوستی نہ ہو
لیکن تجھے رعایت ' ظاہر ' ضرور ہے

شیوسنگ 'ظہور'

منتخب این عالم ظہور' و معنی یاب مشہور است ۔
فتح علی خان این ابیات 'ظہور' می طرازد :—

از بس کیا بہار نے سب کوہسار سبز
ہے کیا عجب جو سنگ سے نکلے شرار سبز

'ظہور' اس بات پر مت جائیو زنہار تو اس کی
کہ جو کہتا ہے سو وہ سرو گل رخسار کرتا ہے

چمن میں باندھنے مجکو نہ آشیاں دیتا
گلوں سے ملنے کی رخصت تو باغباں دیتا

رقیب ضد سے دوانا ہوا مری ' ورنہ
یہ بو الہوس کوئی برباد خانماں دیتا

جی نکلتا ہے مرا اس بے وفا کے واسطے
اس کو لے آؤ کوئی مجھ تک خدا کے واسطے

مجھے منظور تیرے باغ میں چلنے سے اتنا تھا
چمن میں قد ترے کو دیکھ کر شمشاد اُکھڑ جاتا

بیاباں میں مرے مرنے سے اب تک خاک اُڑتی ہے
مرے ماتم کے کرنے سے کبھی ویرانہ نہ باز آیا

ہمیشہ زلف خوباں کو کرے ہے درہم و برہم
مرے دل کے ستانے سے کبھو شانہ نہ باز آیا

باب الغین

محمد امان الله "غریب" تخلص

معنی بند عجیب و نکته رس غریب است - طوطی زبانش نوعے لکنت می دارد، لهذا گاہے تخلص خود 'الکن' هم می گذارد - آرے الکن طلق اللسان بود، و تلاش مضامین تازه می نمود - شعرش خالی از غرابت معنی نیست :—

دیکھہ دستار بسلگی ساقی سرشار کی
اب کھلی جاتی ھیں آنکھیں نرگس بیمار کی

بات رہ جاویگی قاصد وقت رھنے کا نہیں
جی تڑپتا ہے شتابی لا خبر اُس یار کی

عشق کے اس معرکے میں بوالہوس کا کام کیا
کیا طرح گذری دکھو منصور سے سردار کی

حال کہنے کا کبھی جو وقت پاتا ہے 'غریب'
بھول سب جاتا ہے باتیں دیکھہ صورت یار کی

این یک بیت 'غریب'، میر محمد تقی 'میر' و فتح علی خان می طرازد :—

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے 'غریب'
حسرت چمن کی کھائے کو یہ باغ ہے غریب

سید غلام 'غلام' تخلص

از برگزیدہ ہاے درگاہ، و مقبولان الہ است - اوقات را بکمال وارستگی و آزادی بسر می برد، و خود را ہمشیر زادۂ آبرو اظہار می کند - از بس کہ مزاجش بتصوف آشنا است، اکثر اشعارش بلکہ تمامے بفہم فقیر نمی آید، و شاہد حسن آن پردہ از رخ نمی کشاید - 'آبرو' و 'صادق' و مبارک و 'بے ہمتا' و 'غلام' درہر مقطع ریختہ التزام دارد، و پرورشی در ہر بحر می نماید چنانچہ می فرماید :-

آبرو صادق مبارک بے دل ہمتا، غلام
ساعت طاعت .... *

نیز می گوید :-

بے دل، مبارک، ہے غلام، صادق
حق کے افضال سے ہر درد کا درمان یہاں ہے

و سنہ تولدش یک ہزار و یک صد و بست و چار است - با فقیر ربط خاص دارد، و اکثر گاہ از راہ کرم بغریب خانہ قدم رنجہ می نماید - این چند از انفاس نفیسۂ او تبرکاً درین جا نوشتہ شد -

پردہ سے نکل یار بے آنا مزہ جانا   چولی کو وجاہت کے دکھانا

---

* یہ اور بعد کے بعض مقام کرم خوردہ ہوں اس لئے تصحیح نہ ہو سکی —

صفحهٔ امر ہے یو آیت "قل سیروافی الارض"
جان سے سعی کر و حکم فراوان یہاں ہے
......فاختۂ باطل ہے قمری کی مخاطب سے
قد شمشاد شاخ سرو کو کوکو تقابل تھا
تجمل .... ہوائے ابر رحمت سے
بہار فصل طاوسی پہ گلزار تجمل تھا

خاتمہ این کتاب مستطاب کہ موسوم بہ چمنستان شعرا است - شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم بر منتہاے خود کامران شدم لالیء گراں بہاے نیاز و شکر نثارے کہ ہر شاہد مقصود کہ خواستم از حجلۂ خفا ببر رساند، و ہر شجر مراد کہ طلب کردم از تخم انزوا در خیابان دل فشاند - یعنی این چمنستان شعرا و این گلستان فصحا محض بافضال الہی بے امداد غیرے و بے معاونت یارے، در عرصۂ قلیلے کہ حنا قیام بدست دارد، یا بہارے کہ تشریف ببوستان آرد، رونقے تازہ و رنگے از سرگرفت - موجب سرعت خامۂ خوشخرام این کہ ہستی نفسی موہوم است، و دنیا غمکدۂ مغموم؛ ہر کہ چشم بقا داشت بیجا، و کسے کہ توقع وفا نہاد، خطا - نیز می گویند کہ والا منشان کہ پاے ... باوج سپہر نہادہ اند و سر رشتۂ کار خود بدست تقدیر دادہ اند دل برنگ و بوے گلشن جہاں غنچہوار می نمایند و ہوا داری یک ہفتہ عمر گل ...... باین شمع در غم زندگانی نمی سوزند، و رخ از فروغ حیات مستعار چون الف از راست روی از زندگانی دنیا کنارہ می گیرند و چون ... ... روزگار

عبرت می پذیرند - حیات را سراب می پندارند، و زندگانی را حباب می انگارند، عمر را باد سبک میدانند، بقارا آب روان می .... بحبابے مثال می کنند و دنیا را خواب و خیال می گویند، پس دل بر دنیا نهادن نشان مرده دلی است و پابند حیات ناپایدار بودن دلیل... عمراگر بآبحیات رسیده است آخر خلل می پذیرد و دم حیات اگر ... یافته عاقبت برباد می رود- حیات دمے بیش نیست، غم او نتوان خورد چرا که بقاے ندارد ... مرده او نتوان بود، دل بردم حیات بستن چون حباب ... ... زدن است و امید بر زندگانی داشتن چون باد نقش بر آب نگاشتن

این عمر که بیتاب به بینی آنرا
نقشے است که در خواب نه بینی آنرا
در ... ... است و زندگانی دروے
خوابی است که در خواب نه بینی آنرا

انتهی - خوشا کسے که این نقش موهوم را دم صبح بکشاده چشمی بسر می برد البته ...... مراد خواهد یافت و زهے دلے که این جاے مغموم را مثال گل بیک ... ... کرده نشوے و خنده بگذارنید، زنهار بر فرق اهل روزگار جا خواهد یافت -

رباعی

این عمر بباد نو بهاران ماند   این عیش بسیل کوهساران ماند
زنهار چنان که بعد از مردن   انگشت گزیدنی به یاران ماند

از یاران این چمن و گلگشت کنان این گلشن چشم آن دارد که چون بپائے چشم سیر این خارستان نمایند، نظر بکرم بخشی

و گلشن مزاجی فرموده.......... که باشد از رشحات سحاب
مکرمت و قطرات مطراب اصلاح گل کند ورنه گل نکنند
بقدر وسع در اصلاح کو شند اگر اصلاح نتوانند پوشند -
بر ضمیر منیر سررشته جویان اخبار، و قانونچه شناسان تذکار
محتجب نیست که صحت اشعار از جملهٔ اشکال است و اشتراک تخلص
بچهته تحریر اشعار قباحت میدارد، مثل سید محتشم علی خان
حشمت و محمد علی حشمت و محمد میر ' میر ' و میر
تقی ' میر ' و خوجم قلی خان ' موزون ' و میر رحم علی
' موزون ' و خواجه میر ' درد ' و کرم الله خان ' درد ' و
عاشق علی خان ' عاشق ' و عاشور بیگ عاشق ' علی هذا القیاس -
خصوصاً اهل دکن را تفریق اشعار این کسان از جملهٔ د شواری '
بلکه ممکن نباشد و دیوان هر متنفسے بدست نه آید - این خود
معلوم مگر بهزار جد و جهد یک دو ریختهٔ اهل هند بدست
می افتد - اگر دران اشعار مقطع سالم بهم رسید ' فهو المراد '
ورنه خیر ' از ان اشعار دست باید کشید - و طرفه قباحت دیگر
این است که اکثر مردمان کج فهم ' خطا کرده ' و اشعار عمر بنام زید و
اشعار زید بنام عمر نوشته اند ' درین صورت جودت طبعیت معذور
است - وقیتکه صاحب تذکرهٔ فارسی گویان با وجود موجود بودن
چند تذکره ها و دواوین صاحب سخنان غلطی کرده باشند چه جائکه ما باین
دو تذکره و باین قلیل مایه در تنقیح احوال و اشعار کو شیم '
لهذا تاحد المقدور جد و جهد کرده ' دوست و پائے زده ' بترجمهٔ
هر کسے که تحقیق پیوست ' بقلم آ ورد مابقی اشعار ....
در خاتمه ثبت نمود —

گندمی رنگ نے ترے اے شوخ مجھے آدم کے تئیں خراب کیا

آج تری چشم سے آنسو نہیں ہوتے ہیں بند
نل مگر پھوٹتا ہے مجھ دل کے کنول تالاب کا

قیامت ہے ترے غمزے سے آکر پھر کے ہٹ جانا
جھجک کر مسکرا کر، دیکھ کر، ہنس کر لپٹ جانا

دل باورے کی چاہ زنخدان کی چاہ تھی
آخر بھلا ہوا کہ اسی چاہ میں پڑا

پھول بھیجے سجن نے آج مجھے
پھول جا کر میں باغ باغ ہوا

خط نمودار ہوا اس کے سلونے مکھ پر
وو نمکدان خطا حیف کہ مودار ہوا

جیت میری ہے عشق بازی میں
مجکو دلبر نے جب سے ہار دیا

کاغذ کا رنگ زرد ہوا اس سبب ستی
پرواز میرے رنگ نے اس کی طرف کیا

پشت بام اوپر کھڑا ہے وو ستمگر بے حجاب
ایک نیزے پر قیامت ہے جو نکلا آفتاب

مت کوئی روشن کرو تربت پہ مجنوں کے چراغ
روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

پان و مسی سے شہادت اب ہوئی ہے لاعلاج
خون ناحق کیوں برستا ہے گھٹا کالی سے آج

دیکھہ چھرہ صاف ھے' اور زلف ھیں گسو دراز
آبرو نیچوں سے رکھہ یا حضرت بندہ نواز

کھنیا کی طرح پیارے تیری انکھیاں ھیں سانولیاں
کریں گی ھند میں دعوے خدائی کا میں اٹکلیاں

ھات سمرن ھو رھو میرے پیا
ھر گلے کے ھار ھونا خوب نہیں

حال میرا تم نہ پوچھو دیکھو اس خط کی طرف
عکس میرے رنگ کا کاغذ کے اوپر ھے عیاں

بندگی پہنچے ھماری اھل زناروں کے تیئں
دل ستی مت بھولیو اپنے پرستاروں کے تیئں

ساون کے بادلوں کی طرح جل بھرے ھوے
وہ چشمے ھیں کہ جس ستی جنگل ھرے ھوے

رخ سیں اپنے عرق کو دور نہ کر
حسن کا عطر مجکو لینا ھے

فی الحقیقت میں کشتۂ مجنوں حسن کے دیکھنے کی عینک ھے

تجھ ملاحت کے لون کی لذت جس کا جی ھو کباب سو جانے

برا نہیں مانتے احمق کہیں کوئی راجپوت ان کو
بہت خوش حال ھوتے ھیں جو بولیں تو تو رانا ھے

نکر ملتان میں تھانا' تہ تھٹھہ کر وطن اپنا
اُتر سورت سے کعبے کو جو تجھ میں شوق کا بل ھے

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی
ہر صبح کیوں نہ ہووے چمن میں جھٹا پٹی

آ مجھ نین میں بس کہ بنا ہے تیرے لیے
یہ خیمۂ سیاہ و سفید و پٹا پٹی

اے کبوتر جاکے کہہ یوسف سے کووے* سے نکل
تجھ بنا رو رو زلیخا ہوگئی ہے باوری

یوں تڑپتا نہ چھوڑ بسمل کو   باندھ لے چل شکاربندوں سے
کف سے قانوں عشق کومت چھوڑ   یہ صدا ہم سنی پرندوں سے
سروقد کیوں نہ اب رہوں تجھ پاس   دل بندھا زلف کی کمندوں سے

دل مرا صد برگ و سنبل کی نمن کیوں چاک ہے
دلربا کی زلف کے شانے سے پوچھا چاہئے

جب سے غنچے کی قبا گلشن میں تنگی سے چسی
مچ گئی پھولوں میں دیکھو کس نزاکت کی ہنسی

زعفرانی سے کو پی انکھیاں کئے ہو رسمسی
سو خوشی سے کیوں نہ آوے غنچہ لب تم کو ہنسی

گرجتے کیا ہو غصے سے گھٹا کر مہر کو پیارے
نین ساون برستے ہیں کہ جب سے تم نظر بدلی

شراب سرخ سے مت ڈر رنگیلے   ہوا جاتا ہے کیوں توزرد، پی لے
زبردستی سے نقد دل کومت لوٹ   جہاں میں گرچہ جیناہے سوجی لے

گر کوئی چاہے کہ میرے درد کا درمان کرے
اس کمان ابرو پہ لے جا کر مجھے قربان کرے

---

* کنوئیں

دیکھ اُس کے مونہہ جو میری روح کو بخشے ثواب
بعد مجھ مرنے کے گویا ختم یک قرآن کرے

.... کسی نے نین دیکھا
دیکھ آنکھوں سے جان جاتی ہے

زلف میں اے دل ترا بسرام ہے | بیٹھ رہ مت اے مسافر شام ہے

اُس صنم کے مکھ اُپر کیا روپ ہے | بیٹھ رہ مت جا مسافر دھوپ ہے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے | تیری سن سن کے چپ رہنے کے صدقے
عجب بے درد سے کام آپڑا ہے | مرے اس دل کے دکھ سہنے کے صدقے

چکوریں ماہ کے اور بلبلیں گلزار کے صدقے
کوی قربان کسی کا ہے میں اپنے یار کے صدقے

جام کو لب سے آشنا مت کر | نام اُس کا پیا کٹورا ہے

بخت اُڑ گئے اور بلندی رہ گئی | گئی بہار اور خود پسندی رہ گئی
سرو اور شمشاد مل گئے خاک میں | فاختۂ گلشن موں خندی رہ گئی

پیا کی زعفرانی دیکھ چولی | قیامت آج ہونی تھی سو ہولی
کمان ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے | کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلے

جب سے ملنے لگا چکور ان سے | چاند سے مکھ کو داغ لاگا ہے

مت بوجھ سرخ رنگ مجھ انکھیان کو بھنگ سے
میں دنگ ہورہا ہوں ترے مونہ رنگ سے

کلیجا ٹوٹ ٹکڑے ہو چلا اب منہ میں آتا ہے
سجن یہ مے نہیں ساقی مجھے موسہ پلاتا ہے

سن اے خداکے کھوئے یہ شب کہاں گنوائی
اس دود سے دھی کو تونے کہاں ملای

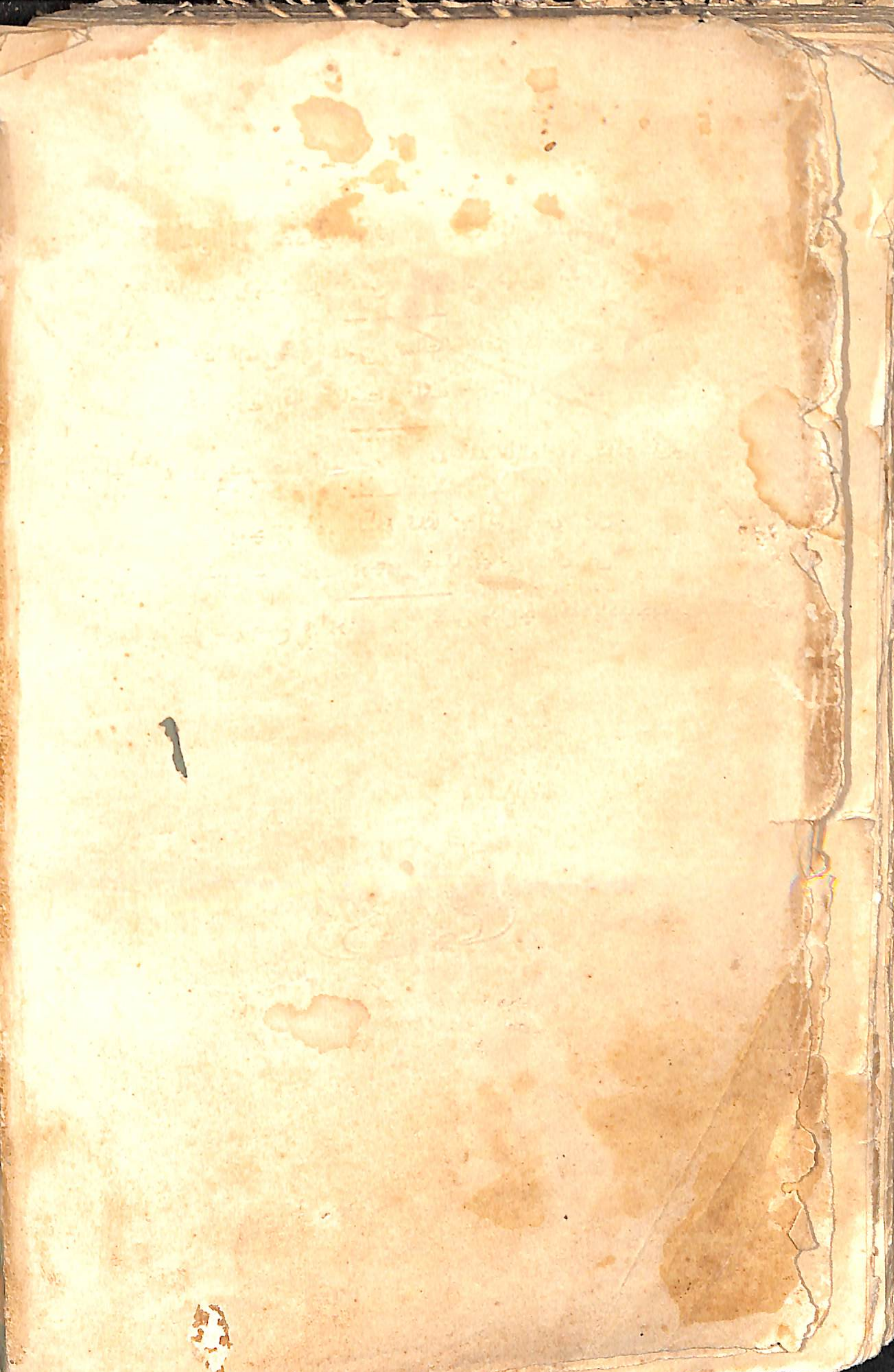
خدا کسی کو کسی سات آشنا نہ کرے
اگر کرے تو قیامت تلک جدا نہ کرے

اجی کیا ہے نفع حقہ پیے سے
نہ منہ میٹھا ہوے گُڑگُڑ کئے سے

کیا پوچھتے ہو لوگو گنگا بہائی کس کی
نیندوں سے میرے پوچھو جمنا بہائی کس کی

کیا ہواہے کس طرح کا ابر ہے
جس کودل چاہے نہ ہو، کیا جبر ہے





بقول زردشت

یہ ایک عجیب و غریب فلسفی کی عجیب و غریب کتاب ہے اور اس کے متعلق یہ سچ کہا گیا ہے "ایک کتاب جو سب کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں"۔ یہ کتاب جرمنی کے نامور فلسفی نیتشے کے تمام انکشافات اور تجربات اور تعلیمات کا نچوڑ ہے مشکل سے کوئی کتاب ایسی ملے گی جس میں شروع سے لے کر آخر تک وہ زور بیان اور قدرت کلام پائی جائے جو اس کتاب میں ہے۔ نیتشے نے اس کتاب میں فلسفی خیالات کو شاعرانہ جامہ پہنایا ہے اور الہامی کتب کا طرز تحریر اختیار کیا ہے۔ اس کتاب کے نام سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں زردشت کی تعلیم ہے یا اس کے مقولے ہیں بلکہ نیتشے نے اپنا فلسفہ زردشت کے نام سے بیان کیا ہے۔ وہ خود زردشت ہے اور اپنے خیالات کو صیغہ غائب میں ادا کرتا ہے۔ فاضل مترجم نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "بقول زردشت" محض بلحاظ ایک فلسفی کتاب ہونے ہی کے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی بلکہ اگر جرمن ادب کی معدودے چند کتابیں انتخاب کی جائیں جو فلک رفعت پر نورانی ستارے بن کر لوگوں کی آنکھوں کو چکاچوند کرتی ہیں تو ان میں سے ایک "بقول زردشت" بھی ہوگی۔ قیمت مجلد ہے (تین رُپے آٹھ آنے)، بلاجلد سے (تین رُپے)۔

ہمارے مزدور

صنعتی نظام اور صنعتی کارخانوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے مسئلے کو آج کل جو اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کتاب میں ہندستانی کارخانوں کے اہم معاشی مسئلوں سے بحث کی گئی ہے۔ قابل مؤلف نے بڑی محنت سے انگریزی کتابوں، سرکاری روئدادوں اور غیر سرکاری تحریروں کا مطالعہ کر کے مزدوروں کے تمام اہم معاشی مسائل سے متعلق نہ صرف کافی معلومات جمع کیے ہیں بلکہ ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے ہمیں ہندستانی کارخانوں کے مزدوروں کے جملہ مسائل و مباحث اور قوانین سے پوری واقفیت ہو جاتی ہے۔ قیمت آٹھ آنے۔

شہد کی مکھیوں کا کارنامہ اور ان کی پرورش کا طریقہ

یہ بہت دلچسپ کتاب ہے۔

نواب منظور جنگ بہادر نے نہ صرف مختلف کتابیں پڑھ کر یہ معلومات حاصل کیے ہیں بلکہ کتاب لکھتے وقت خود مکھیوں کی پرورش کر کے اپنے مشاہدے سے بھی بہت کچھ حاصل کیا ہے کتاب ٹھیٹ اور بامحاورہ اردو میں لکھی گئی ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے۔ بیان کی وضاحت کے لیے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت مجلد ۱۰ر، بلاجلد ۸ر

بزم اکبر یعنی اکبر الہ آبادی کے سوانح حیات اور کلام پر تنقید

اس کتاب کو پڑھتے وقت آپ محسوس کریں گے کہ فی الواقع آپ اس نامور شاعر کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ مولوی قمر الدین احمد صاحب بدایونی کے تعلقات اکبر سے بہت گہرے تھے۔ انھیں تعلقات کی بنا پر انھوں نے مرحوم کی زندگی کا پورا پورا مرقع پیش کیا ہے۔
کسی شاعر کے کلام کا پورا لطف اس وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب اس بات کا علم ہو کہ وہ کن حالات کے ماتحت اس کی زبان سے نکلا۔ "بزم اکبر" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اکبر کے مشہور اشعار کی تشریح اور محل بھی بتایا گیا ہے۔ حجم ۱۲۴ صفحے، قیمت مجلد عمہ، بلاجلد عمہ۔

ملنے کا پتہ:۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی